

سُلَيْلُ الرِّشاد

جَزْءٌ اُولٌ

مجلس انصار اللہ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی
کے
خطبات اور ارشادات

"Sabeel - ur - Risahad"

Khutbat & Directives of
Hadhrat Khalifatul Masih II to Ansarullah.
Volume: 1 (Urdu)

Copy Right
Islam International Publications Limited

Published By:
Islam International Publications Ltd.,
Islamabad,
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed By:
Raqeem Press, Tilford, Surrey
ISBN : 1-85372 - 572-2

بِسْمِ اللّٰہِ التَّحْمِیلِ التَّحْمِیلِ

پیش لفظ

کسی قوم کو زندہ اور فعال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ہر چھوٹا بڑا اپنے مقاصد سے باخبر ہو اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے پوری تدبی اور محنت کے ساتھ مصروف عمل رہے۔ اس غرض کے لئے حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثاني نے جماعت احمدیہ میں ذیلی تنظیموں کو قائم فرمایا۔

جولائی ۱۹۲۰ء میں حضور نے جماعت احمدیہ کے ۲۰ سال اور زائد عمر کے افراد کی تنظیم مجلس انصار اللہ کے نام سے قائم فرمائی۔ اس مجلس کو حضور نے وقاراً فوقتاً اپنے ارشادات سے نوازا اور ان کی رہنمائی فرمائی۔

حضور کے یہ خطبات اور ارشادات ایک جگہ کتابی شکل میں احباب جماعت کے استفادہ کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے لئے مجلس انصار اللہ کو قائم کیا گیا ہے اور جماعت احمدیہ کا قدم ہمیشہ ترقی کی راہ پر آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے۔ آمین

ناشر

فہرست سیل الرشاد

جلد اول

1	محل انصار اللہ کا قام	-1
28	انصار اللہ اور دیگر تنظیموں میں شمولیت کی اہمیت اور ان تنظیموں کے فرائض	-2
36	جماعت کی روحی تعلیم کے لئے محل انصار اللہ کی ذمہ داری	-3
53	انصار اللہ خدام الاحمدیہ اور بخشہ امام اللہ کے قیام کے چھ مقاصد	-4
64	نماز باجماعت کے قیام کے سلسلہ میں مجالس انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کی	-5
68	سلسلہ کی رو حالی بقاعہ-ذیلی تنظیموں کے قیام کا مقصد	-6
71	کیفیت اور کیت دنوں لحاظ سے جماعت کی ترقی-ذیلی تنظیموں کی تحریکات کا مقصد	-7
79	جماعت احمدیہ میں خدام الاحمدیہ-انصار اللہ اور بخشہ امام اللہ کے قیام کی ضرورت و اہمیت	-8
101	ذیلی تنظیموں کے قائم کرنے کی حکمت	-9
108	خلافت احمدیہ سے کامل وابستگی-انصار اللہ کی اہم ذمہ داری	-10
132	قرآن کریم میں احمدی خواتین کا ذکر-انصار اللہ کی ذمہ داری	-11
144	مالی قربانیوں میں اور رو حالی اعتبار سے انصار اللہ ترقی کریں	-12
153	واگی رو حالی زندگی کے لئے خلافت احمدیہ کی اہمیت	-13
176	کامل تنظیم اور متواتر حرکت عمل کی تلقین	-14
180	احمدیت کی محبت اور محنت کی عادت پیدا کرنے کے ذرائع پر غور کریں	-15
185	جماعت میں مشقت طلب کاموں کی عادت پیدا کرنا	-16

189	وقف جائیداد کی تحریک	-17
	نماز پا بجماعت اور مخت کی عادت ڈالنے کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ	-18
193	اور انصار اللہ کی ذمہ داری	
197	انصار اللہ کو مرکز بنانے کی بدایت	-19
203	مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی تنظیم تو کے متعلق بدایات	-20
205	جماعت میں نمازوں۔ دعاؤں اور تعلق باللہ کو قائم رکھنا انصار اللہ کا کام ہے	-21
209	تحریک جدید کے سلسلے میں زیلی تظہیوں کی ذمہ داری	-22
212	حضرت سعیج موعود علیہ السلام کے ظاہری اور باطنی قرب ملنے کی دعا	-23
216	مجلس انصار اللہ کے پانچ سالانہ اجتماع کے موقع پر خلیفۃ المسیح کا پیغام	-24
218	مجلس انصار اللہ کے چھٹے سالانہ اجتماع کے موقع پر خلیفۃ المسیح کا پیغام	-25
220	تلیغ کرنے کا آکیڈی ارشاد	-26
221	خداۓ واحد کے نام کی بلندی اور کفر اور شرک کی بیچگی کے لئے قریان کریں	-27
225	حقیقی معنوں میں انصار بننے کی دعا	-28

مجلس انصار اللہ کا قیام

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق ایک دعا

کی تھی جس کا قرآن کریم میں ذکر آتا ہے۔ اور وہ دعا یہ تھی کہ

رَبَّنَا وَابْنَعْثُ فِيهِمْ رَسُولاً فَنَهْمُ يَتَّلَوُ عَلَيْهِمْ أَيَّاتِكَ وَيَعْلَمُهُمْ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُرِيكُهُمْ

(البقرہ آیت ۱۳۰)

اے میرے رب! تو ان میں ایک نبی مبعوث فرم۔ جس کا کام یہ ہو کہ یَتَّلَوُ عَلَيْهِمْ أَيَّاتِكَ وَهُنَّ مِنْ أَنْفُسِ أَنْفُسٍ پڑھ کر سنائے وَيَعْلَمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور شریعت کے احکام اور ان کی حکمتیں انہیں سمجھائے۔ وَيُرِيكُهُمْ اور انہیں پاک کرے یا مُیزِّيکُهُمْ کے درستے معنوں کے مطابق انہیں ادنیٰ حالتوں سے ترقی دیتے دینے اعلیٰ مقامات تک پہنچاوے۔

یہ دعا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے اس کے مقابل انہوں نے اپنی اولاد کے متعلق ایک عام دعا بھی کی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کی انہوں نے فرمانبرداری کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کو قبول کیا اور فرمایا۔ کہ ہم تم کو امام بناتے ہیں تو إِنَّمَا جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً کی خبر سننے کے بعد انہوں نے فرمایا و من ذریتی (البقرہ آیت ۱۲۵) میری امامت تو میرے زمانہ کے لوگوں تک ختم ہو جائے گی لیکن دنیا تو اماویں کی بیشہ محتاج رہے گی اور جب دنیا بیشہ اماویں کی محتاج رہے گی تو اے خدا میری ذریت میں سے بھی امام مقرر کئے جائیں۔

گواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ کوئی نبی بیشہ بیش کے لئے دنیا

کے لئے رہبر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف سے امام آنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار امام آنے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق اپنی اولاد میں سے متواتر امام بنائے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔ اور دوسرا طرف کہ سے تعلق رکھنے والے سلمہ کے متعلق یوں دعا فرماتے ہیں۔ **رَبَّنَا وَابْنَعَثُ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ** کہ اے میرے رب ان میں ایک رسول بیجج۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہاں انہوں نے صرف ایک رسول مبعوث کئے جانے کی کیوں دعا کی۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایک رسول کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ دنیا یہی شر رسولوں کی محتاج رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ میری امامت کبھی اچھے نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ جب تک میری اولاد میں سے بھی امام نہ ہوں اور جب تک ہدایت کا وہ بیجج ہو میرے ہاتھوں سے بویا جائے اس کا بعد میں بھی نشوونما نہ ہو تاہے۔ میں تو امام ہو گیا لیکن اگر بعد میں دنیا گمراہ ہو گئی تو میری امامت کیا نتیجہ پیدا کرے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ کی ذریت سے تعلق رکھنے والے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ ان کے متعلق بھی قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ ان سے پوچھے گا۔ کہ تیری قوم جس شرک میں جلا ہوئی کیا اس کی تو نے لوگوں کو تعلیم دی تھی اور کیا تو نے یہ کما تھا۔ کہ میری اور والدہ کی پرستش کرو۔ تو اس کے جواب میں وہ کہیں گے **وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ**

(المائدة آیت ۱۸)

کہ جب تک میں ان میں رہاں کی گمراہی کرتا رہا مگر جب مجھے وفات دے دی گئی۔ تو حضور پھر میں کیا کر سکتا تھا۔ اور مجھے کیوں نکر معلوم ہو سکتا تھا کہ میری قوم بگزگنی ہے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ امر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ نبی کا اثر ایک عرصہ تک ہی چلتا ہے اس کے بعد اگر قوم بگز جاتی ہے تو کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ خدا تعالیٰ کو ان کی ہدایت کا کوئی اور سامان کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی تصدیق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی۔ کہ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِي** یعنی میری ذریت میں سے بھی ایسے لوگ ہونے چاہیں۔ ورنہ دنیا کی ہدایت قائم نہیں رہ سکتی۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ایک۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا دو۔ یہ اس بات

کے شاہد ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی۔ کہ دنیا میں ہدایت کے قیام کے لئے متواتر اماں کا ہوتا ضروری ہے۔ جب متواتر اماں کا ہوتا ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر ہدایت قائم نہیں رہ سکتی۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

اس دعا کے کیا معنی ہوئے

کہ **رَبَّنَا وَابْغَثْ فِينَهُمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ** اے میرے رب ان میں ایک رسول بیچج۔ پھر تو انہیں یہ دعا مانگنی چاہئے تھی۔ کہ **رَبَّنَا وَابْغَثْ فِينَهُمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَلَوَّنَ عَلَيْهِمْ أَيَّاتِكَ وَيَعْلَمُونَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُرِيكُنَهُمْ** کہ اے میرے رب ان میں بہت سے انیا مسحیوں۔ جو تیری آئیں پڑھ پڑھ کر انہیں ناکیں۔ اور تیری شریعت کے احکام اور ان کی مکتبیں نہیں بتائیں۔ اور انہیں اپنی قوت قدری سے پاک کرتے رہیں۔ مگر وہ تو یہی دعا کرتے ہیں کہ **رَبَّنَا وَابْغَثْ فِينَهُمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ** اے میرے رب ان میں ایک رسول بیچج۔ یتَلَوَّنَ عَلَيْهِمْ أَيَّاتِكَ وہ تیری آئیں پڑھ نہ کہ پڑھیں **وَيَعْلَمُونَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** اور وہ ان کو کتاب اور حکمت سکھائے نہ کر سکھائیں۔ **وَيُرِيكُنَهُمْ** اور وہ ان کو پاک کرے۔ نہ کہ پاک کریں۔ مگر خود ہی دوسرے موقعہ پر دعا کے ذریعہ اس امر کا اقرار کر پچھے ہیں۔ کہ میری نبوت کافی نہیں ہو سکتی۔ جب تک میری اولاد میں سے بھی انبیاء نہ ہوں۔ اور جب تک نبیوں کا ایک لمبا سلسلہ دنیا میں قائم نہ ہو۔ اس ضرورت کو تلیم کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے

یہ کیوں دعا کی

کہ ان میں ایک نبی میouth کیجوں۔ یہ ایک سوال ہے۔ جس کو اگر ہم قرآن کریم سے ہی حل نہ کر سکیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غلطیاں ادا کر آتا ہے۔ کہ انہوں نے ایک ایسی دعا کی جس سے دنیا کو ہدایت کامل نہیں مل سکتی تھی۔ اور دنیا کے لئے نور کا ایک رستہ کھولتے ہوئے انہوں نے اسے معاً بند کر دیا۔ یہ تو کجا جا سکتا تھا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زہن آگے کی طرف گیا ہی نہیں۔ انہوں نے صرف یہ چاہا۔ کہ میرے بعد ایک نبی آجائے۔ اور آئندہ کے متعلق وہ خود دعا کرتا رہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دعا نے ہتادیا۔ کہ ان کے

دل میں یہ خیال آیا۔ اور انہوں نے اس کے متعلق دعا بھی کی۔ چنانچہ فرمایا و من ذریتی کہ میری اولاد میں سے بھی ائمہ ہوتے رہیں۔ تو یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بعد کے زمانہ کی ضروریات کی طرف زہن ہی نہیں گیا بالکل غلط ہے کیونکہ ان کی دوسری دعائے بتادیا۔ کہ انہیں قیامت تک لوگوں کی ہدایت کا خیال تھا۔ اور جب انہیں اس امر کا خیال تھا۔ اور وہ سمجھتے تھے۔ کہ ائمہ کا یہی شہ آتے رہنا ضروری ہے۔ تو پھر اس دعا پر انہوں نے کیوں کفایت کی۔ کہ خدا یا ان میں ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے انہیں کتاب اور حکمت سخنانے۔ اور انہیں پاک کرے۔

اس سوال کا جواب

ہمیں قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ یُسَبِّحُ اللَّهُ
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمْمَاتِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَنْذِلُوا عَلَيْهِمْ أَيَّاتٍ وَيُرِيكُمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمعہ آیات 3-2)

یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے استعمال کئے تھے فرماتا ہے وہ خدا بڑی بلند شان والا ہے۔ جس نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو سن کر اُمیتین میں اپنارسول میوثر کیا یعنی **يَنْذِلُوا عَلَيْهِمْ أَيَّاتٍ** وہ ان کو اس کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ **وَيُرِيكُمْ** اور ان کو پاک کرتا ہے **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** اور ان کو آسمانی کتاب سمجھاتا اور شرائع کی باریک درباریک علیمشہتا ہتا ہے۔

یہ بتا کر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی۔ اور اب اس اعتراض کا ازالہ کرتا ہے۔ جو بعض طبائع میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا نامکمل ہے۔ کیونکہ جمال اپنی اولاد کے متعلق عام دعا انہوں نے یہ کی تھی کہ ان میں متواتر رسول آتے رہیں وہاں کمہ والوں کے متعلق انہیں نے صرف یہ دعا کی کہ ان میں سے ایک رسول میوثر ہو۔ چنانچہ فرماتا ہے **وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحُظُوا بِهِمْ** ان دعاوں میں بے شک ایک فرق ہے۔ مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم اولاد کے بعض حصوں میں ایسے نبی آئے تھے جنہوں نے اپنی ذات میں

مستقل ہونا تھا۔ مگر ابراہیم نے کہہ والوں کے متعلق جو دعا کی وہ صرف ایسے رسول کے متعلق تھی۔ جس نے ایک ہی رہنا تھا۔ اور جس کے متعلق یہ مقدر تھا کہ آئندہ دنیا میں یہی شے اس کے اغلال و اتباع پیدا ہوتے رہیں۔ پس چونکہ یہ خدا کا فصلہ تھا کہ اس رسول نے بار بار تمعن اظلال کے ذریعہ دنیا میں ظاہر ہوتے رہنا ہے۔ اس لئے بالفاظ دیگر اماموں کا سلسلہ بھی یہی شے قائم رہنا تھا۔ اور رسول بھی ایک ہی رہنا تھا۔ کیونکہ ان کی امامت اور رسالت جد اگاثہ نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثبوت و رسالت میں شامل ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دعا کے نتیجہ میں چونکہ ایک ایسا رسول آتا مقدر تھا۔ جس نے بار بار اپنے اغلال کے ذریعہ دنیا میں آنا تھا۔ اس لئے رُسْلًا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ رَسُولًا ہی کہنا چاہئے تھا۔ تو اخرينِ منہم لَمَّا يَلْهَقُوهُمْ میں اس اعتراض کا جواب دے دیا گیا ہے کہ جہاں انہوں نے اپنی اولاد کے متعلق عام دعا کی۔ وہاں تو ان میں بار بار رسول اور امام بھیجنے کی التجاہی۔ مگر جہاں کہ والوں کے متعلق خاص طور پر دعا کی۔ تو وہاں صرف ایک رسول بھیجنے کی دعا کر دی۔

اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ بے شک کہہ والوں کے متعلق انہوں نے بھی دعا کی تھی۔ کہ ان میں ایک رسول آئے۔ مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول ایسا کامل تھا کہ اس پر اس قسم کی موت آئی نہیں سکتی تھی۔ کہ اس کی تعلیم کا اثر لوگوں کی طبائع پر سے سکیتہ جاتا رہے۔ بلکہ مقدر یہ تھا۔ کہ جب بھی طبعی طور پر یہ اثر جاتا رہے گا۔ خدا اسی رسول کو دوبارہ میوثر کر دے گا۔ اور چونکہ اس رسول نے اپنے تمعن اظلال کے ذریعہ بار بار دنیا میں آنا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت سے رسول مانگنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہتا دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دعا کی تھی کہ رَبَّنَا وَابَعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ تو اس رَسُولًا مِّنْهُمْ سے مراد خاتم النبیین تھا۔ اور چونکہ خاتم النبیین کی ثبوت میں بعد میں آنے والے تمام عبیوں اور رسولوں کی ثبوت شامل تھی۔ اس لئے یہ ضرورت ہی نہ تھی کہ رَسُولًا مِّنْهُمْ کی بجائے رُسْلًا مِّنْهُمْ کما جاتا۔ پس ہمیں اس آیت سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اپنی ذات میں ہی بعد میں آنے والے رسولوں اور اماموں کی خبر دیتی تھی۔ آپ کے علاوہ دنیا میں اور کوئی ایسا رسول نہیں ہوا پنی ذات میں آنے والے انبیاء کی خبر دیتا ہو۔ موی کافیں اپنی ذات میں منفرد تھا۔ داؤد کا نفس اپنی ذات میں منفرد تھا۔ اس طرح اور انبیاء کے نفوس اپنی ذات میں منفرد تھے۔ اس

میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیاء آئے۔ مگر وہ ان کے غل نہیں تھے۔ بلکہ تابع تھے۔ یعنی موسیٰ کے غل ان معنوں میں تھے، جن معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غل ہیں۔ یوں تو غل پہلوں کے بھی ہوتے رہے ہیں۔ مگر اس نظریت کے مبنی صرف مشاہد کے ہوا کرتے تھے۔ جیسے حضرت میسیح الیاس کے غل تھے۔ مگر غل کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ الیاس کے ماتحت تھے وہاں ایک تابع ہو سکتا تھا، جو غل نہ ہو۔ اور ایک غل ہو سکتا تھا، جو تابع نہ ہو۔ یعنی غل تھے۔ میسیح غل تھے الیاس کے، مگر الیاس کے تابع نہ تھے۔ بلکہ تابع وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہی تھے۔

تو نظریت اور اتباع الگ الگ چیزیں

ہوا کرتی تھیں۔ نظریت کے معنی صرف "اس جیسا" کے ہوا کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے بعد ایک میرے جیسا رسول آئے گا۔ اب اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ کے تابع نہیں تھے۔ چنان پسلے انہیاء میں یہ ہو سکتا تھا کہ ایک نبی کسی دوسرے نبی کا غل تو ہو، مگر تابع نہ ہو، یا تابع تو ہو، مگر غل نہ ہو۔ جیسے حضرت میسیح علیہ السلام تابع تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے۔ مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غل نہیں تھے۔ اسی طرح وہ غل تھے الیاس کے مگر وہ ان کے تابع نہ تھے۔ بلکہ تابع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔

مگر یہاں جو خبر دی گئی ہے کہ **وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَتَابَلُّهُ قُوَّاْبِهِمْ** اس میں کام بھی وہی رکھا گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ اور نام بھی وہی رکھا گیا ہے جو آپ کا تھا۔ کیونکہ فرمایا **وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَتَابَلُّهُ قُوَّاْبِهِمْ** وہی رسول پھر آخرین میں مبوح ہو گا۔ اور "وہی رسول" کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ صفات بھی ویسی ہوں گی۔ کام بھی وہی ہو گا۔ اور نام بھی وہی ہو گا۔ گویا صفات کے لحاظ سے وہ غل ہو گا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کاموں کے لحاظ سے وہ تابع ہو گا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ جس طرح وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے اسی طرح یہ نمازیں پڑھے گا۔ جس طرح وہ روزے رکھا کرتے تھے اسی طرح یہ روزے رکھے گا۔ جس طرح وہ زکوٰۃ دیا کرتے تھے اسی طرح یہ زکوٰۃ دے گا۔ جس طرح وہ احکام ائمہ پر چلتے تھے اسی طرح یہ احکام ائمہ پر چلتے گا۔ یہ تابعیت ہے جو اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاصل ہو گی۔

اور دوسری طرف جو آپ کی خصلتیں ہوں گی وہی اس کی خصلتیں ہوں گی۔ اور جو آپ کے اخلاق ہوں گے وہی اس کے اخلاقی ہوں گے۔ اور یہ اس کے عمل ہونے کا ثبوت ہو گا۔ مگر حضرت عیینی علیہ السلام نے الیاس را لے کام نہیں کئے۔ الیاس نے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم دی۔ اور حضرت عیینی علیہ السلام نے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم دی۔ پس گودہ عمل تھے الیاس کے، مگر الیاس کے تابع نہیں تھے۔ بلکہ تابع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہی تھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمادیا کہ آپ کی نیابت میں جو لوگ کھڑے ہوں گے وہ آپ کے عمل بھی ہونگے اور آپ کے تابع بھی ہوں گے۔ اور یہ دونوں باتیں ان میں پائی جاتی ہوں گی۔ اسی وجہ سے حضرت سُچ موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں بارہا اپنے متعلق یہ ذکر فرمایا ہے کہ میں امتی نبی ہوں۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقطہ نگاہ سے میں امتی ہوں۔ مگر تم لوگوں کے نقطہ نگاہ سے میں نبی ہوں۔ جماں میرے اور تمہارے متعلق کا سوال آئیگا وہاں تمہیں میری حیثیت وہی تسلیم کرنی پڑے گی جو ایک نبی کی ہوتی ہے۔ جس طرح نبی پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اسی طرح مجھ پر ایمان لانا ضروری ہو گا۔ جس طرح نبی کے احکام کی اتباع فرض ہوتی ہے اسی طرح میرے احکام کی اتباع تم پر فرض ہو گی۔ مگرجب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوں گا تو اس وقت میری حیثیت ایک امتی کی ہو گی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فرمان میرے لئے واجب التعمیل ہو گا اور آپ کی رضا اور خوشنودی کا حصول میرے لئے ضروری ہو گا۔ گویا جس طرح ایک ہی وقت میں دادا اور باپ اور پوتا اکٹھے ہوں۔ تو جو حالت ان کی ہوتی ہے وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سُچ موعود علیہ السلام کی ہے۔ ایک باپ جب اپنے باپ کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ باپ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ بیٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن وہی باپ جب اپنے بیٹی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی حیثیت باپ کی ہو جاتی ہے اور بیٹی کا فرض ہوتا ہے کہ اس کا ہر حکم مانے۔ پیتا یہ نہیں کہ سکتا کہ جب تم اپنے باپ کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے تو اس وقت تمہاری حیثیت جب بیٹی کی تھی نہ کہ باپ کی۔ تو اب تمہاری حیثیت باپ کی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اب اس کامنہ اپنے باپ کی طرف نہیں بلکہ اپنے بیٹی کی طرف ہو گا۔ یہی حیثیت اللہ تعالیٰ نے حضرت سُچ موعود علیہ السلام کو بھی عطا فرمائی ہے۔ وہ

امتی بھی ہیں اور نبی بھی

وہ نبی ہیں ہم لوگوں کی نسبت سے۔ اور وہ امتی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے۔ عینیٰ علیہ السلام نبی تھے، موسیٰ کی طرف مونہہ کر کے بھی۔ صرف اپنی امت کی طرف مونہہ کر کے ہی نبی نہیں تھے۔ اسی طرح داؤد نبی تھے موسیٰ کی طرف مونہہ کر کے بھی۔ صرف اپنی امت کی طرف مونہہ کر کے نبی نہیں تھے۔ اسی طرح سلیمان ذکریا اور یحییٰ نبی تھے موسیٰ کی طرف مونہہ کر کے بھی۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی امت کی طرف مونہہ کر کے نبی ہوں۔ اور موسیٰ کی طرف مونہہ کر کے امتی۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ یہ عجیب قسم کی نبوت جاری ہوئی کہ ایک ہی نبی جب ہماری طرف مخاطب ہوتا ہے تو وہ نبی ہوتا ہے۔ اور جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوتا ہے تو امتی بن جاتا ہے اور وہ کسی ایسے کام کا دعوییدار نہیں ہو سکتا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ اسی کام کو چلائے جس کام کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلایا۔ کیونکہ فرماتا ہے۔ **وَأَخْرِيزُ مِنْهُمْ لِمَّا يُلْحَقُوا بِهِمْ** اللہ تعالیٰ اسے آخرین میں بھی مبعوث کرے گا جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوبارہ بعثت ہو گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کام نہیں ہو سکتے۔ وہی کام جو آپ نے پہلے زمانہ میں کئے وہی آخری زمانہ میں کریں گے اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح ناصری کے بھی عمل یا مثالیں تھے۔ مگر آپ سے ان کو صرف نسلیت کا تعلق تھا۔ تابعیت کا نہیں۔ کیونکہ گو آپ کو نام مسیح کا دیا گیا تھا، کام آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پسرو کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورہ جمد سے ثابت ہے۔ پس حضرت مسیح موعود گوجو مشاہدات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے وہ زیادہ شدید ہے بہ نسبت اس کے جو آپ کو مسیح ناصری سے حاصل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

پر میجا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمد جس پر میرا سب مدار
پس ہماری جماعت جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسلام پر ایمان لاتی ہے، اس کے افراد کو یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یا تو وہ یہ دعویی کریں کہ حضرت مرزا صاحب کو وہ کوئی ایسا

نبی سمجھتے ہیں جنوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور آپ کی غلامی سے آزاد ہو کر مقام نبوت حاصل کیا ہے۔ اس صورت میں وہ بے شک کر سکتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارا نبی آزاد ہے اس لئے ہم نے قانون بنائیں گے اور جو کام ہماری مرضی کے مطابق ہو گا وہی کریں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کریں گے۔ پس اگر ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ ہمارا نبی مستقل ہے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اور آپ کے احکام کی اتباع سے آزاد ہے، تو ہم کہ سکتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت نہیں۔ جو باعثیں ہمیں اچھی لگیں گی، اور جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں گی، صرف ان میں حصہ لیں گے باقی کسی میں حصہ نہیں لیں گے۔ لیکن اگر ہمارا یہ دعویٰ ہو کہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سورہ جمعہ کے مطابق امتی نبی ہیں۔ اور ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ رسولؓ ہیں جن کی نبوت و رسالت میں حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت شامل ہے۔ تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام کئے، وہی کام سعیج موعود کے بھی پرداز ہیں۔ اور جو کام صحابہؓ نے کئے وہی کام جماعت احمدیہ کے ذمہ ہیں۔ مگر میں تجب سے دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو ہماری جماعت کے دوست یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ حضرت سعیج موعود علیہ السلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل علی اور امتی نبی ہیں۔

اور وہی شریعت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی اسی کو دوبارہ قائم کرنا ہماری جماعت کا فرض ہے۔

اور وہ سری طرف جماعت کا ایک حصہ صحابہؓ کے طریق عمل کی جگہ ایک نبی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ اور اس راستہ کو اختیار ہی نہیں کرتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ نے اختیار کی۔ گویا ان کی مثال بالکل شتر مرغ کی ہے کہ جہاں درجوں اور انعامات کا سوال آتا ہے وہاں تو کہہ دیتے ہیں کہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی الگ وجود نہیں۔ بلکہ آپ کی بعثت و رحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی بعثت ثانیہ ہے اس وجہ سے جو صحابہؓ کا مقام وہی ہمارا مقام۔ چنانچہ وہ اس قسم کے استدلال

کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں آتا ہے
 ثُلَّةٌ مِّنَ الْأُولَئِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝
 (الواقعہ آیت 40-41)

کہ جیسے اولین میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے خدا کا قرب حاصل کیا اسی طرح آخرین خدا کی بہت بڑی رحمتوں کے سبقت ہوں گے۔ پس جیسے صحابہؓ کی جماعت تھی ویسی ہی ہماری جماعت ہے۔ جیسے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش اولیٰ سے مستفیض ہوئے، اسی طرح ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش ثانیہ سے مستفیض ہوئے۔ پس ہم میں اور صحابہؓ میں کوئی فرق نہیں۔ مگر جب قریانی کا سوال آتا ہے۔ تو ایسے لوگ کہتے ہیں کہ وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے۔ گویا وہ بالکل شتر مرغ کی طرح ہیں۔ جو اپنی دونوں ہاتھوں سے فائدہ تو اٹھا لیتا ہے مگر کام کرنے کے لئے یار نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کسی شتر مرغ سے کسی نے کما کہ آدم پر اسباب لادیں۔ کیونکہ تم شتر ہو (شتر کے معنی اونٹ ہیں اور مرغ کے معنی ہیں پرندہ) وہ کہنے لگا، کیا پرندوں پر بھی کسی نے اسباب لادا ہے؟ اس نے کہا، اچھا تو پھر اڑ کر دکھاؤ۔ کہنے لگا، بھی اونٹ بھی اڑا کرتے ہیں۔ پس جس طرح شتر مرغ اونٹ نے کے وقت اونٹ بن جاتا ہے اور اسباب لادتے وقت پرندہ۔ اسی طرح ہماری جماعت کا جو حصہ کمزور ہے، کرتا ہے۔ جب قریانی کا وقت آتا ہے تو وہ کہتا ہے ہمارا حال اور ہے اور صحابہؓ کا حال اور۔ مگر جب درجوں اور انعامات اور جنت کی نعماء کا سوال آتا ہے تو کہتا ہے، سبحان اللہ! حضرت صاحب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غل تھے۔ پس جو حال صحابہؓ کا وہی حال ہمارا۔

میں نے پسلے بھی بتایا ہے کہ کوئی پوریا مر گیا تھا۔ پوری سے عام طور پر دھوپی ہوتے ہیں۔ اس کی عورت نے باقی دھوپیوں کو اطلاع دی اور سب اکٹھے ہو گئے۔ رسم و رواج کے مطابق عورت نے ان سب کے سامنے رونا پیننا شروع کر دیا۔ ان میں طریق یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو عورتیں اور لاکیاں اکٹھی ہو کر بیٹھتی ہیں اور مرد انہیں تسلی دیتے ہیں۔ اس پوری سے کی عورت نے بھی رونا پیننا شروع کر دیا۔ اور روتے روتے اس قسم کی باشیں شروع کیں۔ کہ ارے اس نے فلاں کی جگہ سے اتنا روپیہ لیتا تھا۔ اسے اب کون وصول کرے گا۔ ایک پوریا آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ اری ہم ری ہم۔ وہ کہنے لگی ارے ان نے اوصیا رے پر گائے دی ہوئی تھی۔ اب اسے کون لائیگا۔ وہی پوریا پھر بولا اور کہنے لگا اری ہم ری ہم۔ پھر وہ روئی اور کہنے

لگی ارے اس کی تین ماہ کی تاخواہ مالک کے ذمہ تھی اب وہ کون وصول کرے گا۔ وہ پوربیا پھر آگے بڑھا اور کہنے لگا اوری ہم ری ہم۔ پھر وہ عورت روکر کہنے لگی ارے اس نے فلاں کا دوسو روپیہ قرض دینا تھا اب وہ قرض کون دے گا۔ اس پر وہ پوربیا باقی قوم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ارے بھی میں ہی بولتا جاؤں گایا برادری میں سے کوئی اور بھی بولے گا۔ ان کمزور احمد پوں کی بھی کی بحالت ہے۔ جماں جنت کی نعماء اور بد ارج کا سوال آتا ہے۔ وہاں تو کہتے ہیں ارے ہم رے ہم۔ مگر جب یہ کما جاتا ہے کہ صحابہؓ نے بھی قریانیاں کی تھیں تم بھی قریانیاں کرو تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم ہی بولتے جائیں یا برادری میں سے کوئی اور بھی بولے گا۔ یہ حالت بالکل غیر معقول ہے۔ اور اسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر حضرت سُعیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مستقل نبی تھے تو بے شک کسی نبی شریعت نے نظام اور نئے قانون کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع اور امتی نبی ہیں۔ تو پھر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔ وہی سُعیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پڑھ پڑھ کر اپنے سرہاتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ انعام بھی ہے۔ اور ہمارے لئے وہ انعام بھی ہے۔ مگر جب کام کا سوال آتا ہے تو کوئی یہ کہنے لگ جاتا ہے۔ کہ اگر میں کام پر گیاتو میری دوکان خراب ہو جائے گی۔ اور کوئی یہ عذر کرنے لگ جاتا ہے۔ کہ میں اپنے یوں بچوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ حالانکہ صحابہؓ کی بھی دو کافیں تھیں اور صحابہؓ کے بھی یوں بچے تھے۔ مگر انہوں نے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ پھر اگر ہم بھی صحابہؓ کے نقش قدم پر ہیں۔ اور حضرت سُعیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر۔ تو ان باتوں سے ڈرنے اور گھبرانے کے سینے کیا ہوئے۔ ہمارا نہ بہ بیسی ہے کہ حضرت سُعیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غل ور آپؐ کے تابع تھے۔ ان کی تمام عزت، اور ان کا تمام رتبہ اسی میں تھا کہ خدا نے ان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس بنادیا تھا۔ اور وہ اسی کام کے لئے مبعوث کے گئے تھے۔ جس کام کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج سے سائز ہے تیرہ سو سال پلے مبعوث ہوئے۔ بلکہ قرآنی اصطلاح میں ہم کہ سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہو کر تشریف لے آئے اور یہ ایک بست بڑی عزت کی بات ہے۔ مگر ساتھ ہی بست

بڑی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہو کر تشریف لے آئے ہیں، تو صحابہؓ کو بھی تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آ جانا چاہئے۔

پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کام کئے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئے تھے تو ہمارے کام وہ ہیں جو صحابہ نے کئے۔ صحابہ کو ہر سال چار چار، پانچ پانچ لاٹائیاں لازمی پڑتی تھیں اور بعض لاٹائیوں میں ممینہ ذیرہ ممینہ صرف ہو جاتا تھا۔ گویا بعض سالوں میں انہیں آٹھ آٹھ، نو نو میں نو گھروں سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ پھر انہیں کوئی گزارہ نہیں ملتا تھا۔ وال روثی اور نٹک کے لئے بھی پیسہ نک نہیں ملتا تھا۔ یہوی کا کام تھا کہ وہ بعد میں اپنی روزی آپ کمائے اور جانے والوں کا فرض تھا کہ وہ اپنے خرچ پر جائیں۔ حتیٰ کہ لڑائی پر جانے والوں کو راشن تک نہیں ملتا تھا۔ بلکہ ہر شخص کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اپنی روثی کا آپ انتظام کرے۔ اس کے مقابلہ میں، میں دیکھتا ہوں۔ ہماری جماعت میں ان باتوں کا احساس ہی نہیں یہ تو میں نہیں کہتا کہ سب میں احساس نہیں۔ مگر بہر حال جن کے دلوں میں یہ احساس ہے، ان کے مقابلہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں کوئی احساس نہیں۔ اور اس وجہ سے ہم محض اس بات سے تسلی نہیں پاسکتے کہ جماعت کے ایک حصہ میں ان باتوں کا احساس ہے۔ جب تک جماعت کا ایک حصہ ہمیں ایسا بھی نظر آتا ہے۔ جو اس احساس سے بالکل خالی ہے۔ اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ اسے صحابہؓ کی مماثلت حاصل ہے۔ خواہ وہ کتنا بھی تھوڑا ہے۔ جب تک اس کے اس غیر معقول رویہ کی اصلاح نہ کی جائے گی، اس وقت تک ہم چین اور آرام سے نہیں بیٹھ سکتے۔

میں نے سب نوجوانوں کی اصلاح اور دوسروں کو مفید دینی کاموں میں لگانے کے لئے

مجلس خدام الاحمدیہ

قامم کی تھی۔ مگر ان کی رپورٹ ہے کہ بعض نوجوان ایسے ہیں کہ جب ہم کوئی کام ان کے پرورد کرتے ہیں۔ تو پہلا قدم ان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کام کے کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر زور دیا جائے تو وہ مان تو لیتے ہیں اور کہتے ہیں اچھا ہم یہ کام کریں گے۔ مگر پھر دوسرا قدم ان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو کرتے نہیں۔ یہی کہتے رہتے ہیں کہ ہم کریں گے۔ کریں گے۔ مگر عملی رنگ میں کوئی کام نہیں کرتے۔ اس کے بعد جب ان

کے لئے سزا مقرر کی جاتی ہے۔ تو وہ اس سزا کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم استعفی دے دیں گے، مگر سزا برداشت نہیں کریں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ پچے احمدی نہیں۔ کیا منافقوں کے سوا شخص صحابہؓ میں سے تم کوئی مثال ایسی پیش کر سکتے ہو کہ ان میں سے کسی نے کام کرنے سے اس طرح انکار کر دیا ہو۔ یا کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس بات کو برداشت کیا؟ پھر اس جماعت میں سے ایسا نامونہ دکھانے والوں کو ہم صحابہؓ کا نمونہ کس طرح قرار دے سکتے ہیں ہم تو ان کو انہیں میں شامل کریں گے جو صحابہؓ کے زمانہ میں ایسے کام کرتے رہے ہیں یعنی منافق لوگ۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانے میں تکوار کا جہاد تھا۔ اور آج تکوار کا جہاد نہیں۔ لیکن ہر زمانہ کا جہاد الگ الگ ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تکوار کا جہاد تھا۔ اور ممکن ہے، اس قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ اگر کسی وقت تکوار کے جہاد کا موقعہ آیا تو وہ سب سے آگے ہو گے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اگر کبھی تکوار کے جہاد کا موقعہ آیا۔ تو ایسے لوگ سب سے پہلے بھاگنے والے ہوں گے۔ پس جب وہ کہتے ہیں کہ یہاں کوشا تکوار کا جہاد ہو رہا ہے۔ اگر تکوار کا جہاد ہو تو وہ شامل ہو جائیں۔ تو یا تو وہ اپنے نفس کو دھوکا دیتے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ اور میرے خیال میں تو وہ جھوٹ ہی بول رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مہینہ میں دو دن دو کان بند کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور وہ جہاد کے لئے سال میں سے آٹھ ماہ گھر سے باہر رہ سکتا ہے یہ فیصلہ کرنا کہ اس زمانہ میں کس قسم کے جہاد کی ضرورت ہے، خدا کا کام ہے۔ اور یہ خدا کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ہمارے ہاتھ میں تکوار دے دے۔ چاہے تو قلم دے دے۔ اور چاہے تو تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا جہاد مقرر کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں تکوار کا جہاد نہیں رکھا۔ بلکہ تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا جہاد رکھا ہے۔ اور یہی وہ جہاد ہے جس کا سورہ جعد کی ان آیات میں ذکر ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش ہانیہ کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ **يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ أَيَّاتِهِ** میں ہر مومن کا یہ فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے نشانات ایسے کویان کرے، یعنی انہیں تبلیغ کرے۔ **يُبَزِّكِيهِمْ** میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ انہیں پاک کرے، یعنی دعاویں کے ذریعے تزکیہ نفوس کرے یا **يُبَزِّكِيهِمْ** کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ کہ وہ لوگوں کو بڑھائے اگر وہ دنیوی علوم میں دوسروں سے پیچھے ہوں تو اس میدان میں ان کو آگے لے جائے۔ تعداد میں کم ہوں، تو تعداد

میں بڑھائے۔ مالی حالت کمزور ہو تو اس میں بڑھائے۔ غرض جس رنگ میں بھی ہو، انہیں بڑھاتا چلا جائے۔ گویا لوگوں کی مالی اور اقتصادی ترقی میں حصے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان کو قرآن سمجھائے۔ **وَالْجِنَاحُ مِنْ يَهْ** بیان کیا گیا ہے کہ احکام شریعت کی حکمتوں اور ان کے اسرار سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ اس آیت کے اور بھی معنی ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی اس تقریر میں بیان کیا ہوا ہے جو خلافت کے آغاز میں میں نے کی تھی اور جو "منصب خلافت" کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔ لیکن

یہ پانچ موٹی موتی باتیں ہیں۔

(۱) تبلیغ کرنا (۲) قرآن پڑھانا (۳) شرائع کی حکمتیں پڑھانا (۴) اچھی تربیت کرنا (۵) قوم کی دنیوی کمزوریوں کو دور کر کے انہیں اس ترقی کے میدان میں بڑھانا۔ یہ پانچ ذمہ داریاں صحابہ پر تھیں۔ اور یہی پانچوں ذمہ داریاں ہم پر عائد ہیں۔ تبلیغ ہمارے ذمہ ہے، تعلیم ہمارے ذمہ ہے، احکام کی حکمتیں پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، اور جماعت کی مالی اور اقتصادی حالت کی درستی اور اس کی پستی کو دور کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ اگر ہم یہ پانچ کام نہیں کرتے تو ہم جھوٹے اور کذاب ہیں، اگر ہم اپنے آپ کو صحابی کہتے ہیں۔ انہی کاموں میں سے ایک کام کے متعلق میں نے کچھ عرصہ ہوا قادیانی کی جماعت کو توجہ دلائی تھی۔ اور میں نے کہا تھا کہ کم سے کم قادیانی میں کوئی ان پڑھ نہیں رہنا چاہئے۔ مگر خدام الاحمدیہ کی طرف سے مجھے روپورث ملی ہے کہ جماں باقی سب محلوں نے کام ختم کر لیا ہے۔ وہاں مسجد نفل سے تعلق رکھنے والے تعاون نہیں کر رہے۔ (اس سے مراد دار الفضل والے نہیں۔ بلکہ وہ محلہ ہے جسے محلہ ار ایاں بھی کہتے ہیں۔) اس محلہ کے لوگ نہ قو نمازوں کے لئے باقاعدہ جمع ہوتے ہیں، نہ پڑھانے کے لئے جاتے ہیں، اور نہ ہی پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ اسی طرح مجھے میں لوگوں کی ایسی لست دی گئی ہے جنہیں اس محلہ کے ان پڑھوں کو تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا گیا۔ مگر کسی نے کوئی عذر کر دیا۔ اور کسی نے کوئی اور۔ جس نے مان بھی لیا وہ بھی پڑھانے کے لئے نہیں گیا۔ اور جب ان میں سے بعض کو کہا گیا کہ تمہیں اس جرم کی سزا دی جائے گی، تو ان میں سے دونے کما ہم خدام الاحمدیہ سے استغفار دے دیں گے۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے وہ خدام الاحمدیہ سے استغفار نہیں دے سکتے، بلکہ انہیں احمدیت سے استغفار دینا پڑے گا۔ یہ پانچ کام ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے کئے۔ یہی

پانچ کام ہیں جو صحابہؓ نے کئے اور یہی پانچ کام ہیں جو حضرت مجھ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئے۔ ہر شخص جو **يَتَلَوَّ أَغْلَيْهِمْ أَيَّاَتَهُ** کے مطابق تعلیم قرآن کا کام نہیں کرتا بلکہ تعلیم قرآن کے کام سے گریز کرتا ہے۔ وہ اس سے گریز نہیں کرتا بلکہ احمدیت سے گریز کرتا ہے۔ ہر شخص جو تبلیغ سے گریز کرتا ہے، وہ تبلیغ سے گریز نہیں کرتا بلکہ احمدیت سے گریز کرتا ہے۔ ہر شخص جو دوسروں کی تربیت سے گریز کرتا ہے، وہ تربیت کرنے سے گریز نہیں کرتا بلکہ احمدیت سے گریز کرتا ہے۔ ہر شخص جو شرائع کی مکتبیت ہاتا نے سے گریز کرتا ہے، وہ شرائع کی مکتبیت ہاتا نے سے گریز نہیں کرتا بلکہ وہ احمدیت سے گریز کرتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو تذکیرہ نفوس یا جماعت کی اقتصادی اور مالی ترقی کی تجویز میں حصہ لینے سے گریز نہیں کرتا بلکہ احمدیت سے گریز کرتا ہے۔ ایسے شخص کی نہ احمدیت کو کوئی ضرورت ہو سکتی ہے اور نہ اس کے لئے کوئی وجہ ہے کہ وہ احمدیت میں داخل رہے۔ وہ یہ کہ کر کہ وہ احمدی ہے، اپنے نفس کو دھوکاریتا ہے۔ یا اگر اپنے نفس کو دھوکا نہیں دیتا تو جھوٹا اور مکار ہے اور ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ سوننوں کی جماعت میں شامل رہ سکے۔

یہ پانچ کام ضروری ہیں۔ اور جماعت کے ہر فرد کو ان میں حصہ لینا پڑے گا اور جب تک وہ طوعاً یا کرہاً ان کاموں میں حصہ نہیں لیں گے۔ وہ کبھی صحیح معنوں میں صحابہؓ کے مثیل نہیں کہلا سکیں گے۔ آخر تمیں غور کرنا چاہئے کہ کیا صحابہؓ اپنی مرضی سے ہی تمام کام کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی متابعت میں تمام کام کرتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جہاد کے لئے چلو۔ اور سب چل پڑتے تھے۔ اور جونہ چلتا تھا سے جری طور پر لے جایا جاتا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ طوی طور پر جماعت کو ان قربانیوں میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ مگر معلوم ہوتا ہے ساری جماعت طوی طور پر قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ اس کا ایک حصہ منافقوں پر مشتمل ہے اور وہ ہمیں اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم اسے اپنی جماعت میں سے خارج کر دیں۔ یا اگر وہ منافق نہیں تو ایسے کون لوگ ہیں جو ڈنڈے کے محتاج ہیں۔ اور جیسے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو سزادی تھی جو حادثے کے لئے نہیں گئے تھے۔ اسی طرح وہ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں سزادی جائے اور جبراً ان سے احکام کی تعمیل کرائی جائے۔ ذہنے سے میری مراد سونا نہیں۔ بلکہ جبراً اور حکم مراد ہے۔ بہر حال ان لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں جماعت کے سامنے یہ اعلان کر دوں۔ کہ آج سے قاریان میں خدام الاحمدیہ کا کام طوی نہیں بلکہ جبراً ہو گا۔ ہر وہ احمدی جس کی پندرہ سے چالیس سال تک عمر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر خدام الاحمدیہ میں اپنا نام لکھا دے۔ اگر ۱۵ سے ۲۰ سال تک کی عمر کا کوئی احمدی ہادن کے اندر اندر خدام الاحمدیہ میں اپنا نام نہیں لکھا دے گا تو پہلے اسے سزادی جائے گی اور اگر اس سے بھی اس کی اصلاح نہ ہوئی۔ تو اسے جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس کے لئے کسی کو تحريك کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدام الاحمدیہ ہرگز کسی کے پاس نہ جائیں، ہاں ہر مسجد میں وہ اپنے بعض آدمی مقرر کر دیں اور ہر نماز کے بعد اعلان ہوتا رہے کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک ہمارا آدمی مسجد میں بیٹھے گا۔ جس نے خدام الاحمدیہ میں اپنا نام لکھا ہوا اسے نام لکھا دے۔ اور مخلوں کے پرینیڈ نتوں اور سیکرٹریوں کا فرض ہے کہ اس کے متعلق خدام الاحمدیہ کی طرف سے جو بھی اعلانات آئیں، ان کے ننانے کا نوری طور پر انتظام کریں۔ جو پرینیڈ نٹ یا سیکرٹری اس میں غفلت سے کام لے گا وہ مجرم سمجھا جائے گا اور اسے سزادی جائے گی۔

غرض تمام مساجد میں خدام الاحمدیہ اعلان کر دیں۔ کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک اس مسجد میں ہمارا فلاں آدمی بیٹھے گا اسے نام لکھا دیا جائے۔ بلکہ انہیں اپنے بعض آدمی قریب کے دیہات میں بھی مقرر کر دینے چاہئیں، جیسے نواس پنڈ وغیرہ ہے۔ اس پندرہ دن کے عرصہ میں جو شخص خدام الاحمدیہ میں اپنا نام نہیں لکھا دے گا ہم پہلے اس پر کیس چلا کیں گے۔ اگر کوئی معدود رہا تھا ہوا، مثلاً ان دنوں وہ قاریان میں موجود نہ تھا یا چارپائی سے ہل نہیں لکھا تھا۔ تو اس کو خدام الاحمدیہ میں شایل ہونے کا دوبارہ موقع دیتے ہوئے، باقی ہر ایک کو جس نے ان دنوں خدام الاحمدیہ میں اپنا نام نہیں لکھایا ہو گا، سزادی جائے گی۔ اور اگر وہ بڑا برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا تو اسے جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہم سزا نہیں لیتے، ہم خدام الاحمدیہ کے مجرم نہیں رہتا

چاہئے۔ ان کے متعلق خدام الاحمدیہ فوراً ایک سمجھنی بخواہیں، جو تحقیق کرے کہ ان پر جو اتزام لگایا گیا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ پھر جن کا جرم ثابت ہو جائے، انہیں تین دن کے مقاطعہ کی سزا دی جائے۔ ان تین دنوں میں کسی کو اجازت نہیں ہو گی کہ ان سے بات چیت کرے۔ نہ باب کو اجازت ہو گی، نہ ماں کو اجازت ہو گی، نہ بیوی کو اجازت ہو گی، نہ بیٹے کو اجازت ہو گی، اور نہ کسی اور قریبی رشتہ دار اور دوست کو اجازت ہو گی۔ اسی طرح ان دنوں میں انہیں قادریان سے باہر جانے کی اجازت بھی نہیں ہو گی۔ مبادا وہ خیال کر لیں کہ ان دنوں وہ قادریان سے چلے جائیں گے اور اس طرح اپنے جرم کو چھپا لیں گے۔ بلکہ انہیں قادریان میں رہتے ہوئے یہ تین دن پورے کرنے پڑیں گے اور ان کی کسی قریب ترین ہستی کو بھی ان سے بولنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ہاں انہیں صبح شام روٹی پہنچانا خدام الاحمدیہ کا کام ہو گا۔ اسی طرح جن لوگوں نے وعدہ کر کے کام نہیں کیا، سوائے دسویں جماعت کے طلباء کے (جن کو مقرر کرنے میں خود خدام الاحمدیہ کے افراد کی غلطی ہے)، ان کے اتزام کی بھی تحقیق کی جائے۔ اور جب اتزام ان پر ثابت ہو جائے تو ان کو بھی ایک دن کے مقاطعہ کی سزا دی جائے گی۔ اس عرصہ میں ماں اور باب اور بیوی اور بچوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کا فرض ہے کہ جس طرح ایک گند اجیختہ اپنے گھر سے نکال کر باہر پہنچنکر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ اسے اپنے گھر سے نکال دیں۔ باب بچے کو نکال دے، بھائی دوست وغیرہ سب اس دن کے لئے اس سے قطع تعلق کر لیں۔ اور وہ گھر کو چھوڑ کر مسجد یا کسی اور مناسب مقام پر چلا جائے۔ اور چوہیں گھنٹے تک لگاتار دیہیں رہے۔ ہاں ان لوگوں کو بھی کھانا پہنچانا خدام الاحمدیہ کا کام ہو گا۔ گھر میں سمجھتا ہوں کام کی ذمہ داری صرف پندرہ سے چالیس سال کی عمر والوں پر ہی نہیں بلکہ اس سے اوپر اور بیچے والوں پر بھی ہے۔ اس لئے میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ ایک مہینے کے اندر اندر خدام الاحمدیہ آٹھ سے پندرہ سال کی عمر تک کے بچوں کو منظم کریں اور اطفال الاحمدیہ کے نام سے ان کی ایک جماعت بنائی جائے اور میرے ساتھ مشورہ کر کے ان کے لئے مناسب پروگرام تجویز کیا جائے۔ اسی طرح

چالیس سال سے اوپر عمر والے جس قدر آدمی ہیں۔ وہ انصار اللہ

کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں۔ اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اوپر ہیں اس میں شریک ہوں۔ ان کے لئے بھی لازمی ہو گا کہ وہ روزانہ آدھ گھنٹہ خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ اگر مناسب سمجھا گیا تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ کام لینے کی بجائے صینہ میں تین دن یا کم و بیش اکٹھے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ مگر بحال تمام بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر کسی استثناء کے قادیان میں منظم ہو جانا لازمی ہے۔

مجلس انصار اللہ

کے عارضی پر یزیدیہ نٹ مولوی شیر علی صاحب ہوں گے۔ اور سیکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کے لئے میں مولوی عبدالرحیم صاحب درود، چوبہری فتح محمد صاحب، اور خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو مقرر کرتا ہوں۔ تین سیکرٹری میں نے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ مختلف محلوں میں کام کرنے کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ان کو فوراً قادیان کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بھخا دینے چاہئیں اور چالیس سال سے اوپر عمر رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہئے۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ لوگوں کو کس قسم کے کام میں سوت ہو سکتی ہے اور جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اس سے نصف گھنٹہ روزانہ کام لیا جائے۔ یہ نصف گھنٹہ کم سے کم وقت ہے، اور ضرورت پر اس سے بھی زیادہ وقت لیا جا سکتا ہے۔ یا یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے صینہ میں دو چار دن لے لئے جائیں۔ جس دن وہ اپنے آپ کو منظم کر لیں، اس دن میری منظوری سے یا پر یزیدیہ نٹ اور نئے سیکرٹری مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ سرداست میں نے جن لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے وہ عارض انتظام ہے۔ اور اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سب لوگ منظم نہ ہو جائیں۔ جب منظم ہو جائیں تو وہ چاہیں تو کسی اور کو پر یزیدیہ نٹ اور سیکرٹری بنا سکتے ہیں۔ مگر میری منظوری اس کے لئے ضروری ہو گی۔ میرا ان دونوں محلوں سے ایسا ہی تعلق ہو گا جیسے مریٰ کا تعلق ہوتا ہے۔ اور ان کے کام کی آخری گمراہی میرے ذمہ ہو گی، یا جو بھی خلیفہ وقت ہو۔ میرا اختیار ہو گا کہ جب بھی میں مناسب سمجھوں ان دونوں محلوں کا اجلاس اپنی صدارت میں بلا لوں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے کوں۔ یہ اعلان پہلے صرف قادیان والوں کے

لئے ہے۔ اس لئے ان کو میں پھر منتبہ کرتا ہوں کہ کوئی فرد اپنی مرضی سے ان مجالس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ سوائے اس کے جوانی مرضی سے ہمیں چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہتا ہو۔ ہر شخص کو حکماً اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا۔ اور اس تنظیم کے ذریعہ علاوه اور کاموں کے، اس امر کی بھی نگرانی رکھی جائے گی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کا پابند نہ ہو۔ سوائے ان زمینداروں کے جنہیں کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے یا سوائے ان مزدوروں کے جنہیں کام کے لئے باہر جانا پڑتا ہے۔ گوایے لوگوں کے لئے بھی میرے نزدیک کوئی نہ کوئی ایسا انظام ضرور ہونا چاہئے جس کے ماتحت وہ اپنی قریب ترین مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ رونی جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی مجالس تو اکثر جگہ قائم ہی ہیں۔ اب انہیں ہر جگہ چالیس سال سے زائد عمر والوں کے لئے مجالس انصار اللہ قائم کرنی چاہیں۔ ان مجالس کے وہی قواعد ہوں گے جو قادریان میں مجلس انصار اللہ کے قواعد ہوں گے۔ مگر سرست بابر کی جماعتوں میں داخلہ فرض کے طور پر نہیں ہو گا۔ بلکہ ان مجالس میں شامل ہونا ان کی مرضی پر موقف ہو گا۔ لیکن جو پریزیڈنٹ یا امیر یا سیکرٹری ہیں، ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ کسی کسی مجلس میں شامل ہوں۔ کوئی پریزیڈنٹ نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ کوئی پریزیڈنٹ نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اور کوئی سیکرٹری نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اگر اس کی عمر ۱۵ سال سے اوپر اور چالیس سال سے کم ہے تو اس کے لئے خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ضروری ہو گا۔ اور اگر وہ چالیس سال سے اوپر ہے تو اس کے لئے انصار اللہ کا ممبر ہونا ضروری ہو گا۔ اس طرح سال ڈیڑھ سال تک دیکھنے کے بعد خدا نے چاہا تو آہست آہست بابر بھی ان مجالس میں شامل ہونا لازمی کر دیا جائے گا۔ کیونکہ احمدیت صحابہؓ کے نقش قدم پر ہے۔ صحابہؓ سے جب جہاد کا کام لیا جاتا تھا تو ان کی مرضی کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ کہا جاتا تھا کہ جاؤ اور کام کرو۔ مرضی کے مطابق کام کرنے کا میں نے جو موقع رینا تھا۔ وہ قادریان کی جماعت کو میں دے چکا ہوں۔ اور جنہوں نے ثواب حاصل کرنا تھا انہوں نے ثواب حاصل کر لیا ہے۔ اب ۱۵ سے چالیس سال تک کی عمر والوں کے لئے خدام الاحمدیہ میں شامل ہونا لازمی ہے اور اس لحاظ سے اب وہ ثواب نہیں رہا جو طوعی طور

پر کام کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہو سکتا تھا۔ پیشک خدمت کا اب بھی ثواب ہو گا۔ لیکن جو طویٰ طور پر داخل ہوئے اور وفا کا نمونہ دکھلایا وہ سابق بن گے۔ البتہ انصار اللہ کی مجلس چونکہ اس شکل میں پسلے قائم نہیں ہوئی اور نہ کسی نے میرے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے اس میں جو بھی شامل ہو گا، اسے وہی ثواب ہو گا جو طویٰ طور پر یہک تحفیقات میں شامل ہونے والوں کو ہوتا ہے۔ میں ایک دفعہ پھر جماعت کے کمزور حصہ کو اس امرکی طرف توجہ دلا دیتا ہوں کہ دیکھو شتر مرغ کی طرح مت ہو۔ جو کچھ بخواں پر استقلال سے کار بند رہو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مثیل ہو تو تمیں اپنے اندر صحابہؓ کی صفات بھی پیدا کرنی چاہئیں اور صحابہؓ کے متعلق یہی ثابت ہے کہ ان سے دین کا کام حکماً لیا جاتا تھا۔ پس جب صحابہؓ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ دینی احکام کے متعلق کسی قسم کی چون و چراکریں، تو تمیں یہ اختیار کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ یا تو یہ کو کہ حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے۔ اور چونکہ وہ نبی نہیں تھے اس لئے ہم صحابی بھی نہیں اور نہ صحابہؓ سے ہماری ممائش کے کوئی منع ہیں۔ مگر اس صورت میں تمہارا مقام قادریان میں نہیں بلکہ لاہور میں ہو گا کیونکہ وہی لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کامل نہیں تھے۔ جس کے لازمی متنی یہ بنتے ہیں کہ جب مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو وہ صحابی بھی نہیں۔ مگر ان میں بھی شتر مرغ والی بات ہے کہ وہ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ مرزا صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کامل یعنی نبی نہیں تھے۔ مگر کہتے اپنے آپ کو صحابی ہی ہیں۔ حالانکہ اگر مرزا صاحب نبی نہیں تو وہ صحابی کس طرح ہو گئے۔ چنانچہ بار بار ہمارے مقابلہ میں غیر مبایعین نے اپنے اکابر کو صحابہؓ کے طور پر پیش کیا ہے۔ گویا مولوی محمد علی صاحب تو صحابی بن گئے مگر مرزا صاحب ان کے نزدیک ”خصوص عالم“ ہی رہے۔ پس ایسے لوگوں کا مقام لاہور ہے، قادریان نہیں۔ ہر چیز جماں کی ہو دیں جتی ہے۔ ان کو بھی چاہئے کہ قادریان سے اپنا تعلق توڑ کر لاہور سے اپنا تعلق قائم کر لیں۔ پھر ہم ان کاموں کے متعلق ان سے کچھ نہیں کہیں گے۔ مگر جب تک وہ ہم میں شامل رہیں گے، ہم ان سے دین کی خدمت کا کام نظام کے ماتحت ضرور کرائیں گے۔ اور اگر انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو ہم اس بات پر بجور ہوں گے کہ ایسے کمزور لوگوں کو اپنی جماعت سے خارج کر دیں۔ میں نے متواتر تباہیا ہے کہ

کوئی جماعت کثرت تعداد سے نہیں جیتتی

قرآن کریم نے بھی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ کہ

کُمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ

(البقرة آیت 250)

یعنی کتنی دفعہ قلیل التعداد جماعتیں کثیر تعداد رکھنے والی اقوام پر غالب آ جایا کرتی ہیں۔ پس محض کثرت کچھ چیز نہیں اگر اس کثرت میں ایمان اور اخلاق نہیں۔ پھر میں کتاب ہوں اگر یہ لوگ ہم میں شامل ہی رہیں تو کسی قوم کے مقابلہ میں بھلا ہمیں کون سی غیر معمولی فویت حاصل ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں سب سے کم تعداد سکموں کی سمجھی جاتی ہے مگر وہ بھی تیس چالیس لاکھ ہیں اور ہم تو ان سکموں کے مقابلہ میں بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

آج سے چھ سال پہلے مئی ۱۹۳۲ء میں سردار کھڑک سلگھ صاحب جو سکموں کے بے تاب بادشاہ کہلایا کرتے تھے، یہاں آئے۔ اور انہوں نے براواں میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا قادیانی میں احمدی سکموں پر سخت ظلم کر رہے ہیں۔ اگر احمدی اس ظلم سے باز نہ آئے تو قادیان کی ایسٹ سینٹ بجادری جائے گی۔ بلکہ ان کے ایک ساتھی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ قادیان کی ایسٹ سینڈر میں پھینک دی جائیں گی۔ مجھے جب یہ رپورٹ پہنچی تو میں نے ایک اشتہار لکھا، جس میں میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ احمدیوں کے مظالم کی داستان بالکل غلط ہے۔ اگر آپ اس علاقے کے سکموں کو قسم دے کر پوچھیں، تو ان میں سے نانوے فیصلی آپ کو یہ بتائیں گے کہ میں اور میرا خاندان اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے، یہی شہ سکموں سے محبت کا برتاو کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے حصہ سلوك کے کہنی و اعقات تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے پیش کئے۔ اسی حصہ میں مجھے یہ رپورٹ بھی ملی کہ ایک احراری نے ان کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سکھ بڑے بے غیرت ہیں کہ احمدی ان کے گرو کو مسلمان کہہ کر ان کی ہٹک کرتے ہیں، اور پھر بھی ان کو بوش نہیں آتا۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے بعد مسلمانوں کے نزدیک دنیا میں دو ہی گروہ ہیں۔ یا مسلمان یا کافر۔ اس احراری کے نزدیک بادا صاحب کو مسلمان کہنے سے ان کی ہٹک ہوتی ہے تو اس سے پوچھیں

کہ وہ باوا صاحب کو کیا سمجھتا ہے۔ اگر تو وہ مسلمان ولی اللہ سے بڑھ کر باوا صاحب کو کوئی درجہ دے، تو آپ سمجھ لیں کہ وہ آپ کا خیر خواہ ہے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ باوا صاحب چونکہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکر تھے اس لئے کافر تھے، تو یہ بتائیں کہ باوا صاحب کی ہٹک کرنے والا وہ ہوا یا ہم۔ ہم تو انہیں مسلمان، ولی اللہ کے معنوں میں کہتے ہیں۔ اور مسلمان ولی اللہ سے اوپر مسلمانوں کے نزدیک صرف رسول اور پیغمبر ہی ہوتے ہیں۔ پس ہمارا ان کو مسلمان کہنا کسی تحقیر کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم ان کو دیساہی قابل عزت سمجھتے ہیں جیسے ہمارے نزدیک مسلمان اولیاء قابل عزت ہوتے ہیں۔ ہمارا انہیں مسلمان کہنے سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ نعوذ باللہ ان ادنیٰ لوگوں کی طرح تھے جو سکھوں کے گاؤں میں بنتے ہیں۔ اور گو مسلمان کہلاتے ہیں مگر اسلام سے انہیں کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم ان کی دنیوی حیثیت سے ان کو مسلمان نہیں کہتے بلکہ ان کو دینی لحاظ سے مسلمان کہتے ہیں۔ اور دینی لحاظ سے مسلمان کے معنی ولی اللہ کے ہوا کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر چونکہ سکھوں کے گاؤں میں مسلمان کہیں ہوا کرتے ہیں۔ اور دنیا داروں کی نگاہ میں کہیں تھیر خیال کے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ خیال کر لیتے ہیں کہ جیسے ہمارے گاؤں کے کہیں مسلمان ہیں دیساہی مسلمان یہ ہمارے باوا صاحب کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس نقطہ نگاہ سے انہیں مسلمان نہیں کہتے۔ بلکہ مسلمان کا فقط ان کے ولی اللہ ہونے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یہ لفظ برا محوس ہوتا ہے تو آپ ہی بتائیں کہ ہم انہیں کیا کہیں۔ ہمارے نزدیک تو مسلمانوں کے سوا جتنے لوگ ہیں، سب کافر ہیں اور دنیوی اصطلاح میں راجح ہیں یا کافر کی اصطلاح یا مسلمان کی اصطلاح۔ اگر باوا صاحب مسلمان بمعنیٰ ولی اللہ نہیں تو دوسرے لفظوں میں وہ نعوذ باللہ کافر اور خدا سے دور تھے۔ اب آپ ہی سوچ لیں کہ باوا صاحب کو مسلمان کہنے سے ان کی ہٹک ہوتی ہے یا ان کو مسلمان نہ کہنے سے ان کی ہٹک ہوتی ہے۔ احرار کا تو اس اعتراض سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ احمدی باوا صاحب کی تعریف کیوں کرتے ہیں۔ مگر سکھ ناداقیت کی وجہ سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ احرار ان کی تائید کر رہے ہیں۔ اور احمدی انہیں گالی دے رہے ہیں۔

میں نے جب یہ اشتخار شائع کیا تو چونکہ وہ آدمی سمجھ دار تھے، اس لئے انہوں نے دوسرے ہی دن جلسہ گاہ میں شیخ پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ تم نے مجھے سخت ذیل کرایا ہے۔ کیونکہ جو

باتیں تم نے مجھے بتائی تھیں وہ اور تھیں اور جو باتیں اس اشتہار میں لکھی ہیں وہ بالکل اور ہیں۔
 میرا خشاء اس مثال سے یہ ہے کہ باوجود اس بات کے کہ سچے تمام قوموں میں سے کم ہیں، پھر
 بھی وہ اپنے آپ کو اتنا طاقتور سمجھتے ہیں، کہ انہوں نے ایک موقعہ پر ہمیں یہ نوش دے دیا کہ وہ
 قادریان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور ایک نے تو یہاں تک کہ دیا کہ قادریان کی اینٹیں
 سمندر میں پھینک دی جائیں گی۔ تو قوی لحاظ سے غیر اقوام کے مقابلہ میں ہم پسلے ہی تھوڑے
 ہیں۔ پھر اگر ان منافق طبع لوگوں کو اپنی جماعت سے نکال دینے پر بھی ہم تھوڑے ہی رہتے ہیں،
 اور ان کے ساتھ رہنے سے زیادہ نہیں ہو سکتے، تو کوئی وجہ نہیں کہ جب ان کا وجود دوسرے
 لوگوں کے لئے معزز ثابت ہو رہا ہو، اُنہیں جماعت سے خارج نہ کیا جائے۔ لیکن اگر خدا کے
 رسولوں کی جماعتیں کثرت تعداد کی بنا پر نہیں بلکہ خدا کی نصرت اور اس کی مدد کے ساتھ جیتا
 کرتی ہیں۔ تو اس صورت میں خواہ یہ لوگ نکل جائیں، پھر بھی گوہم موجودہ وقت سے تھوڑے
 ہو جائیں گے، مگر شکست نہیں کھا سکتے۔ ممکن ہے پیغامی یہ کہنا شروع کر دیں کہ پسلے تو اپنے زیادہ
 ہونے کو صداقت کی دلیل قرار دیتے تھے اب کہتے ہیں کہ تھوڑے ہو کر بھی ہم یہ حق پر رہیں
 گے۔ ایک ہی وقت میں یہ تمہاری دونوں باتیں کس طرح درست ہو سکتی ہیں۔ سوانحیں معلوم
 ہونا چاہئے کہ میری دونوں باتیں درست ہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہم تھوڑے ہو کر بھی
 شکست نہ کھائیں گے، اس وقت بھی میں ایک حقیقت بیان کرتا ہوں۔ اور جب میں کہتا ہوں کہ
 ہم زیادہ ہیں اس لئے حق پر ہیں۔ تو اس وقت بھی میں ایک حقیقت بیان کیا کرتا ہوں۔ ہم
 تھوڑے ہیں غیر اقوام کے مقابلہ میں۔ اور ہم زیادہ ہیں اس لحاظ سے کہ نبی کی جماعت کی اکثریت
 ہمارے ساتھ ہے۔

پس جب میں نے یہ کہا کہ ہم تھوڑے ہو کر بھی شکست نہیں کھا سکتے، تو اس کے یہ معنی نہیں
 کہ حضرت پیغمبر مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا زیادہ حصہ ہم سے الگ ہو جائے گا اور
 قلیل حصہ ہمارے ساتھ رہ جائے گا۔ کیونکہ جماعت کی اکثریت بہر حال ہمارے ساتھ رہے گی۔
 اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی کی جماعت کی اکثریت گمراہ ہو جائے۔ اگر کسی وقت اکثریت کو غلطی
 لگے تو وہ غلطی پر قائم نہیں رہ سکتی بلکہ چند دنوں میں ہی اسے غلطی کی اصلاح کا موقعہ مل جاتا
 ہے۔ جیسا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں حضرت علیؓ کی خلافت کے عمد میں ہوا۔ پس میں نے اپنے آپ

کو تھوڑا، دنیا کی اور اقوام کے مقابلہ میں قرار دیا ہے۔ اور میں نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت قلیل رہ جائے گی۔ کیونکہ جب تک جماعت کے دلوں میں نور ایمان باقی ہے یہ ناممکن ہے کہ اس کی اکثریت بگز جائے۔ پہلے والے چھلیں گے، گرنے والے گریں گے، اور جدا ہونے والے جدا ہوں گے، مگر اکثریت پھر بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ ہیں بیٹھا یا ان کے گماشتے مصری، میرے ان الفاظ سے کوئی فائدہ نہیں اخواستے۔ اکثریت ہمارے ساتھ رہے گی۔ اور انشاء اللہ یہی شہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ اگر بعض منافق یا کمزور طبع لوگ اپنی ایمانی کمزوری کا ثبوت دیتے ہوئے ہم سے الگ ہو جائیں گے تو وہ پھر بھی اکثریت قرار نہیں پائیں گے۔ بلکہ اکثریت ہمارے ساتھ رہے گی اور وہ ہمارے مقابلہ میں تھوڑے ہی رہیں گے۔ کیونکہ نبیوں کی جماعتوں کے اندر شروع زمانہ میں منافق اور فتنہ و فساد پیدا کرنے والے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور مومن زیادہ ہوتے ہیں۔ پس جب میں اپنے متعلق تھوڑے کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ ہم احمدی کلانے والوں کے مقابلہ میں تھوڑے ہیں۔ بلکہ غیر اقوام مراد ہوتی ہیں۔ اور میرا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ ہم ان کے مقابلہ میں بالکل قلیل ہیں۔ لیکن احمدی کلانے والے غیر مہایعین کے مقابلہ میں ہم زیادہ ہیں۔ اور زیادہ ہی رہیں گے۔ انشاء اللہ

پس میں اس خطبہ کے ذریعہ جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو پوزیشن ہم نے دیانت داری کے ساتھ تسلیم کی ہوئی ہے۔ ہمیں اس کے مطابق اپنے اعمال میں تغیر پیدا کرنا چاہئے۔ اسی طرح صحابہؓ کی جو پوزیشن ہمارے نزدیک مسلم ہے۔ وہی پوزیشن ہمیں اختیار کرنی چاہئے۔ صحابہؓ کی پوزیشن یہ تھی کہ انہیں حکم دیا جاتا اور وہ فوراً اطاعت کے لئے کھڑے ہو جاتے اور یہی پوزیشن ہماری ہونی چاہئے۔ جو شخص یہ پوزیشن اختیار نہیں کرتا، ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امتی نبی مانتا ہے۔ کیونکہ امتی نبی مانتے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ کہ جو کچھ صحابہؓ نے کیا ہی ہم کریں۔ اور اگر کوئی شخص صحابہؓ کے سے کام نہیں کرتا تو اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزاد نبی مانتا ہے۔ اس صورت میں اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ہی سے مسیح موعود تسلیم کرتے ہیں۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا امتی ہے۔ ہم کسی ایسے شخص پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں جو اپنے آپ کو مستقل نبی قرار دے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے آزاد ہو کر بہوت کادعویٰ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ مرزا صاحب نبی نہیں تھے، پونکہ آپ کو خدا نے بھی نبی قرار دیا اور اس کے رسول نے بھی نبی قرار دیا۔ اور ہمارے نزدیک ایسا شخص تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہوت کریمۃ تعلیم کرنے سے انکار کرتا ہے وہ خدا کو بھی جھوٹا کہتا ہے اور خدا کے رسول کو بھی جھوٹا کہتا ہے۔ اس لئے ان کا راست اور ہمارا راست اور پس میں قادریان کی جماعت کو آئندہ تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

اول۔ اطفال احمدیہ سے ۱۵ سال تک

دوم:- خدام الاحمدیہ ۱۵ سے ۳۰ سال تک

سوم:- انصار اللہ ۳۰ سے اوپر تک

ہر احمدی کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی اپنی عمر کے مطابق ان میں سے کسی نہ کسی مجلس کا ممبر بنے۔ خدام الاحمدیہ کا نظام ایک عرصہ سے قائم ہے۔ مجلس اطفال احمدیہ بھی قائم ہیں۔ البتہ انصار اللہ کی مجلس اب قائم کی گئی ہے۔ اور اس کے عارضی انتظام کے طور پر مولوی شیر علی صاحب پر یعنی ث۔ اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے۔ خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب۔ اور چوبہ ری فتح محمد صاحب کو سیکرٹری ہٹایا گیا ہے۔ یہ اگر کام میں سوت کے لئے منید سیکرٹری یا اپنے نائب مقرر کرنا چاہیں۔ تو اسیں اس کا اتفاقیار ہے۔ ان کا فرض ہے کہ تین دن کے اندر اندر مناسب انتظام کر کے ہر محلہ کی مسجد میں ایسے لوگ مقرر کر دیں جو شامل ہونے والوں کے نام فوٹ کرتے جائیں اور پندرہ دن کے اندر اندر اس کام کو تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس کے لئے تھوا اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ محلوں میں پھر کر لوگوں کو شامل ہونے کی تحریک کریں۔ بلکہ وہ مسجد میں بیٹھ رہیں جس نے اپنا نام لکھانا ہو دیا آجائے اور جس کی مرضی ہو ممبر بنے اور جس کی مرضی ہونے بنے۔ جو ہمارا ہے وہ آپ ہی ممبر بن جائے گا۔ اور جو ہمارا نہیں اسے ہمارا اپنے اندر شامل رکھنا بے فائدہ ہے۔ پندرہ دن کے بعد مردم شماری کر کے یہ تحقیق کی جائے گی کہ کون کون شخص باہر رہا ہے۔ اگر تو کوئی شخص دیدہ دانتہ باہر رہا ہو گا۔ تو اسے کما

جائے گا۔ کہ چونکہ تم باہر رہے ہو۔ اس لئے اب تم باہر ہی رہو مگر جو کسی معدود ری کی وجہ سے شامل نہ ہو سکا ہو گا۔ اسے ہم کہیں گے کہ گھر کے اندر تھارے تمام بھائی بیٹھے ہیں۔ آؤ اور تم بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اس طرح پندرہ دن کے اندر اندر قادیانی کی تمام جماعت کو منظم کیا جائے گا اور ان سے وہی کام لیا جائے گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے لیا گیا۔ یعنی کچھ تو اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کریں، کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث پڑھائیں، کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں، کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ تعلیم و تربیت کا کام کریں، اور کچھ یہ زکیبهم کے دوسرے معنوں کے مطابق اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کی دینی ترقی کی تداہیر عمل میں لا سیں۔

یہ پانچ کام ہیں جو لازماً ہماری جماعت کے ہر فرد کو کرنے پڑیں گے۔

اسی طرح جس طرح جماعت فیصلہ کرے۔ اور جس طرح نظام ان سے کام کا مطالبہ کرے۔ جو شخص کسی واقعی عذر کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً وہ مظلوم ہے یا اندھا ہے یا ایسا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا۔ ایسے شخص سے بھی اگر عقل سے کام لیا جائے تو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ الاما شاء اللہ۔ مثلاً اسے کہہ دیا جائے کہ اگر تم کچھ اور نہیں کر سکتے تو تم سے کم دو نفل روزانہ پڑھ کر جماعت کی ترقی کے لئے دعا کرو۔ پس ایسے لوگوں سے بھی اگر کچھ اور نہیں تو دعا کا کام لیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو کوئی نہ کوئی کام نہ کر سکے۔ قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں وہی شخص زندہ رکھا جاتا ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں کام کر کے دوسروں کے لئے اپنے وجود کو فائدہ بخش ثابت کر سکتا ہے۔ اور ادنی سے ادنی حرکت کا کام جس میں جسمانی محنت سب سے کم برداشت کرنی پڑتی ہے دعا ہے۔ ہاں بعض کے کام بالواسطہ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے پاگل نہ دعا کر سکتے ہیں اور نہ کچھ کام کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگ صرف عبرت کا کام دیتے ہیں اور لوگ انہیں دیکھ کر نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ مگر ایسا معدود میرے خیال میں قادیانی میں کوئی نہیں۔ نیم فاتر العقل دو چار ضرور ہیں۔ مگر پورا پاگل میرے خیال میں قادیانی میں کوئی نہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی اتنا کام تو ضرور کر رہے ہیں۔ کہ لوگوں کے

لئے عبرت کا موجب بننے ہوئے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جماعت کے دوست اپنے مقام کو سمجھتے ہوئے ایسے رنگ میں کام کریں گے۔ کہ ان میں سے کوئی بھی باغیوں کی صفت میں کھڑا نہیں ہو گا۔ اگر کوئی شخص ان مجالس میں سے کسی مجلس میں بھی شامل نہیں ہو گا، تو وہ ہرگز جماعت میں رہنے کے قابل نہیں سمجھا جائے گا۔ پس ان مجالس میں شامل ہونا درحقیقت اپنے ایمان کی حفاظت کرنا اور ان ذمہ داریوں کو کرنے کا عملی رنگ میں اقرار کرنا ہے۔ جو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہم پر عائد ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول نے جو احکام دیئے ہیں۔ ان کے فائز اور اجزاء میں حصہ لینا صرف میرا فرض نہیں بلکہ ہر شخص کا فرض ہے۔ آخر میں نے (نحوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ نہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو (نحوذ باللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری مظہر بنا کر بھیجا۔ نہ صحابہؓ کو میں نے بنایا۔ اور نہ تم کو میں نے بنایا۔ یہ خدا کا کام ہے جو اس نے کیا۔ میرا کام تو صرف ایک مزدور کا سا ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ خدا نے جس فقرہ کو جہاں رکھا ہے وہاں اس کو رکھے دوں کو رکھے دوں پس میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا نے کہا۔ اگر کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کرتا تو اسے ثابت کرنا چاہئے کہ وہ بات خدا نے نہیں کی۔ کبھی درست وہ میرا انکار نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔

(خطیب جمعہ فرمودہ ۲۶۵۔ جولائی ۱۹۳۰ء۔ بحوالہ الفضل کیم اگسٹ ۱۹۳۰ء)

انصار اللہ اور دیگر ذمی تنظیموں میں شمولیت کی اہمیت اور ان تنظیموں کے فرائض

تشدد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- دوستوں کو معلوم ہے کہ میں نے جماعت کو تین حصوں میں منظم

کرنے کی بدایت کی تھی۔ ایک حصہ اطفال الاحمدیہ کا یعنی پدرہ سال تک کی عمر کے لاکوں کا، ایک حصہ خدام الاحمدیہ کا یعنی سولہ سے چالیس سال تک کی عمر کے نوجوانوں کا اور ایک حصہ انصار اللہ کا جو چالیس سال سے اوپر کے ہوں خواہ کسی عمر کے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ نوجوان جو خدام الاحمدیہ میں شامل ہونے کی عمر رکھتا ہے لیکن وہ اس میں شامل نہیں ہوا اس نے ایک

قومی جرم

کار تکاب کیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہے جو چالیس سال سے اوپر کی عمر رکھتا ہے مگر وہ انصار اللہ کی مجلس میں شامل نہیں ہوا تو اس نے بھی ایک قومی جرم کا کار تکاب کیا ہے۔ اور اگر کوئی پچھے اطفال الاحمدیہ میں شامل ہونے کی عمر رکھتا ہے اور اس کے ماں باپ نے اسے اطفال الاحمدیہ میں شامل نہیں کیا، تو اس کے ماں باپ نے بھی ایک قومی جرم کا کار تکاب کیا ہے۔ مگر مجھے امید رکھنی چاہئے کہ ایسے لوگ یا تو بالکل نہیں ہوں گے۔ یا ایسے قلیل ہوں گے کہ ان قلیل کو کسی صورت میں بھی جماعت کے لئے کسی وہبہ یا بدنای کاموجب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ قلیل اشتبہ کسی جماعت کے لئے بدنای کاموجب نہیں ہوا کرتے۔ آج ہم صحابہؓ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور بسا اوقات لکھتے ہیں کہ وہ سب کے سب ایسے تھے۔ حالانکہ ان صحابہؓ کلاناے والوں میں سے بھی بعض لوگ ایسے تھے جن کا نام قرآن کریم میں منافق رکھا گیا ہے۔ پھر ہم کیوں لکھتے ہیں کہ سارے صحابی ایسے تھے اور کیوں ان کا نام زبان پر آتے ہی ان کے لئے ہم دعا میں کرنے لگ

جاتے ہیں۔ اسی لئے کہ منافق نہایت قلیل تھے۔ اور قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے وہ کسی شمار میں نہیں آسکتے تھے۔ ایک حسین انسان کسی خفیف سے جسمانی نقص کی وجہ سے، مثلاً اگر اس کی انگلی پر سہ نکلا ہوا ہو، یا فرض کرو اس کی کمرپر کوئی داغ ہو، بد صورت نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ میں یا داغ کی وجہ سے اس کے حسن میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ اگر ہم ایسے شخص کو حسین کہیں تو لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ تم نے اس بات کا اشتہن نہیں کیا کہ اس کی کمرپر داغ ہے۔ یا اس بات کا اشتہن نہیں کیا کہ اس کی انگلی کی پشت پر سہ نکلا ہوا ہے۔ بے شک مسہ ایک نقص ہے، بے شک داغ ایک نقص ہے، لیکن ایسے مقام پر سے یا داغ کا ہونا جماں نظر نہ پڑ سکے یا خاص طور پر وہ حسن کو بغاڑ کرنے رکھ دے، حسن کے خلاف نہیں ہوتا۔ ایک شخص جسے سال و سال میں ایک دو دن کے لئے زندہ ہو جاتا ہے یا چھٹیں آنے لگ جاتی ہیں، اسے لوگ پیار نہیں کہتے۔ بلکہ تند رست ہی کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی جماعت میں منافقوں کی قلیل تعداد موجود ہو، تو اس قلیل تعداد کی بناء پر وہ خراب نہیں کملاتی۔ غرض ہم صحابہؓ کو اس لئے اچھا کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ بعض ظاہر میں صحابہؓ کملانے والے ایسے تھے جو منافق تھے۔ پھر بھی منافقوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ ورنہ ظاہری طور پر جس طرح انصار اور مهاجر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے، اسی طرح منافق ایمان لائے تھے۔ وہ اسی زمانہ میں ایمان لائے، جس زمانہ میں صحابہؓ ایمان لائے۔ انہوں نے بیعت کے وقت وہی کلمات کے جو صحابہؓ نے کے۔ اور انہوں نے بھی اسی رنگ میں اطمینان عقیدت کیا جس رنگ میں صحابہؓ نے کیا۔ مگر صحابہؓ تو کچھ عرصہ کے بعد اپنے اخلاق میں اور بھی ترقی کر گئے لیکن منافق اپنے اخلاق میں کم ہوتے چلے گئے۔ پس کوئی ایسا ظاہری فرق نہیں جس کی بناء پر ایک کو ہم صحابی کہیں اور دوسرے کو نہ کہیں۔ سو اسے اس کے کہ ایک نے اپنی منافت کے اطمینان سے بتایا کہ وہ صحابی کملانے کے مستحق نہیں اور دوسرے نے اپنے ایمان اور اخلاق کے اطمینان سے بتایا کہ وہ صحابی کملانے کا مستحق ہے۔ ورنہ ظاہری طور پر منافق بھی نمازوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور منافق بھی صحابہؓ کے ساتھ جماد کے لئے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ صریح طور پر حدیثوں میں آتا ہے کہ بعض غزوات میں منافق بھی شامل ہوئے۔ غزوہ تبوک میں بھی بعض ایسے شقی القلب اور منافق لوگ تھے جو آگے بڑھ کر راست میں اس لئے چھپ کر بیٹھ گئے تھے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے آتے ہوں تو آپ کو قتل کر دیں۔ اور وہ غزوہ تبوک میں صحابہؓ کی صفائی میں شامل ہوئے۔ مگر باوجود اس کے

صحابہ کی تعریف میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور ہر مسلمان کا دل صحابہ کی محبت اور ان کی تعریف سے لہرزا ہوتا ہے۔ کیونکہ منافقوں کی تعداد اتنی قلیل اور صحابہ کی تعداد اتنی کثیر تھی۔ اور پھر صحابہ اپنے اخلاق اور اپنی محبت میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ کہ منافق پیغمبر کے پیچھے چھپے ہوئے ایک داغ یا انگلی کے ایک سے سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اور ایسا داغ یا سد کسی حسین کے حسن میں کوئی فرق نہیں لایا کرتا۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ اس قسم کے لوگ تھوڑے ہوں گے۔ کیونکہ خدا نے ہماری جماعت کو صحابہ کے نقش قدم پر بنایا ہے اور یقیناً ہم میں منافقوں کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ جماعت کے لئے کسی صورت میں بد ناتی کا موجب نہیں ہو سکتے۔ یہ شک میں جماعت کو اور زیادہ پاک کرنے، اسے رو جانی ترقی کے میدان میں پلے سے اور زیادہ قدم آگے بڑھانے اور اسے اپنے جسم پر سے معمولی سے معمولی دھبے اور داغ دور کرنے کی یہیش تلقین کیا کرتا ہوں اور جماعت کو اپنے خطبات کے ذریعہ سے یہیش نصیحت کرتا رہتا ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جماعت کے معتقدہ حصہ میں شخص پائے جاتے ہیں۔ نہ ہی جماعت ان کمزوروں کی وجہ سے بد نام سمجھی جاسکتی ہے۔ معتبر مفہوم کی نگاہ میں تو جماعت ہر وقت بد نام ہی ہوتی ہے اور جو شخص اعتراض کرنے پر ایک دفعہ تل جائے وہ بہانے بنا کر اعتراض کیا کرتا ہے۔ مگر ان کی نگاہ میں جماعت کی جو بد ناتی ہوتی ہے وہ شرفاء کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ پس جب میں کہتا ہوں کہ جماعت ان لوگوں کی وجہ سے بد نام نہیں ہو سکتی، اس کے مبنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ شرفاء کے طبقہ میں جماعت بد نام نہیں ہو سکتی۔ ورنہ مختلف کی نگاہ میں تو ہم یہیش بد نام ہی ہیں۔ خواہ ہم میں بعض کمزور افراد ہوں یا نہ ہوں۔ اور دراصل ایسے لوگوں کی نگاہ میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بد نام ہیں، حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بد نام ہیں اور اسی طرح اور تمام انبیاء اور ماموروں بد نام ہیں۔ بلکہ انبیاء تو کیا ان کی نگاہ میں خدا تعالیٰ بھی بد نام ہے۔ تم بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کی محلوں میں بیٹھ کر دیکھ لو وہ یہیش اس قسم کے سوالات کرتے ہوئے دکھائی دیں گے، کہ خدا نے اس دکھ کی دنیا میں ہمیں کیوں پیدا کیا۔ پھر وہ بر ملا کتے ہیں۔ نو زبان اللہ خدا اقط ڈالتا ہے۔ وہ بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ وہ زر لے بھیجا تا ہے، وہ ظلم کرتا ہے۔ وہ امن بر باد کرتا ہے۔ غرض لوگ تو کہا کرتے ہیں ”پانچوں عیب شرعی“ مگر ان کے نزدیک سیمکڑوں عیب خدا تعالیٰ میں پائے جاتے ہیں اور جن کی نگاہ میں خدا تعالیٰ میں بھی عیب ہی عیب ہوں۔ ان کے نزدیک اس

کے اندر کب عیوب سے پاک بھجے جاسکتے ہیں۔

پس میں ایسے شقی القلب لوگوں کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ انسانیت سے دور چلے گئے اور انصاف کا دامن انہوں نے چھوڑ دیا۔ میں صرف شریف الطبع لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور کتنا ہوں کہ ایسے لوگوں کی نگاہ میں چند منافقوں کے پائے جانے کی وجہ سے ہماری جماعت بدنام نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دیکھ لے باوجود اس کے کہ ہماری جماعت میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں، جوست ہیں پھر بھی غیر احمدی شرفاء یہی کہتے ہیں جماعت احمدیہ سے بڑھ کر دین کی خدمت کرنے والی اور کوئی جماعت نہیں۔ اسی طرح احمدیوں میں بعض بے نماز بھی ہوتے ہیں، مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ احمدیوں میں سو میں سے ایک یا دو بے نماز ہیں، بلکہ لوگوں کا سمجھدار اور شریف الطبع طبقہ یہی کہتا ہے کہ احمدی بڑے نمازی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سارے احمدی تو باقاعدہ چندے نہیں دیتے، کچھ لوگ ست بھی ہیں۔ مگر تم شریف الطبع لوگوں سے یہی سنو گے کہ احمدی بڑا چندہ دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں جماعت کی اکثریت نیکی پر قائم ہے۔ اور وہ بعض افراد کی کمزوری کو دیکھ کر ساری جماعت پر الزام عائد نہیں کرتے۔ مگر وہ لوگ جو اپنے اندر شرافت نہیں رکھتے وہ کسی ایک کمزور احمدی کو دیکھ کر ہی کہنے لگ جاتے ہیں کہ احمدی بے نماز ہیں یا احمدی چندوں میں سے ہیں۔ بے شک ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں کا مونہ بند کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم جماعت کی ایسی تربیت کریں کہ اس میں ایک شخص بھی ایسا کھالی نہ دے جو چندہ نہ دیتا ہو۔ اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی جماعت کے تمام افراد کو نماز کا پابند ہنا ہیں اور اس قدر کوشش کریں کہ ایک بھی بے نماز نہ رہے۔ اور اس مقصد کے لئے میں آگر کوئی خطبہ پڑھوں اور جماعت کو بیدار کرنے اور اس کی قوت عملیہ میں حرکت پیدا کرنے کی کوشش کروں تو یہ کوئی عیوب بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔ کیونکہ ایک خرابی بھی ہم میں کیوں موجود ہے۔ لیکن اس نیکی کو سو نیصدی کمل کرنے کے لئے ہم اپنی طرف سے جو کوشش کریں اس کے یہ سمنے نہیں ہو سکتے کہ ہماری جماعت میں نیکی ہی نہیں۔ نیکی تو موجود ہے اور جماعت کی اکثریت میں موجود ہے، مگر اسے تمام پلوؤں سے کمل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وقار، فوتا۔ بعض کمزور لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے۔ غیر احمدیوں سے ہی پوچھ کر دیکھ لو جماں جماں احمدی موجود ہیں وہ ان کے متعلق یہی رائے دیں گے کہ احمدی بڑے چے ہوتے ہیں۔ احمدی بڑے نیک ہوتے ہیں۔ احمدی بڑے نمازی اور خدا تعالیٰ کے دین کے لئے قربانی

کرنے والے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان احمدیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں لیکن شریف الطبع لوگوں کا یہ دستور ہے کہ وہ اکثریت کی نیکی کا ذکر کرتے ہیں اور بعض افراد کی کمزوری کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کا نمونہ ایسا ہی ہو گا اور جیسا کہ میرے پاس روپورٹس پہنچتی رہی ہیں۔ ان میں سے غالب اکثریت نے اس تنظیم میں اپنے آپ کو شامل کر لیا ہے۔ لیکن میں دستوں سے یہ کہہ دیا چاہتا ہوں کہ

محض ظاہری شمولیت کافی نہیں

جب تک وہ عملی رنگ میں بھی کوئی کام نہ کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے عملی نمونہ سے ثابت کر دیں گے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی واحد جماعت آپ ہی ہیں۔ اور یہ ثبوت اسی طرح دیا جاسکتا ہے کہ آپ لوگ اپنے اوقات کی قربانی کریں، اپنے ماں کی قربانی کریں، اپنی جانوں کی قربانی کریں، اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور احمدیت کی ترویج کے لئے دن رات کوشش کرتے رہیں۔ اگر ہم یہ نہیں کرتے اور محض اپنا نام لکھا دیتا کافی سمجھتے ہیں تو ہم اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کی محبت کا کوئی ثبوت نہیں دیتے۔ پس صرف ان مجالس میں شامل ہونا کافی نہیں بلکہ

اپنے اعمال ان مجالس کے اغراض و مقاصد کے مطابق ڈھالنے چاہئیں۔

خدمات الاحمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعمال سے خدمت احمدیت کو ثابت کر دیں۔

النصار اللہ کا فرض

ہے کہ وہ اپنے اعمال سے دین اسلام کی نصرت نمایاں طور پر کریں۔ اور اطفال احمدیہ کا فرض ہے کہ ان کے اعمال اور ان کے اقوال تمام کے تمام احمدیت کے قلب میں ڈھلنے ہوئے ہوں۔ جس طرح پچھے باپ کے کملات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح وہ احمدیت کے کملات کو ظاہر کرنے والے ہوں۔ یہی غرض اس نظام کو قائم کرنے کی ہے اور یہی غرض انبیاء کی جماعتوں کے قیام کی ہوا کرتی ہے مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہماری اس تنظیم سے بعض لوگوں میں ایک بے چینی ہی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن ہوئے کسی اخبار کا ایک مضمون میرے سامنے پیش کیا گیا جس میں اس بات پر بڑے غصے کا اظہار کیا گیا تھا کہ انہوں نے کہا ہے جو شخص خدام الاحمدیہ

میں شامل ہونے سے دور بھاگے گا، وہ خدام الاحمدیہ سے دور نہیں بھاگے گا، بلکہ وہ احمدیت سے دور بھاگے گا۔ کہتے ہیں ”ماں سے زیادہ چاہے کتنی کملائے“ بھلان ان کو احمدیوں سے کیا واسطہ۔ ایک جماعت کا امام ایک نظام کا حکم دیتا ہے اور جماعت والے اس نظام کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی جماعت سے راضی اور جماعت اپنے امام سے راضی۔ پھر ان کو میٹھے بخانے کیوں پیچ و تاب اشخنے لگتے ہیں۔ میں اگر کسی کو کہتا ہوں کہ اس نے فلاں بات پر عمل نہ کیا تو جماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ تو وہ میری بات کو خوشی سے سنتا اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں بوجہ جماعت کا امام ہونے کے وہی بات کہ سلتا ہوں جس میں لوگوں کا فائدہ ہو۔ پھر جب کہ جماعت بھی اپنے فائدہ کو سمجھتی ہوئی ایک بات پر عمل کرتی ہے اور امام بھی وہی بات کہتا ہے جس میں جماعت کا فائدہ ہو، تو کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ میں، جس کے ساتھ جماعت کا تعلق ہے، اگر جماعت کے بعض افراد کو ان کی کوتایی کو دور کرنے کے لئے کوئی تسبیح کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے یہ عمل نہ کیا تو وہ ہماری جماعت میں نہیں رہیں گے تو اس پر انہیں تو بجائے ناراض ہونے کے خوش ہونا چاہئے کہ اب جماعت کم ہو جائے گی۔ مگر ہوا یہ کہ وہ مخالفت میں اور بھی بڑھ گئے۔ میں نے جیسا کہ ابھی کہا ہے جماعت کی اصلاح کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ خدام الاحمدیہ یا دوسری مجلس میں شامل نہ ہوئے تو ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا اور انہیں جماعت سے الگ سمجھا جائے گا۔ یہ فقرہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے حضرت سعیج موعود علیہ السلام کشتنی نوح میں فرماتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ اور جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ اب اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص بھی ایسا ہو گا اسے ہم اپنی جماعت سے نکال دیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا میرے ساتھ کوئی حقیقی تعلق نہیں ہو گا۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ کبھی تو ان کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ عجیب پیری مریدی ہے، کہ مرید کے عقیدے کچھ ہوں اور پیر کے عقیدے کچھ اور۔ اس کی بنایہ ہے کہ وہ کہتے ہیں میاں صاحب نے اس امر کی اجازت دے رکھی ہے کہ میرے خلاف عقیدہ رکھ کر بھی ایک شخص بیعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور کبھی یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی

ایک بات بھی نہیں مانتا تو اسے جماعت سے نکال دیتے ہیں، اور اس وقت حریت اور آزادی ضیر کی کوئی پروانیں کرتے، بو اسلام نے ہر مومن کو دے رکھی ہے۔ حالانکہ اگر یہ اعتراض درست ہے کہ ہماری جماعت میں حریت اور آزادی ضیر کی کوئی پروانیں کی جاتی، تو وہ اعتراض کیوں کیا تھا کہ اس جماعت میں جیر کے عقیدے کچھ ہیں اور مریدوں کے عقیدے کچھ اور۔ اختلاف عقائد رکھنے کے باوجود لوگوں کو بیعت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ درست ہے کہ بعض باتوں میں اختلاف رکھتے ہوئے بھی ایک شخص ہمارے نظام میں شامل رہ سکتا ہے تو اس اعتراض کے معنے کیا ہوئے کہ حریت اور آزادی ضیر کو کچل دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام کی درستی کے لئے اتحاد خیالات کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اختلاف پر انتہا آئے لیکن اگر وہ کسی فتنے کا موجب نہ ہو تو اس اختلاف رکھنے والے کو جماعت میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ لیکن ایک دوسرا شخص خواہ اس سے کم اختلاف رکھتا ہو، لیکن اس کا اختلاف کسی فتنے کا موجب ہو تو اسے جماعت سے نکال دیا جائے۔ حضرت سعیج موعود علیہ الصوہ وسلم سے ایک دفعہ ایک دوست نے پوچھا کہ میں ابھی شیعیت سے نکل کر آیا ہوں اور حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل سمجھتا ہوں۔ پس کیا اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے میں آپ کی بیعت کر سکتا ہوں حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے انہیں لکھا کہ آپ بیعت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ چند آدمیوں کو قادریان سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا اور ان کے بارہ میں اشتخار بھی شائع کیا۔ مگر وجد صرف یہ تھی کہ وہ پنجوں نماز میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ اور بعض ایسے تھے کہ ان کی مجلسوں میں حقد نوشی اور فضول کوئی کاشفل رہتا تھا۔

(تلخیق رسالت جلد ششم صفحہ ۲۲)

اب بیاؤ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے افضل سمجھنے اور حقد پینے میں سے کون سی بات بڑی ہے۔ لازماً ہر شخص یہ کہے گا کہ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے افضل سمجھنا بڑی بات ہے اور حقد پینا چھوٹی بات ہے۔ مگر حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے ایک بڑا اختلاف رکھنے کے باوجود ایک شخص کو اپنی بیعت کی اجازت دے دی اور حقد پینے اور نہیں ٹھہماں مشفول رہنے پر دوسروں کو مرکز سے چلے جانے کی ہدایت فرمائی۔ حالانکہ ایک دعوت کے موقع پر خود حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے اس کا انتظام کیا تھا۔ چنانچہ ترکوں کا سفیر حسین کا یہ جب قادریان میں

آیا اور اس کے لئے دعوت کا انتظام کیا گیا، تو جماعت کے خرچ پر اس کے لئے سکار اور سگریٹ منگوائے گئے۔ میں اس وقت چھوٹا تھا مگر مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مجلہ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ذکر کیا کہ یہ لوگ سگریٹ کے عادی ہوتے ہیں، اگر ہم نے کوئی انتظام نہ کیا تو اسے تکلیف ہو گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہرج نہیں اس کے لئے سگریٹ منگوا لئے جائیں۔ کیونکہ یہ ایسی حرمت چیزوں میں سے نہیں۔ جیسے شراب وغیرہ ہوتی ہے۔ پس آپ نے وہ چیز، جو اس قسم کی حرمت نہیں رکھتی جیسے شراب اپنے اندر حرمت رکھتی ہے، استعمال کرنے پر تو ایک شخص کو جماعت سے خارج کر دیا، اور وہ جس نے یہ کہا تھا کہ میں حضرت ابو بکرؓ سے حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہوں۔ باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت علیؓ سے افضل ہیں اسے بیعت کرنے کی اجازت دے دی۔ درحقیقت بعض باتیں وقتی فتنہ کے لحاظ سے ہر جو ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ اصل میں چھوٹی ہوتی ہیں۔ اور بعض باتیں وقتی فتنہ کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ حالانکہ اصل میں ہر جو ہوتی ہیں۔ پس وقتی فتنہ کے لحاظ سے کبھی ہر جو بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور چھوٹی بات پر ایکشن لے لیا جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں نے کبھی مغلل سے کام نہیں لیا۔ ان کا مقصد صرف اعتراض کرنا ہوتا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں اگر وہ ہماری اس تنظیم کو دیکھ کر برآمداتے ہیں تو تم انہیں برآمداتے دو، اور خود سلسلہ کے لئے ہر قسم کی قربانیوں میں بڑھتے چلے جاؤ۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تم نے ان کا دل کیوں دکھایا بلکہ وہ تم پر خوش ہو گا اور تم سیسیں ثواب دے گا۔ بے شک ہم چاہتے ہیں کہ وہ حسد کی آگ میں نہ جلیں۔ بلکہ جس جنت کے ہم وارث ہیں اسی جنت کے وہ وارث بن جائیں۔ لیکن اگر انہیں اس جنت میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ملی تو وہ ہم پھر بھی یہی دعا کریں گے کہ خدا انہیں ایمان نصیب کرے لیکن اگر انہیں ایمان نصیب نہ ہو تو ہم ان کے لئے اپنا ایمان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳۔ اگست ۱۹۴۰ء۔ بحوالہ الفضل مورخہ ۱۳۔ ستمبر ۱۹۷۶ء)

جماعت کی دینی تعلیم کیلئے مجلس انصار اللہ کی ذمہ داری

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج دوست معمول سے زیادہ تعداد میں جمع ہیں اور مستوارت بھی پسلے سے زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف سے اس قدر شور و ہنگامہ کی آوازیں آرہی ہیں کہ غالباً دارائیں طرف کے ایک حصہ کے لئے خطبہ کا منابع بالکل ناممکن ہو جائیگا۔ یہ اجتماع ہمارے عام حادروں کے مطابق رمضان کو وداع کرنے کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے کسی تو وہ ہیں جنہوں نے رمضان کا استقبال کیا اور پھر رمضان کی صحبت میں مہینہ بھر رہے اور اس کی برکتوں کو انہوں نے حاصل کیا وہ آج اس شوق سے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ جس مہینہ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے آؤ، ہم اس کو رخصت بھی کریں تاکہ ہماری محبت کے جذبہ کو دیکھ کر ہمیں اپنی برکتوں سے پھر بھی حصہ دے اور اپنی روحانی نعمتوں سے ہمیں پھر بھی مالا مال کرے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے رمضان کا استقبال نہیں کیا تھا اور نہ انہوں نے اس کی برکات سے کوئی فائدہ اٹھایا وہ بھی آج اس مہینہ کو رخصت کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ مگر ان کا آنا بالفاظ و مگر اس لئے ہے کہ وہ رمضان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا افضل ہوا جو تم جا رہے ہو۔ تھارے آنے کی وجہ سے ہم مصیبت میں پھنس گئے تھے اور ہمیں خواہ خواہ لوگوں کی شرمندگی سے بچنے کے لئے جو کا اور پاسا رہنا پڑتا تھا اب اچھا ہوا جو تم جا رہے ہو اور ہمیں اس بلاسے نجات ملی۔ دونوں قسم کے لوگ اپنی اپنی نعمتوں کے مطابق پھل کھالیں گے۔ وہ جس نے رمضان کو پایا اور اس کی برکات سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اس کا وداع برکت والا وداع ہے اور وہ ایسا ہی وداع ہے جیسے ایک دوست دوسرے دوست کو الوداع کرتا ہے۔ اس کا وداع اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دوست سے جھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ اس لئے اسے وداع کرنے جاتا ہے تا اس کا دوست اس پر پھر بھی میریان رہے اور وہ پھر بھی اس کے پاس آتا رہے۔ مگر وہ جنہوں نے

رمضان سے تو کوئی فائدہ نہیں اٹھایا مگر آج اسے وداع کرنے کے لئے آگئے ہیں۔ ان کے وداع کے معنے یہ ہیں کہ اچھا ہوا جو تجھے سے چھکارا حاصل ہوا۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو ان کی نیتوں کے مطابق بدلہ ملے گا۔ وہ جو پسلاگروہ ہے جس نے رمضان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جو محبت اور اخلاق کے جذبات کے ساتھ اسے وداع کرنے کے لئے آیا اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے لئے دعا کریں گے اور کہیں گے خدا مجھے اور بھی کمی رمضان نصیب کرے اور مجھے توفیق دے کہ تو اس کی برکتوں سے فائدہ حاصل کرے۔ مگر وہ جو آج رمضان کو اس نیت سے الوداع کرنے کے لئے انتہے ہوئے ہیں کہ انہیں ایک مصیبت سے نجات ملی۔ ان کو آج کی نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچائی گی کیونکہ وہ رمضان کی عزت کرنے نہیں بلکہ اس کی ہٹک کرنے کے لئے آئے ہیں۔

اس کے بعد میں ایک اور امری طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ چند دن ہوئے ہماری جماعت کے ایک دوست نے مجھے ایک خط لکھا، جس کا مضمون یہ تھا کہ میں بازار میں سے گذر رہا تھا کہ مجھے ایک مختلف شخص نے کچھ ٹریکٹ دینے چاہے جن کے لینے میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اس نے اصرار کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو چاہئے کہ ہماری باتوں کو سنیں اور ٹریکٹ لینے سے انکار نہ کریں۔ اس دوست نے لکھا ہے کہ مجھے ایک عام اعلان کے ذریعہ جماعت کے دوستوں کو ایسے لوگوں کا لڑپچھڑنے سے روک دینا چاہئے کیونکہ اس طرح جماعت کا کمزور طبقہ متاثر ہوتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

میں اس بارہ میں پہلے بھی اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ میرے نزدیک پہلے جگہوں میں یا ایسے مقامات میں جماں کسی خاص قوم کو کوئی امتیازی حق حاصل نہ ہو اس کا کوئی جھٹہ نہ ہو اور بظاہر اس میں خلل واقع ہونے کا کوئی اندازہ نہ ہو، ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کو پھیلانے کا حق رکھتا ہے اور اگر ہم اسے روک دیں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ بیرونی مقامات میں جب ہمارا کوئی احمدی، ٹریکٹ وغیرہ تقسیم کرنے لگے اور دوسرا لوگ اسے روک دیں یا ٹریکٹ لینے اور پڑھنے سے انکار کر دیں تو وہ بھی اپنے روایہ میں حق بجانب سمجھ جائیں۔ حالانکہ اگر کسی جگہ ہمارا کوئی احمدی اپنے ٹریکٹ تقسیم کرتا ہے اور یعنی والا نہیں لیتا تو یہ امر اس کی مرضی پر محصر ہوتا ہے۔ مگر برعکس ہم غیروں کو اپنے ٹریکٹ دیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو جو حق ہمیں حاصل ہے وہی حق دوسروں کو بھی حاصل ہونا چاہئے۔ مذہب دنیا

میں امن پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں فساد پیدا کرنے کے لئے نہیں آتے۔ اور اگر ہم ایک بچے نہ ہب پر قائم ہیں تو لازماً ہمیں دنیا کو وہ حرمت اور آزادی دینی ہو گی جس کے بغیر دنیا کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ یہ تو لینے والے کا اختیار ہے نا۔ وہ چاہے تو لے اور چاہے تو نہ لے۔ مثلاً فرض کرو کسی کے ہاتھ میں پہلے ہی بہت سی کتابیں ہوں یا اور کوئی سامان اس نے اٹھایا ہوا ہو، تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں اس وقت نہیں لے سکتا۔ یا ممکن ہے وہ ٹریکٹ اس نے پڑھا ہوا ہو، تو اس صورت میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے اس ٹریکٹ کی ضرورت نہیں اسی طرح اگر اسے پڑھنے کی فرمت ہی نہیں۔ تو اس عذر کی بناء پر بھی وہ کوئی ٹریکٹ لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر دینے والا دیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دوسرا شخص غلطی پر ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی اصلاح کروں تو اگر دیانتداری کے ساتھ اس کی نیت اسی حد تک ہے اور وہ دوسرے کی خیر خواہ و اصلاح کے جذبہ کے ماتحت اپنا کوئی ٹریکٹ دوسرے کو پڑھنے کے لئے دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے تقسیم کرنے یا اپنی جماعت کے دوستوں کو ان کے لیے اور پڑھنے سے منع کریں۔ جس چیز کو اسلام ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور جسے ہم ناپسند کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اشتمار بازی یا ٹریکٹوں کی تقسیم وغیرہ سے کوئی فتنہ اٹھایا جائے۔ اور یا پھر ہم اس امر کو ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی شخص رات کو اٹھ کر کسی کے خلاف کارون گاڈے۔ اگر اس میں جرات اور دلیری ہے تو یہ کیوں اپنی پنچاہت، اپنی مجلس، اپنی جماعت اور اپنی قوم کے بزرگوں کے سامنے اس معاملہ کو نہیں رکھتا اور انہیں کیوں نہیں کہتا کہ فلاں خرابی کو دور کرنا چاہئے۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اس نے ایک بے دلیل بات بیان کر دی۔ مگر جو وابدینے والا ہے وہ جیران ہے کہ وسوساً ڈال کر وہ بھاگ کہاں گیا۔ تو یہ چیزوں میں جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن علی الاعلان کسی کو اشتمار یا ٹریکٹ دیتا ہرگز کوئی ناپسندیدہ طریق نہیں بشرطیکہ اس میں کالیاں نہ ہوں، اور بشرطیکہ اس کی نیت فساد کی نہ ہو۔ اگر اس طریق کو روک دیا جائے تو مذہب دنیا میں کبھی پھیلی نہیں سکتا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخالف تھے انہیں آپ کی یا میں سننا ہاگواری گزرتا تھا۔ مگر کیا اس وجہ سے انہیں حق تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں کے پھیلانے سے روک دیتے۔ یا اس زمان میں تو پریس نہیں تھا مگر کیا موجود زمانہ میں غیر احمدیوں کو حق حاصل تھا کہ وہ حضرت سعیج موعود علیہ السلام سے یہ کہتے کہ آپ ہم میں اپنے اشتمار یا ٹریکٹ کیوں تقسیم کرتے ہیں۔ پس اس قسم کی باتوں کو روکنا حقافت کی بات ہے۔ ہر قوم کا حق ہے کہ وہ اپنے خیالات کو

احسن طریق پر دنیا میں پھیلانے اور چاہے تو اشتہار تقسیم کرے اور چاہے تو تحریکت دے۔ یہ لینے والے کی مرضی پر محصر ہے کہ وہ چاہے تو لے اور چاہے تو نہ لے۔ مگر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کو اپنے لزیبیج کی تقسیم سے روک دے۔ یہ تو اشاعت لزیبیج کے متعلق میں نے ایک اصول بیان کیا ہے۔ لیکن میں اسی حد تک اپنی بات کو محدود نہیں رکھتا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ میرے نزدیک کسی قوم کو بھورے میں بخادیا اس سے انتشار درجہ کی دشمنی اور اس کی ترقی کی جزو اپنے ہاتھوں سے تبر رکھنا ہے۔ جو قوم بھورے میں بند کر کے بخادی جائے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی اور نہ کبھی عزت اور عروج کو حاصل کر سکتی ہے۔ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے بچوں کو گھروں میں سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور انہیں تاکید کرتے رہتے ہیں کہ دیکھنا باہر نہ جانا، دیکھنا فلاں فلاں سے نہ ملنا، وہ اپنے ماں باپ کی موجودگی میں تو الگ حلگ رہتے ہیں لیکن جب ان کے سروں سے ماں باپ کا سایہ اٹھ جاتا ہے تو وہ اول درجہ کے آوارہ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ نہ معلوم فلاں فلاں لڑکے میں کیا بات ہے کہ ہمارے ماں باپ ہمیں ان سے ملنے نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ماں باپ سر پر نہیں رہتے تو چونکہ ان کے دل میں مدتیں سے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں وہ ان سے ایسے شوق اور ایسی محبت سے ملتے ہیں کہ بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ لیکن دوسرا لڑکا جس کی گواہ مگر انی کی جاتی ہو مگر اسے لوگوں کے ساتھ ملنے بلکہ سے بھی منع نہ کیا جاتا ہو وہ جب آوارہ لڑکوں کو دیکھتا اور ان کے انعام پر نظر دوڑاتا ہے تو کبھی غلطی نہیں کرتا اور بالعموم اس کا ایسا مضبوط کیریکٹر رہتا ہے کہ لوگ اسے پر ڈورے نہیں ڈال سکتے۔ مسلمانوں کے تزلیل کا بھی زیادہ تر یہی سبب ہوا کہ وہ غیر مذاہب کی کتب کے پڑھنے سے غافل ہو گئے۔ چنانچہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان کسی عیسائی کی کتاب نہیں پڑھیں گے، کسی ہندو کی کتاب نہیں پڑھیں گے، کسی اور مذہب والے کی کتاب نہیں پڑھیں گے، صرف اپنے مذہب کی کتاب نہیں پڑھتے رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چونکہ انہیں پڑھتے نہیں ہوتا کہ عیسائی کیا کہتے ہیں، ہندو کیا باتیں پیش کرتے ہیں۔ اس لئے جب ہندو یا عیسائی ان سے کسی مذہبی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں تو وہ آسانی سے ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن عیسائی دوسرے مذاہب کی کتب کو خوب غور سے پڑھتے ہیں اور خواہ ان کے سامنے کتنی ہی زبردست دلیلیں پیش کی جائیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس بجائے اس کے کہ میں اس قسم کے لزیبیج کی اشاعت کو ناپسند کروں اور

جماعت کو اس کے پڑھنے سے روک دوں، میں تحریک کرتا ہوں کہ جماعت کو اپنی فرصت کے اوقات میں اس قسم کا لزیج پر ضرور پڑھنا چاہئے۔ اگر تمیں معلوم ہی نہیں کہ مخالف کیا کہتا ہے تو تم اس کا جواب کیا دو گے؟ اور اگر ہماری جماعت کے بعض لوگ اتنے ہی کمزور ہیں کہ وہ مخالف کی ایک کتاب پڑھ کر اپنا ایمان چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ تو ایسے لوگوں کو سنبھالنے سے کیا فائدہ۔ ایک شاعر نے طراً کہا ہے کہ

کیا ذریعہ چلو پانی سے ایمان بہ گیا

اس نے تو ایک ناجائز چیز کا ذکر کر کے کہا ہے کہ کیا میں اس کا ذریعہ چلو پی کر ہی کافر ہو گیا۔ مگر جو جائز باتیں ہیں ان کے متعلق ہم یہ کمال فرض کر لیں کہ ہماری جماعت میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کا ایمان مخالفوں کا ایک اشتہار یا صرف ایک زیکر یا ایک کتاب پڑھنے سے ہی ضائع ہو جائے گا اور وہ ایسا متاثر ہو گا کہ احمدیت کو چھوڑ دے گا۔ اور اگر کوئی متاثر ہو گا تو اسی وجہ سے کہ ہم نے اسے احمدیت کی حقانیت کے دلائل پوری طرح نہیں سمجھائے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم دوسروں کا لزیج پڑھنے سے غافل ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اس ذمہ داری کو جو قوم کے تمام افراد کو صحیح تعلیم دینے سے تعلق رکھتی ہے ادا کرنے میں ست ہو جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ جب ہم نے دوسروں کا لزیج پڑھنے سے اپنی تمام قوم کو منع کر دیا ہے تو وہ غیر کے اثرات سے متاثر ہی کب ہو گیا وہ اصلاح کا ایک شارٹ کٹ تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن راستہ اور کوئی نہیں۔ جب ہم اپنی جماعت کے افراد کو یہ آزادی دیں گے کہ وہ دوسروں کے لزیج پر بھی پڑھیں۔ تو لازماً ہمیں یہ فکر رہے گا کہ ہم دوسروں کے پیدا کردہ شبہات کا بھی ازالہ کریں اور اس کے تردیدی دلائل ان کے ذہن نشین کریں۔ لیکن اگر ہم انہیں دوسروں کا لزیج پڑھنے سے ہی منع کر دیں گے تو لازماً ہم تقلیی پہلو میں ست ہو جائیں گے اور ہمیں یہ احساس نہیں رہے گا کہ دوسروں کے دلائل کا جواب بھی اپنے افراد کو سکھانا چاہئے۔ چنانچہ فرض کرو اگر ہم کہ دیں کہ جماعت کا کوئی شخص دوسروں کا لزیج نہ پڑھے تو چونکہ حیات مسجح کے دلائل جو وہ پیش کرتے ہیں انہی کی کتب میں سے مل سکتے ہیں اس لئے یہ دلائل ہماری جماعت کی نظر وہ سے مخفی رہیں گے اور ان کا کوئی جواب ہمارے افراد کو نہیں آئے گا۔ اسی طرح ہم وفات مسجح کے دلائل بھی زیادہ توجہ سے اپنے افراد کو نہیں سکھائیں گے۔ کیونکہ وفات مسجح کے دلائل کی ضرورت بھی حیات مسجح کے دعویٰ

کے مقابلہ میں ہی پیش آیا کرتی ہے۔ لیکن اگر دوسرا شخص حیات مسح کے دلائل پیش کرے اور وہ دلائل ہماری جماعت کے افراد کے سامنے آتے رہیں تو ہم اس بات پر مجبور ہو گئے کہ انہیں وفات مسح کے دلائل بھی سمجھائیں۔ اسی طرح اگر ہم کہہ دیں کہ مسئلہ ثبوت کے بارہ میں کسی مخالف کی کوئی کتاب نہ پڑھی جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنی جماعت کو اپنے عقیدہ کے دلائل بتانے میں بھی ہم سب ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ وفات مسح یا مسئلہ ثبوت کو ہم میں مانے والے ہوں گے وہ بھی علی وجہ البصیرت ان مسائل پر قائم نہیں ہوں گے بلکہ تقلیدی رنگ میں ہوں گے۔ حالانکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان دلائل اور شواہد کی بناء پر اپنے تمام اعتقادات رکھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دعویٰ بیان ہوا ہے کہ میں اور میرے میں دلائل سے اسلام کو مانتے ہیں مگر تم اپنی باقوٰ پر بے دلیل قائم ہو۔ اور جو قوم کسی بات کو بے دلیل مان لیتی ہے وہ کبھی برکت حاصل نہیں کر سکتی۔ برکت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو با دلیل مانے چاہے وہ سچے مذہب میں ہی کیوں شامل نہ ہو۔ اگر ایک مسلمان اس لئے خدا کو ایک سمجھتا ہے کہ اس کے ماں باپ خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے۔ اگر ایک مسلمان اس لئے نمازیں پڑھتا ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ کو یہی نمازیں پڑھتے دیکھا۔ اگر ایک مسلمان اس لئے روزے رکھتا ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ اور اپنی قوم کے افراد کو روزے رکھتے دیکھا۔ اگر ایک مسلمان اس لئے زکوٰۃ دیتا ہے کہ اس کی قوم زکوٰۃ دیتی ہے، اور اگر ایک مسلمان اس لئے حج کرتا ہے کہ اور لوگوں کو بھی وہ حج کرتے دیکھتا ہے، تو قیامت کے دن اس کی توحید، اس کی نمازیں، اس کے روزے، اس کی زکوٰۃ اور اس کا حج اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ بلکہ خدا کے گاکہ بیٹھ کر تھیں، تم نے تو حید کے عقیدہ پر ایمان رکھا مگر میں اس کا ثواب تمہارے ماں باپ کو دوں گا جنوں نے دلائل سے میری وحدانیت پر ایمان رکھا تھا۔ اسی طرح بے شک تم نے نمازیں بھی پڑھیں، تم نے روزے بھی رکھے، تم نے زکوٰۃ بھی دی، تم نے حج بھی کیا مگر چونکہ یہ تمام اعمال تم نے دوسروں کو دیکھ کر کئے اور خود ان اعمال کی حقیقت اور حکمت کو نہ سمجھا اس لئے جو لوگ نمازیں سمجھ کر پڑھا کرتے تھے، روزے سمجھ کر رکھا کرتے تھے، زکوٰۃ سمجھ کر دیا کرتے تھے اور حج سمجھ کر کیا کرتے تھے، میں ان تمام نیکیوں کا ثواب ان کو دوں گا نہ کہ تمہیں۔ اس طرح ہر یہی کا ثواب مارا جائے گا اور وہ ان لوگوں کو دیا جائے گا جنہوں نے سوچ سمجھ کر نیکیاں کی ہو گی۔

پس یہ طریق براخطرناک ہے جو قوموں کو تباہ و برباد کر دینے والا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑی

غلطی ہے جس کو جلد سے جلد دور کرنا چاہئے۔ بلکہ ایسی باتیں جن سے فتنہ پیدا ہونے کا امکان ہو ان سے روکنا ہمارے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مگر لڑپر ایسی چیز نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کسی کو روکا جاسکے۔ بلکہ میں تو کوئی گاکہ ہماری جماعت کے افراد میں سے جن کو بھی فرصت ہو وہ غالباً نہیں کے لڑپر کو ضرور پڑھیں۔ ہاں ہمارا یہ مطالبہ ہر وقت رہنے ہے گا کہ وہ صرف مخالفانہ لڑپر کو نہ پڑھیں بلکہ اپنے لڑپر کو بھی بار بار پڑھیں۔ پس میں تمہیں دوسروں کے اشتمارات یا پہنچت یا کتب پڑھنے سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم عیسائیوں کی کتابیں بھی پڑھو، تم یہودیوں کی کتابیں بھی پڑھو، تم آریوں کی کتابیں بھی پڑھو اور جتنی تمہیں فرصت ہو اس کے مطابق ان کے لڑپر کا مطالعہ جاری رکھو۔ یہ مطالعہ تمہارے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے اور جتنا زیادہ مطالعہ ہوئے گا اتنا ہی تمہارا اکیریکشہ مضبوط ہو گا۔ اور دوسروں کے حلولوں سے تم محظوظ رہو گے کیونکہ تم جانتے ہو گے کہ تمہارا مخالف کیا کہتا ہے اور تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اب اگر میرے سامنے کوئی عیسائی آئے اور کسے کہ مسیح ابن اللہ تھے تو مجھ پر اس کی اس بات کا کوئی اثر نہیں ہو گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مسیح کو کن معنوں میں ابن اللہ کہا گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسیح ایک بشر تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے ابن اللہ ہونے کے کیا دلائل ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جن قرآنی آیات سے وہ مسیح کے ابن اللہ ہونے کا استدلال کرتے ہیں ان کا کیا مفہوم ہے؟ میں نے ان کے اعتراضوں کو پڑھا۔ ان کے جوابات کو سمجھا اور مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ جن آیات سے وہ حضرت مسیح کے ابن اللہ ہونے کا استدلال کرتے ہیں ان کے معنی وہ نہیں ہو وہ کرتے ہیں بلکہ اور ہیں۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی کہے کہ قرآن کریم میں حضرت مسیح کے متعلق روحِ مدن کے الفاظ آتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ روحِ اللہ تھے تو میں اس سے قطعاً نہیں گھبراوں گا کیونکہ مجھے اس اعتراض کا جواب آتا ہے، اور جب آتا ہے تو میرے لئے گھبرانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

تو غیروں کی پاتوں کا پڑھنا بشرطیکہ جس مذہب میں انسان داخل ہو اس کی اسے پوری واقفیت حاصل ہونہ صرف جائز ہے بلکہ نہایت ضروری اور مفید ہے۔ بلکہ اگر کبھی فرصت ہو تو اس قسم کے ٹریکٹوں کو مساجد میں پڑھ کر سنانا چاہئے اور جماعت کے دوستوں کو بتانا چاہئے کہ دوسروں نے یہ یہ اعتراض کیا ہے اور ان اعتراضات کے یہ یہ جوابات ہیں۔ مگر اس قسم کے ٹریکٹوں کا سنانا باقی تمام ضروریات پر مقدم نہیں کر لینا چاہئے۔ یعنی یہ نہیں ہونا چاہئے کہ قرآن کا درس چھوڑ دیا

جائے، حدیث کا درس چھوڑ دیا جائے، حضرت سعیج موعود علیہ السلام کی کتب کا درس چھوڑ دیا جائے، اسی طرح اور وعظ و نصیحت کی باتوں کو چھوڑ دیا جائے اور مختلف ژریکوں کو شناخت شروع کر دیا جائے۔ یہ سخت بد دیانتی ہے کہ انسان جس مذہب میں شامل ہو اس کے متعلق تو ابھی اسے پوری واقفیت حاصل نہ ہو اور دوسروں کے لئے پرچار کو پڑھنے میں وہ مشغول ہو جائے۔ تم پہلے اپنی جماعت کے لئے پرچار کو پڑھو اور جب احمدیت کے عقائد احمدیت کی تعلیم اور احمدیت کے دلائل سے تم پوری طرح آگاہ ہو جاؤ تو پھر تمہارا حق ہے کہ دوسروں کی کتابوں کو بھی پڑھو۔ اور اگر تمہیں اپنے مذہب کی تعلیم پر غور کرتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ تمہارا مذہب سچا نہیں تو تمہارا فرض ہے کہ تم سچائی کی کسی اور مذہب میں علاش کروتا کہ اگر تم سعیج پر قائم نہیں تو کم از کم تم خدا سے یہ کہ سکو کہ تم نے سعیج کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں اس بارہ میں

جماعت کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے

انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ سے یہ کہتا ہوں کہ وہ ہر سال ایک ہفتہ ایامانیا کریں جس میں وہ جماعت کے افراد کے سامنے مختلف قادریوں کے ذریعہ نہ صرف اپنی جماعت کے عقائد بیان کیا کریں بلکہ یہ بھی بیان کیا کریں کہ دوسروں کے کیا اعتراضات ہیں اور ان اعتراضات کے کیا جوابات ہیں؟ ہر مسجد میں اس قسم کی تقریریں ہونی چاہئیں اور جماعت کے دوستوں کو بتانا چاہئے کہ لوگ یہ یہ اعتراضات کرتے ہیں اور ان اعتراضات کے یہ جوابات ہیں۔ فرض کرو خلافت کا مسئلہ جس رنگ میں ہماری جماعت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے وہ غلط ہے تو کیوں کسی کا حق نہیں کہ وہ ہمیں سمجھائے؟ یا فرض کرو کہ حضرت سعیج موعود علیہ السلام نبی نہیں تو جو شخص ہمیں سمجھاتا ہے کہ حضرت سعیج موعود علیہ السلام نبی نہیں وہ ہمارا محسن ہے نہ کہ دشمن بشر طیکہ وہ شرارت یا بد دیانتی نہ کر رہا ہو۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہمارے بعض مختلف سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ بات نہیں کرتے اور پھر جو حوالے پیش کرتے ہیں ان میں بھی دیانت سے کام نہیں لیا جاتا۔ حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے کچھ لکھا ہوتا ہے اور وہ کسی اور رنگ میں اسے پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر وہ شرافت کے ساتھ اپنے عقائد کو پیش کریں تو ہم ان کی باقی خوشی کے ساتھ سننے کے لئے تیار ہیں۔ قادریان میں ایک دفعہ آریوں کے جلسہ پر دیانت کالج کے ایک پروفیسر صاحب

آئے۔ ان دنوں میں اسی مسجد اقصیٰ میں درس دیا کرتا تھا۔ جلسہ سے فارغ ہو کر مجھے ملنے کے لئے اسی مسجد میں آگئے۔ میں نے ان سے کہا کہ قادیانی ایسا مقام ہے جس میں ہماری تعداد دوسروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے پس یہاں آپ کا آنا اسی صورت میں فائدہ بخش ہو سکتا تھا جب آپ اپنے خیالات سے ہمیں آگاہ کرتے ورنہ آپ کے اپنے آدمی تو جانتے ہی ہیں کہ آپ کے کیا عقائد ہیں اور ان عقائد کے کیا دلائل ہیں۔ اگر یہاں آکر بھی آپ نے اپنے آدمیوں کے سامنے ہی ایک تقریر کردی تو اس کا کیا فائدہ ہوا۔ فائدہ توبہ ہوتا جب آپ ہمیں بتاتے کہ آپ کے ڈاہب کی کیا تعلیم ہے۔ وہ کہنے لگے بات تو ٹھیک ہے مگر میں نے سمجھا کہ آپ اپنے آدمیوں کو ہماری باتیں سننے کے لئے کب اکٹھا کر سکتے ہیں؟ میں نے ان سے کہا یہ غلط ہے۔ مسجد ہمارا سب سے مقدس مقام ہوتا ہے۔ اور پھر یہ مسجد تودہ ہے جسے ہم مسجد اقصیٰ قرار دیتے ہیں۔ آپ آئیں اور اس مسجد میں تقریر کریں۔ میں اپنی جماعت کے دوستوں سے کوئی گاہک وہ آپ کی تقریر کو سنیں۔ چنانچہ اس مسجد میں دیا نہ کالج کے پروفیسر صاحب نے تقریر کی اور حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ تو خیالات کا تبادلہ باہر کت چیز ہے۔ اگر ہماری جماعت الزرام کے ساتھ دوسروں کے خیالات کو سنے۔ ان کے لڑپچر کو پڑھئے اور ان کے دلائل کو معلوم کر کے ان کے جوابات کو جماعت کے ہر فرد کے ذہن میں اچھی طرح راجح کر دے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کا ہر فرد ایمانی لحاظ سے اتنا مصبوط ہو جائے کہ کوئی شخص اپسے ورنگانہ سکے۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق اسے کوئی دھوکا دینا چاہیے گا تو وہ فوراً ہوشیار ہو جائے گا اور کہے گا مجھے خوب معلوم ہے کہ تم اعتراض کرنا چاہتے ہو۔ تم بے شک اعتراض کرو مگر مجھے ان کے جوابات بھی معلوم ہیں اور ان جوابات کے سامنے تمہارے اعتراضات کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صفات کے متعلق اگر کوئی اعتراض کرے گا تو وہ گھبرائے گا نہیں بلکہ ان کا جواب دینے کے لئے فوراً ایثار ہو جائے گا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اسلام کی صداقت، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت اور جماعت احمدیہ کی حقانیت کے متعلق جب بھی کوئی اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گا وہ عمدگی کے ساتھ اس کے وساوس کا زوال کر دیگا اور اپنی جگہ سے ایک انج بھی اور ہزادہ نہیں ہو گا۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اگر ہم اپنی جماعت کو کھڑا کر دیں تو ہم اس سے حقیقی نیکی کرنے والے ہوں گے۔ یہ کوئی نیکی نہیں کہ ہم پچاس یا سانچھ یا سو آدمیوں کو

دوسروں سے چھپا کر خدا تعالیٰ کے پاس لے جائیں۔ کیونکہ خدا چوروں کی طرح دوسروں کی نظر سے چھپ چھپ کر آنے والوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ ان کو پسند کرتا ہے جو دھڑلے سے سب کے سامنے آئیں اور علی الاعلان آئیں۔ اگر تم خدا کے پاس ایک بھی ایسا شخص لے کر حاضر ہوتے ہو جسے دنیا کا کوئی آدمی گمراہ نہیں کر سکتا تو خدا بہت زیادہ خوش ہو گا یہ نسبت اس کے کہ تم سویا ہزار ایسے آدمی اس کے سامنے پیش کرو جنہیں دوسروں کے عقائد سے بے خبر رکھا گیا ہو اور جنہیں چوری چھپے اپنے مذہب میں شامل کر لیا گیا ہو۔ خدا تعالیٰ تعداد کی زیادتی کو دیکھ کر خوش نہیں ہو گا بلکہ وہ کے گا کہ میں ان سویا ہزار کو کیا کروں، ان میں سے تو ہر شخص آسانی سے دوسروں کا شکار ہو سکتا اور گمراہی اور مظلالت کے گزھے میں گر سکتا ہے۔

پس یاد رکھو خدا کے حضور وحی مقبول ہوتے ہیں جن کا ایمان علی وجہ البصیرت ہو اور جو دوسرے کے ہر اعتراض کا جواب دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے

قُلْ هُدًٰهُ سَبِيلٌ أَذْعُوا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

(سورہ یوسف آیت ۱۰۹)

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں سے کہہ دے کہ میری چالی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تم جو باتیں کہتے ہو اس کی تمارے اپنے آدمی کوئی دلیل نہیں جانتے۔ اس کے مقابلہ میں اور میرے پیرو ہربات کی دلیل رکھتے ہیں اس لئے ہم سچے ہیں اور تم سچے نہیں۔
پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی جماعت کے

تمام افراد کا ایمان بصیرت پر قائم کریں

اور یہ وہ ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کی گئی ہے اور ذمہ داری سے پچانیکی نہیں ہوتی بلکہ ذمہ داری کو ادا کرنا نیکی ہوتی ہے۔ پس ہمارے ذمہ یہ فرض ہے کہ ہم اپنی جماعت کے تمام افراد کو دینی مسائل سے آگاہ کریں اور انہیں ان مسائل میں ایسا بخوبی کریں کہ انہیں کوئی گمراہ نہ کر سکے۔ اگر ہم افراد کی اس رنگ میں تربیت نہیں کریں گے اور پھر یہ امید رکھیں گے کہ کسی مخالف کی ہاتلوں سے وہ متاثر بھی نہ ہوں تو یہ ایسی ہی بات ہو گی جیسے کہتے ہیں کہ ”آپے میں رجی بچی آپے میرے پئے جیوں“ یعنی خود خود گھر میں بیٹھے فرض کر لیا کہ ہمارا ہر

فرد و بینی مسائل سے آگاہ ہے اور پھر خود بخود یہ نتیجہ نکال لیا کہ اب انہیں کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ جب تک انہیں دوسرے کے لرزیچر کا علم نہیں ہو گا اور انہیں معلوم نہیں ہو گا۔ کہ اس کے اعتراضات کے کیا جوابات ہیں۔ اس وقت تک بالکل ممکن ہے کہ وہ اس کا شکار ہو جائیں اور اس کی قند انگیز باتوں سے متاثر ہو جائیں۔ پس ہماری جماعت کے افراد کو شکاری پر نہ رہے بننا چاہئے۔ انہیں وہ باز بننا چاہئے جو روحاںی لحاظ سے اپنے شکار پر حملہ آور ہوتا اور اسے اپنے قبضہ و تصرف میں لے آتا ہے۔ چوہوں کی طرح اپنی بلوں میں سرچھانے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کامیاب وہی قوم ہوا کرتی ہے جو بازوں اور شکروں کی طرح ہوتی ہے۔ مجھے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمد میں جب کبھی باہر تقریر کے لئے جانا پڑتا تو مجھے یہ بات بیان کرتے وقت یہ شہزادہ مرا آ جاتا کہ لوگ یہ شور مچاتے ہیں کہ انہوں نے مرزا صاحب کو ٹکست دے دی۔ حالانکہ جب آپ نے دعویٰ کیا اس وقت آپ اُکیلے تھے۔ مگر جس طرح شیر بھیڑوں کے گلے پر حملہ کرتا اور ان میں سے کئی بھیڑیں اٹھا کر لے جاتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے ہزاروں نہیں لاکھوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب فرض کرو بھیڑیں ایک کروڑ ہوں اور شیر صرف ایک ہو لیکن وہ ان کروڑ بھیڑوں میں سے سو کو اٹھا کر لے جائے تو برحال فتح شیری کملائے گانہ کہ بھیڑیں۔ اسی طرح بے شک مخالف زیادہ ہیں اور احمدی کم مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا جس کثرت کے ساتھ غیر احمدیوں میں سے حضرت سعیج موعود علیہ السلام نے آدمی کھینچے اس کا سیکنڈوں حصہ بھی کوئی مخالف ہم میں سے لوگوں کو لے گیا۔ اگر نہیں تو کامیاب وہ کس طرح ہو گئے؟ کامیاب تو وہی ہوا جو اکیلا اٹھا اور لاکھوں کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر اگر کوئی برگشتہ بھی ہوا تو خدا نے اس کی جگہ ہمیں کئی مخلصین دے دئے۔ قرآن کریم خود سچے سلسلہ کی صداقت کا معیار یہ بیان فرماتا ہے کہ اگر اس میں سے ایک شخص بھی مرد ہوتا ہے تو اس کی جگہ ہم ایک قوم کو لے آتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ سلوک یہ شہزادہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔

پس یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کیونکہ ہم تھوڑے ہو کر جیتنے پڑے جاتے ہیں۔ آخری زمانہ میں جب حضرت سعیج موعود علیہ السلام امرتر تشریف لے گئے تو ہر یہ سخت مخالفت ہوئی اور لوگوں نے آپ پر پتھر پھینکے۔ ان دنوں امرتر میں ہماری جماعت کے ایک دوست تھے جو کچھ پڑھے لکھے تو نہیں تھے مگر یوں سمجھ دار آدمی تھے۔ پرانے زمانہ میں ایک

دستور تھا جسے شاید آج کل کے احمدی نہ جانتے ہوں اور وہ یہ کہ جب لڑکے والے لڑکی لینے جاتے تھے تو جو مستورات لڑکی والوں کے گھر میں اکٹھی ہوتی تھیں وہ لڑکے والے کو خوب گالیاں دیا کرتی تھیں۔ ان گالیوں کو پنجابی میں سُھنیاں کہا کرتے تھے۔ وہ خیال کرتی تھی کہ ان سُھنیوں سے نکاح بابرکت ہو جاتا ہے۔ حضرت سعیج موعود علیہ السلام جب امر تشریف لے گئے تو وہاں کے ایک رئیس محمد شریف صاحب کے ہاں ٹھہرے جو کشمیری خاندان میں سے تھے۔ لوگوں کو جب آپؐ کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے آپؐ کو خوب گالیاں دیں، سیاپے کئے اور جان آپؐ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں بھی آکر گالیاں دیتے رہے۔ جب آپؐ وہاں سے تشریف لے آئے تو کسی مخالف نے اس احمدی سے کہا کہ دیکھا تمہارے مرزا کو کیمی گالیاں ملیں۔ وہ کہنے لگا گالیوں کا کیا ہے آخر تم میں سے ہی اتنے آدمیوں نے بیت بھی تو کی ہے؟ رہا گالیاں سوان کا کیا ہے۔ سُھنیاں تو تم نے دینی ہی تھیں کیونکہ مرزا صاحب تمہارے آدمی جو لے گئے۔ تو بوقوم خدا تعالیٰ کی برکت کے نیچے ہوتی ہے وہ لوگوں کو سیخچے چلی جاتی ہے۔ ہم دوسروں کے مقابلہ میں مال و دولت اور تعداد کے لحاظ سے بست کمزور ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ اسلام کے میدان میں ہمارا اس قدر رعب ہے کہ چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک کمیٹی اس عرض کے لئے بھائی گئی تھی کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ افریقہ میں عیسائیت کی ترقی کیوں رک گئی ہے۔ اس کمیٹی نے جو روپرٹ شائع کی ہے اس میں سات مقامات پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ احمدی اب لوگوں کو عیسائی نہیں ہونے دیتے بلکہ جو عیسائی ہو چکے ہیں ان کو بھی ہم سے چھین کر لے جاتے ہیں۔ چرچ آف انگلینڈ کی سالانہ آمد سائنس کروڑ روپیہ تک ہے مگر ہمیں ہزاروں روپے بھی بمشکل میر آتے ہیں۔ اور پھر ہمیں ان ممالک میں کام کرنا پڑتا ہے جہاں سینکڑوں سال سے عیسائی اپنی تبلیغ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مگر باوجود اس کے سات جگہ انہوں نے تسلیم کیا کہ احمدیوں نے ان کی ترقی بند کر دی ہے۔ تو کثرت سے اس قسم کی مثالیں پانی جاتی ہیں جہاں عیسائیوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احمدیت نے عیسائیت کو بڑھنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ عیسائی چالیس کروڑ کے قریب ہیں۔ پھر انہیں حکومت حاصل ہے۔ ان کے پاس روپیہ اور طاقت ہے۔ مگر پھر بھی ہر جگہ انہیں نکلت ہوتی چلی جاتی ہے۔ ابھی سیرالیون میں، میں نے اپنا ایک مبلغ بھجوایا تھا جس کی روپرٹ میں الفضل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان روپرٹوں میں بھی یہی لکھا ہوتا ہے کہ فلاں عیسائی رئیس مسلمان ہو گیا۔ اور فلاں معزز عیسائی نے اسلام کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ پارہیوں نے

جب یہ حالت دیکھی تو وہ کمشنر کے پاس پہنچے اور پہلے تو یہ کماکہ یہ بانی ہیں اور پھر یہ شور مچا لیا کہ ان کی تقریروں سے ملک میں قند پیدا ہوتا ہے اُنہیں روکا جائے۔ اس پر ہمارے مبلغوں نے جب اصل حقیقت بتائی تو کمشنر نے کماکہ میں اب اس علاقہ کا دورہ کروں گا اور پارٹیوں کو ڈاؤنٹوٹکا کہ وہ آپ لوگوں کے خلاف جھوٹا پر اپیکنڈہ کیوں کرتے ہیں۔ اگر انہیں مقابلہ کا شوق ہے تو نہ ہی رنگ میں مقابلہ کر لیں۔ یہی حال یہاں ہے چنانچہ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں چار پانچ ہزار کے قریب آدمی ان میں سے نکل کر ہم میں شامل نہ ہو جاتے ہوں۔ لیکن ہم سے شاذ و نادر کے طور پر کوئی اوہ رجاتا ہے۔ اور اگر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور کمی آدمی بھجوادیتا ہے۔ یہ فویت اور برتری ہو ہماری جماعت کو حاصل ہے درحقیقت اس علم کی وجہ سے ہے جو جماعت کو دیا جاتا ہے اور جس کے بعد کوئی شخص دوسروں کے فریب میں نہیں آتا۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی جماعت کے

تمام افراد کو دوسروں کے دلائل سے آگاہ رکھیں

اور ہر فرد کے یہ ذہن نہیں کریں کہ دوسرا کیا کہتا ہے اور اس کے اعتراضات کا کیا جواب ہے۔ اور میں اس غرض کے لئے انصار اللہ اور خدام الاحمد یہ سے کہتا ہوں کہ وہ سال میں ایک ایسا ہفتہ متعدد کریں جس میں ان کی طرف سے یہ کوشش ہو کہ وہ جماعت کے ہر فرد کو نہ صرف اپنی جماعت کے مسائل سے آگاہ کریں۔ بلکہ یہ بھی بتائیں کہ دوسروں کے کیا کیا اعتراضات ہیں اور ان اعتراضات کے کیا کیا جوابات ہیں۔

یہ تعلیم کا سلسلہ زبانی ہونا چاہئے اور پھر زبانی ہی ان کا امتحان بھی لینا چاہئے تا جماعت میں بیداری پیدا ہو اور وہ دوسروں کے ہر حملہ سے اپنے آپ کو پوری ہوشیاری سے بچا سکے۔ مگر یہ نہ ہو کہ تم اپنی کتابیں پڑھنی چھوڑ دو اور دوسروں کی کتابیں پڑھنے میں ہی مشغول ہو جاؤ۔ پہلے اپنے سلسلہ کی کتابیں پڑھو۔ ان کو یاد کرو ان کے مضامین کو ذہن نہیں کرو۔ اور جب تم اپنے عقائد میں پختہ ہو جاؤ تو مبلغوں کی کتابیں پڑھو مگر چوری چھپے نہ پڑھو بلکہ ملی الاعلان پڑھو اور سب کے سامنے پڑھو اور پھر مختلف کے دلائل کا پوری مضبوطی سے رد کرو اور دوسروں کے مقابلہ میں ایک شیر کی طرح کھڑے ہو جاؤ تا تمہارے متعلق کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ دوسرا تمہیں ورغلائے گا۔ بلکہ جب وہ تمہیں چھیڑے تو ہر شخص کا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہو کہ اب تم ضرور کوئی نہ

کوئی شکار پکڑ کر لے آؤ گے۔

پس تم اپنے آدمیوں کو شیر کی طرح دلیر بناو۔ انہیں بلوں میں چھپنے والے چوہے نہ بناو۔ تم تجربہ کے بعد خود بخود دیکھ لو گے کہ اس کے بعد جماعت روحانی لحاظ سے کتنی مغبوطی حاصل کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس سچائی ہے تو ہمیں مخالف کی کسی بات کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ وہ لاکھ اعتراف کرے۔ خدا اس کے تمام اعترافات کو باطل کر دے گا۔ میرا اپنا تجربہ ہے کہ مخالف خواہ کیسا ہی اعتراف کرے خدا تعالیٰ اس کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور سمجھا دیتا ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا چھوٹی مسجد میں ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے آپ سے ایک سوال کرنا ہے۔ میں نے کہا کرو۔ وہ کہنے لگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مرزا صاحب کی صداقت قرآن کریم سے ثابت کریں۔ میں نے کہا سارا قرآن مرزا صاحب کی صداقت سے بھرا پڑا ہے۔ میں کس کس آیت کو پڑھوں۔ وہ کہنے لگا آخر کوئی آیت تو پڑھیں میں نے کہا جب ہم نے کہہ دیا ہے کہ سارا قرآن ہی آپ گی صداقت سے بھرا ہوا ہے تو کسی ایک آیت کا سوال ہی کیا ہے۔ تم خود کوئی آیت پڑھو ڈو میں اس نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی بعض آیتوں سے سیدھے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت بتتی ہیں اور بعض آیتوں سے سیدھے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے مگر مجھے یقین تھا کہ خدا اس کی زبان پر کوئی ایسی آیت لائے گا جس سے وہ فوراً پکڑا جائے گا۔ چنانچہ اس نے بحث یہ آیت پڑھ دی کہ

ذِيْنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ أَمْتَابِ اللَّهِ وَإِلَيْنَمُ الْأَخْرِ وَمَا هُمْ بِمُشْوِمِينَ
(سورۃ البقرہ آیت ۹)

اور کہا کہ اس سے مرزا صاحب کی صداقت ثابت کیجئے۔ میں نے کہا اس آیت میں کہ لوگوں کا ذکر ہے۔ کہنے لگا مسلمانوں کا۔ میں نے کہا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان گھوستے تھے تو اب کیوں نہیں گھوستے۔ اور جب آج بھی مسلمان گھوستے ہیں تو ان کی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے کسی کو آنا چاہئے یا نہیں؟ تھماری دلیل یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مصلح اور مامور کے آئنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض لوگ گمراہ تھے اور جب آپؐ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ گمراہ تھے تو آپؐ کے بعد تو بدرجہ اولیٰ مسلمان گمراہ ہو سکتے ہیں اور جب گمراہ ہو سکتے ہیں تو

لازماً خدا کی طرف بے مصلح بھی آ سکتا ہے۔ پس یا تو یہ مانو کہ امت محمدیہ کبھی گراہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ایسا کہو تو قرآن کے منشاء کے خلاف ہو گا کیونکہ جو آیت تم نے پڑھی ہے، اس میں کی ذکر ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مونہ سے توکتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر حقیقت میں وہ مومن نہیں۔ اور جب امت محمدیہ گراہ ہو سکتی ہے تو اس کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور بھی آ سکتا ہے۔ یہ بات جو میں نے اس کے سامنے کی یونہی مشغله کے طور پر نہیں کہہ دی تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سارے کاسارہ احضرت سچ موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت ہے۔ جس طرح تورات کا جتنا سچا حصہ ہے وہ سارے کاسارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے۔ جس طرح انجیل کا جتنا سچا حصہ ہے وہ سارے کاسارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح قرآن سارے کاسارہ احضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا ثبوت ہے۔ قرآن سارے کاسارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اس کی طرف قرآن سارے کاسارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ کان خلقہ القرآن یعنی قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ قرآن کی ہر آیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرتی ہے۔

پس جماعت میں بیداری پیدا کرو

انہیں دینی اور ندہبی مسائل سکھاؤ۔ انہیں دوسروں کے خیالات کو پڑھنے دو۔ اور اگر وہ خود نہیں پڑھتے تو خود انہیں پڑھ کر سناؤ۔ اور پھر ان کے ہر اعتراض کا انہیں جواب بیاؤ۔ مگر بالعموم ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ اپنے جواب کو تو مضبوط رنگ میں بیان کیا جاتا ہے اور دوسروں کے اعتراض کو بودا کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب لوگ اصل اعتراض کو دیکھتے ہیں تو خیال کر لیتے ہیں کہ ہمارے لوگ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ طریق بالکل غلط ہے تمہیں چاہئے کہ مخالف کی دلیل کو پوری مضبوطی سے بیان کرو اور اس کا کوئی پسلو بھی ترک نہ کر دیا اپنے اور بیگانے یہ نہ کہ سمجھیں کہ اعتراض کے ایک حصہ کو تو لے لیا گیا ہے اور دوسرے حصوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں ایک دفعہ لاہور گیا اور وہاں ”ندہب کی ضرورت“ پر میں نے ایک تقریر کی۔

ابتدائی تقریر میں میں نے بیان کیا کہ مذہب پر آج کل کیا کیا جلتے کئے جا رہے ہیں اور کون کون سے اعتراضات کے جاتے ہیں جن کے رو سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ دنیا کو مذہب کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں نے ان تمام اعتراضات کے جواب دیئے۔ اسی دن شام کو یاد و سرے دن ایک ایم۔ اے کاغذ احمدی سٹوڈنٹ مجھے ملنے کے لئے آیا اور کہنے لگا۔ میں نے کل آپ کی تقریر سنی ہے۔ آپ نے جو اعتراضات بیان کئے تھے وہ تو اتنے زبردست تھے کہ میں نے سمجھا کہ جتنے اعتراض مذہب پر کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب بیان کر دیے گئے ہیں۔ مگر آپ کے بعض جوابات سے میری پوری تشفی نہیں ہوئی۔ میں نے اسے کہا کہ اپنی تشفی کو سردست رہنے دو مگر یہ بتاؤ کہ کوئی اعتراض میں نے چھپایا تو نہیں۔ کہنے لگا۔ ہم نے تو جس تدریج اعتراضات مذہب کے متعلق سے ہوئے تھے وہ سب کے سب آپ نے بیان کر دئے ہیں۔ میں نے کہا تو خیر جواب کسی اور وقت سمجھ آجائیں گے۔ تو مخالف کے دلائل کو پورے طور پر کھول کر بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کفارے کا مسئلہ ہے اسے جس رنگ میں ہمارے علماء کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ آج کل یہ سائی کفارہ کو اس طریق پر پیش نہیں کرتے بلکہ انہوں نے آہست آہست اسے ایک فلسفیانہ مضمون بھایا ہے۔ اسی طرح تاخ کا مسئلہ بیان کرتے وقت عام طور پر سنی نئی باتیں بیان کر دی جاتی ہیں حالانکہ جس رنگ میں آج کل تاخ کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے وہ بالکل اور ہے۔ اسی طرح شرک کے مسئلہ کو فلسفیانہ رنگ دے دیا گیا ہے مثلاً فلسفی دماغ والے بت پرست آج کل یہ نہیں کہتے کہ ہم یتوں کو مجبہ کرتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ قائم رکھنے کے لئے بت کی طرف اپنا منہ کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں یہ بت خدا کی بعض صفات کے قائم مقام ہیں۔ اب اگر شرک کے مسئلہ کو صرف اس رنگ میں بیان کر دیا جائے کہ بعض لوگ خدا کی بجائے یتوں کی پرستش کرتے ہیں تو اس سے بت پرستوں کی پوری تسلی نہیں ہو سکتی۔ پس غالیین کے اعتراضات کو کھول کر بیان کرنا چاہئے اور ان کے اعتراض کی کسی حق کو چھپانا نہیں چاہئے۔ اس غرض کے لئے میں نے اعلان کیا ہے کہ انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو

ہر سال ایک ہفتہ ایسا منانا چاہئے

جس میں خدا تعالیٰ کی ہستی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، حضرت مسیح موعود علیہ

السلام کی صداقت، خلافت اور دیگر مسائل اسلامی کے متعلق احمدیت کے عقائد کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے اور پھر تیارا جائے کہ ان اعتقادات پر غالپین کی طرف سے یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کے یہ یہ جوابات ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کا زبانی امتحان لیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ انہوں نے ان بالوں کو کہاں تک یاد رکھا ہے۔ چونکہ صرف ایک ہفتہ میں ان تمام مسائل کے متعلق جماعت کے دوستوں کو پوری واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے ہر سال یہ طریق جاری رہنا چاہئے اور کبھی کوئی مسائل بیان کر دیے جائیں اور کبھی کوئی اور۔ یہاں تک کہ ہماری جماعت کا ہر فرد اتنا ہو شیار ہو جائے کہ اگر اسے کسی وقت غالپین کی لاپرواہی میں بھی بخدا دیا جائے تب بھی وہ وہاں سے ناخ ہو کر نکلے۔ مفتوح اور مغلوب ہو کر نہ لٹک۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ کیم نومبر ۱۹۳۰ء۔ بحوالہ الفضل ۷۔ اگست ۱۹۶۰ء)

النصار اللہ - خدام الاحمدیہ اور لجئے اماء اللہ کے قیام کے چھ اہم مقاصد

ایمان بالغیب۔ اقامت صلوٰۃ۔ خدمت خلق۔ ایمان بالقرآن۔

بزرگان دین کا احترام اور یقین بالآخرة

(اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ)

اب میں احباب کو مجلس النصار اللہ اور مجلس خدام الاحمدیہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جماعت کے احباب یا چالیس سال سے کم عمر کے ہیں، یا چالیس سال سے زیادہ۔ چالیس سال سے کم عمر والوں کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ اور زیادہ عمر والوں کے لئے مجلس النصار اللہ قائم کی ہے۔ یا پھر عورتیں ہیں، ان کے لئے بند اماء اللہ قائم ہے۔ میری غرض ان تحریکات سے یہ ہے، کہ جو قوم بھی اصلاح و ارشاد کے کام میں پڑتی ہے، اس کے اندر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے کہ اور لوگ ان کے ساتھ شامل ہوں۔ اور یہ خواہش کہ اور لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں، جماں جماعت کو عزت اور طاقت بخشی ہے، وہاں بعض اوقات جماعت میں ایسا رخنڈ پیدا کرنے کا موجب بھی ہو جایا کرتی ہے جو تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ جماعت اگر کروڑوں کروڑ بھی ہو جائے اور اس میں دس لاکھ منافق ہوں، تو بھی اس میں اتنی طاقت نہیں ہو سکتی جتنا کہ اگر دس ہزار تخلص ہوں تو ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چند صحابہؓ نے جو کام کئے وہ آج چالیس کروڑ مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ آخرضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی، تو ان کی تعداد سات سو تھی۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپ نے اس واسطے مردم شماری کرائی ہے کہ آپ کو خیال ہے کہ دشمن ہمیں تباہ نہ کر دے۔ اور انہوں نے کمایا رسول اللہؑ اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں کیا اب بھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ہمیں تباہ کر سکے گا۔ یہ کیا شاذ ار ایمان تھا کہ وہ سات سو ہوتے ہوئے یہ خیال تک بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن انہیں تباہ کر سکے گا۔ مگر آج صرف ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ مگر حالات یہ ہے کہ جس سے بھی بات کرو،

اندر سے کھوکھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور سب ڈر رہے ہیں کہ معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ کجا تو سات سو میں اتنی جرات تھی اور کجا آج سات کروڑ بلکہ دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان ہیں۔ مگر سب ڈر رہے ہیں اور یہ ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے۔ جس کے اندر ایمان ہوتا ہے، وہ کسی سے ڈر نہیں سکتا۔ ایمان کی طاقت بہت بڑی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ آپ گوردا سپور میں تھے۔ میں وہاں تو تھا مگر اس مجلس میں نہ تھا جس میں یہ واقعہ ہوا۔ مجھے ایک دوست نے جو اس مجلس میں تھے بتایا۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور بعض دوسرے احمدی بہت گھبرائے ہوئے آئے اور کما کہ فلاں مجسٹریٹ جس کے پاس مقدمہ ہے لاہور گیا تھا۔ آریوں نے اس پر بہت زور دیا کہ مرز اصحاب ہمارے نہ ہب کے سخت مخالف ہیں۔ ان کو ضرور سزا دے دو۔ خواہ ایک ای دن کی کیوں نہ ہو۔ یہ تمہاری قومی خدمت ہوگی۔ اور وہ ان سے وعدہ کر کے آیا ہے کہ میں ضرور سزا دوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بات سنی۔ تو آپ لیٹے ہوئے تھے یہ سکر آپ کہنی کے بل ایک پہلو پر ہو گئے۔ اور فرمایا خواجہ صاحب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ کیا کوئی خدا تعالیٰ کے شیر پر بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مجسٹریٹ کو یہ سزا دی کہ پسلے تو اس کا گوردا سپور سے تباولہ ہو گیا۔ اور پھر اس کا تزلیل ہو گیا یعنی وہ ای۔ اے۔ سی سے منصف بنا دیا گیا اور فصلہ دوسرے مجسٹریٹ نے آکر کیا۔ تو ایمان کی طاقت بڑی زبردست ہوتی ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس جماعت میں نئے لوگوں کے شامل ہونے کا اس صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے۔ کہ شامل ہونے والوں کے اندر ایمان اور اخلاق ہو۔ صرف تعداد میں اضافہ کوئی خوشی کی بات نہیں۔ اگر کسی کے گھر میں دس سیردودھ ہو۔ تو اس میں دس سیربانی ملکروہ خوش نہیں ہو سکتا۔ کہ اب اس کا دودھ نہیں سیر ہو گیا ہے۔ خوشی کی بات یہی ہے کہ دودھ ہی بڑھایا جائے اور دودھ بڑھانے میں ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔ جو قویں تبلیغ میں زیادہ کوشش کرتی ہیں ان کی تربیت کا پہلو کمزور ہو جایا کرتا ہے۔ اور

ان مجالس کا قیام میں نے تربیت کی غرض سے کیا ہے۔

چالیس سال سے کم عمر والوں کے لئے خدام الاحمد یہ اور چالیس سال سے اوپر عمر والوں کے لئے انصار اللہ اور عورتوں کے لئے بذو الماء اللہ ہے۔ ان مجالس پر دراصل تربیتی ذمہ داری ہے۔ یاد

رکھو کہ اسلام کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ حضرت سعیج موعود علیہ السلام ایک شعر لکھ رہے تھے۔ ایک صدر عہد آپ نے لکھا کہ

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ افقاء ہے
اسی وقت آپ گودو سرا صدر عہد امام ہوا جو یہ ہے کہ

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس امام میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اگر جماعت تقویٰ پر قائم ہو جائے تو پھر وہ خود ہر چیز کی خانست کرے گا۔ نہ وہ دشمن سے ذلیل ہو گی، اور نہ اسے کوئی آسمانی یا زمینی بلا کسی تباہ کر سکیں گی۔ اگر کوئی قوم تقویٰ پر قائم ہو جائے تو کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔

قرآن کریم کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اللّٰهُ أَكْبَرُ ذَلِيلُ الْكَابِرِ لَا رَبَّ يَرَى إِلَيْهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ۝

(سورۃ البقرۃ آیت ۲-۳)

لَا رَبَّ يَرَى فِيهِ وَ قرآن کریم کی ذاتی خوبی بتائی اور دوسروں سے تعلق رکھنے والی خوبی یہ بتائی کہ ہُدًى لِلْمُتَّقِينَ۔ یعنی یہ کلام متقیٰ پر اثر کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص تو روپی کھاتا اور اس سے طاقت حاصل کر کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو دو آدمی پکڑ کر کھڑا کرتے ہیں۔ غیر متقیٰ کو جو ہدایت ہوتی ہے وہ تو ایسی ہوتی ہے، جیسے دو آدمی کسی کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیں۔ مگر جو متقیٰ ہے وہ اس سے غذا لیتا اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ ہم اگر ترقی کر سکتے ہیں تو قرآن کریم کی مدد سے ہی۔ اور قرآن کریم کھاتا ہے کہ اس کی غذا متقیٰ کے لئے ہی طاقت اور قوت کا موجب ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے معدہ میں کوئی خرابی ہو تو اسے گھی، دودھ، مرغ، بادام، پچل اور کتنی اعلیٰ غذا کیسی کیوں نہ کھلانی جائیں اسے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انہا سے ہی پہہ ہو جائے گا۔ غذا اسی صورت میں فائدہ دے سکتی ہے، جب وہ ہضم ہو۔ اگر ہضم نہ ہو، تو اتنا تھان کرتی ہے۔ اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ غذا ایسی ہے جو موسن کے معدہ میں ہی ٹھہر سکتی ہے۔ پس اگر یہ حق ہے کہ ہم نے قرآن کریم سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھائے بغیر ہم کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ حضرت سعیج موعود علیہ السلام کا

الام ہے کہ
کُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ حَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلِمَ وَتَعْلَمَ

یعنی تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ پس بڑا ہی مبارک ہے وہ جس نے سکھایا اور بڑا ہی مبارک ہے وہ جس نے سیکھا۔ اس میں محمد سے مراد دراصل قرآن کریم ہی ہے۔ کیونکہ آپُ ای قرآن کریم کے الفاظ لائے ہیں۔ پس

جماعت کا تقویٰ پر قائم ہونا

بے حد ضروری ہے۔ اس زمانہ میں مومن اگر ترقی کر سکتے ہیں تو قرآن کریم پر چل کر ہی اور اگر یہ غذا ہضم نہ ہو سکے، تو پھر کیا فائدہ۔ اور اگر اسے ہضم کرنا چاہتے ہو تو متقیٰ ہو۔ ابتدائی تقویٰ جس سے قرآن کریم کی خدا ہضم ہو سکتی ہے وہ کیا ہے وہ کیا ہے وہ

ایمان کی درستی

ہے۔ تقویٰ کے لئے پہلی ضروری چیز ایمان کی درستی ہی ہے۔ قرآن کریم نے مومن کی علامت یہ بتائی ہے کہ **میؤمنُونَ بالغَيْبِ**۔ ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں متقیٰ کیسے ہوں۔ پس اس کی پہلی علامت ایمان بالغیب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت، اور رسولوں پر ایمان لانا۔ پھر اس ایمان کے نیک نتائج پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت اور رسالت نظر نہیں آتی۔ اس لئے اس کے دلائل قرآن کریم نے میا کئے ہیں اور وہ دلائل ایسے ہیں کہ انسان کے لئے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ مگر کہی لوگ ہیں جو غور نہیں کرتے۔ آج کل ایمان بالغیب پر لوگ تمسخر اڑاتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں بعض لوگ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم تعلیم یافتہ ہو کر خدا کو مانتے ہو۔ پھر قیامت اور مرسنے کے بعد اعمال کی جزا اسرا پر بھی لوگ تمسخر اڑاتے ہیں۔ ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام اور دین لانے والے ہیں۔ اور یہ سب ابتدائی صدقیتیں ہیں۔ مگر لوگ ان سب بالتوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ یہ سارا ایک ہی سلسلہ ہے۔ اور جس نے اس کی ایک کڑی کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ ایمان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ نیک نتائج پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب میں شامل ہے اور یہ تو کل کا مقام ہے۔ ایک شخص اگر دس سیر آٹا کسی غریب کو دیتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر اسے ملے گا۔ تو وہ گویا غریب پر ایمان لاتا ہے۔ وہ کسی حاضر نتیجے کے لئے یہ کام نہیں کرتا بلکہ غریب پر ایمان لانے کی وجہ سے ہی ایسا کر سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ بھی اگر ایسی کوئی نیکی کرتا ہے۔ تو غریب پر ایمان کی وجہ سے ہی کر

سلکا ہے۔ فرض کرو کوئی شخص قوی نظر نگاہ سے کسی غریب کی مدد کرتا ہے۔ تو بھی یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ اگر کسی وقت بھج پر یا میرے خاندان پر زوال آیا۔ تو اسی طرح دوسرے لوگ میری یا میرے خاندان کی مدد کریں گے۔ تو تمام ترقیات غریب پر مبنی ہیں کیونکہ بڑے کاموں کے نتائج فوراً نہیں نکلتے۔ اور ایسے کام جن کے نتائج نظر نہ آئیں، حوصلہ والے ہی لوگ کرتے ہیں۔ قربانی کا مادہ بھی ایمان بالغیب ہی انسان کے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ گویا قرآن کریم نے ابتداء میں ہی ایک بڑی بات اپنے مانے والوں میں پیدا کر دی۔ چنانچہ وہ صحابہ "بودر اور واحد کی لڑائیوں میں لڑے" کیا وہ کسی ایسے نتیجے کے لئے تھے جو سامنے نظر آ رہا تھا؟ نہیں بلکہ ان کے دلوں میں ایمان بالغیب تھا۔ بدر کی لڑائی کے موقع پر مکہ کے بعض امراء نے صلح کی کوشش کی، مگر بعض ایسے لوگوں نے جنہیں نقصان پہنچا ہوا تھا۔ شور چاڑیا کہ ہر گز صلح نہیں ہونی چاہئے۔ آخر ایک شخص نے کہا کہ کسی آدمی کو بھیجا جائے، جو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ کر کے آئے۔ چنانچہ ایک آدمی بھیجا گیا۔ اور اس نے آکر کہا کہ اے میری قوم میرا مشورہ یہی ہے کہ ان لوگوں سے لڑائی نہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ تم ہتاو تو سی کہ ان کی تعداد کتنی ہے، اور سامان وغیرہ کیسا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ۲۳۰ اور ۳۲۰ کے درمیان ہے اور کوئی خاص سامان بھی نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر جب یہی حالت ہے تو تم یہ مشورہ کیوں دیتے ہو کہ ان سے لڑائی نہ کی جائے۔ جب ان کی تعداد بھی ہم سے بہت کم ہے۔ اور سامان بھی ان کے پاس بہت کم ہے۔ اس نے کہا کہ بات یہ ہے۔ کہ میں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں۔ میں نے جو چڑہ بھی دیکھا، میں نے معلوم کیا کہ وہ تیہہ کے ہوئے ہے کہ خود بھی مر جائے گا اور تم کو بھی مار دیگا۔ چنانچہ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ابو جمل میدان میں کھڑا تھا اور عکرمه اور خالد بن ولید جیسے بہادر نوجوان اس کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف بیان کرتے ہیں میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو دونوں طرف پندرہ سال کے پنج کھڑے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ میں آج کیا جگ کر سکوں گا۔ جب کہ میرے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پنج ہیں۔ لیکن ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکے نے آہستہ سے مجھے کھنی ماری اور پوچھا چکا، وہ ابو جمل کون ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھل دیا کرتا ہے۔ میں نے خدا سے عمد کیا ہے کہ آج اسے ماروں گا۔ ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دوسرے لڑکے نے بھی اسی طرح آہستہ سے کھنی ماری اور مجھ سے یہی

سوال کیا۔ میں اس بات سے حیران تو ہوا، مگر انگلی کے اشارہ سے جایا کہ ابو جمل وہ ہے جو خود پنے کھڑا ہے۔ اور ابھی میں نے انگلی کا اشارہ کر کے ہاتھ پنجھے ہی کیا تھا کہ وہ دونوں پنجھے اس طرح پر جاگرے جس طرح چیل اپنے شکار پر چھٹی ہے، اور تکواریں سوت کر ایسی بے جگری سے اس پر حملہ آور ہوئے کہ اس کے محافظ سپاہی ابھی تکواریں سنہال بھی نہ سکے تھے کہ انوں نے ابو جمل کو پنجھے گرا دیا۔ ان میں سے ایک کا بازو کٹ گیا مگر قتل اس کے کہ باقاعدہ جنگ شروع ہو، ابو جمل مملک طور پر زخمی ہو چکا تھا۔ یہ کیا چیز تھی جس نے ان لوگوں میں اتنی جرأت پیدا کر دی تھی۔ یہ ایمان بالغیب ہی تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہر وقت قریانیوں کی آگ میں جھوکنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور یہ ایمان بالغیب ہی تھا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ دنیا کی نجات اسلام میں ہی ہے۔ اور خواہ کچھ ہو ہم اسلام کو دنیا میں غالب کر کے رہیں گے۔

پس

مجلس انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجٹہ امام اللہ کا کام

یہ ہے کہ جماعت میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لئے پہلی ضروری چیز ایمان بالغیب ہے۔ ائمہ اللہ تعالیٰ 'ملائکہ'، 'قیامت'، رسولوں اور ان شاندار عظیم الشان تنائی پر ہو آئندہ نکلنے والے ہیں، ایمان پیدا کرنا چاہئے۔ انسان کے اندر بزدلی اور نفاق وغیرہ اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب دل میں ایمان بالغیب نہ ہو۔ اس صورت میں انسان سمجھتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے یہ بھی اگر چلا گیا تو پھر کچھ نہ رہے گا اور اس لئے وہ قربانی کرنے سے ڈرتا ہے۔

یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ایک منہ امن دینا بھی ہے۔ یعنی جب قوم کا کوئی فرد باہر جاتا ہے تو اس کے دل میں یہ اطمینان ہونا ضروری ہے کہ اس کے بھائی اس کے پیوی پچوں کو امن دیں گے۔ کوئی قوم جہاد نہیں کر سکتی، جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ اس کے پیچے رہنے والے بھائی دیانت دار ہیں۔ پس ان تینوں مجلسوں کا ایک یہ بھی کام ہے کہ جماعت کے اندر ایسی امن کی روح پیدا کریں۔ ان تینوں مجلسوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ایمان بالغیب ایک پنجھے کی طرح ہر احمدی کے دل میں اس طرح گز جائے کہ اس کا ہر خیال، ہر قول اور ہر عمل اس کے تابع ہو۔ اور یہ ایمان قرآن کریم کے علم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ فلسفیوں کی جھوٹی اور پر فریب

باتوں سے مٹاڑ ہوں اور قرآن کریم کا علم حاصل کرنے سے غافل رہیں، وہ ہرگز کوئی کام نہیں کر سکتے۔ پس مجالس النصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور بخشہ کا یہ فرض ہے اور ان کی یہ پالیسی ہونی چاہئے کہ وہ یہ باتیں قوم کے اندر پیدا کریں۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے اس کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ لیکھروں کے ذریعہ، اسباق کے ذریعہ، اور بار بار امتحان لیکر ان باتوں کو دلوں میں راجح کیا جائے۔ حضرت سعیج موعود علیہ السلام کی کتب کو بار بار پڑھایا جائے، یہاں تک کہ ہر مردوں عورت اور ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ایمان بالغیب پیدا ہو جائے۔ دوسری ضروری چیز

نماذ پوری شرائط کے ساتھ ادا کرنا

ہے۔ قرآن کریم نے **يُؤْذُونَ الصَّلَاةَ** کیسی نہیں فرمایا یا **يَأْتِلُونَ** نہیں کہا۔ بلکہ جب بھی نماز کا حکم دیا ہے **يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ** فرمایا ہے اور اقامت کے مبنی باجماعت نماز ادا کرنے کے چیز۔ اور پھر اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ گویا صرف نماز کا ادا کرنا کافی نہیں، بلکہ نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اس طرح ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص نہ رہے۔ اسلام میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے ہر احمدی کا فرض ہے کہ نماز پڑھنے پر خوش نہ ہو بلکہ نماز قائم کرنے پر خوش ہو۔ پھر خود ہی نماز قائم کر لینا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو اس پر قائم کرنا چاہئے۔ اپنے یوں بچوں کو بھی اقامت نماز کا عادی بناتا چاہیے۔ بعض لوگ خود تو نماز کے پابند ہوتے ہیں مگر یوں بچوں کے متعلق کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر دل میں اخلاص ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی بچے کا یا بیوی کا یا بیٹا یا بھائی کا نماز چھوڑنا انسان گوارا کر سکے۔ ہماری جماعت میں ایک مخلص دوست تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے مجھے لکھا کہ میرے والد میرے نام الفضل جاری نہیں کرتے۔ میں نے اُنہیں لکھا کہ آپ کیوں اس کے نام الفضل جاری نہیں کرتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مذہب کے معاملہ میں اسے آزادی حاصل ہو اور وہ آزادا نہ طور پر اس پر غور کر سکے۔ میں نے اُنہیں لکھا کہ الفضل پڑھنے سے تو آپ سمجھتے ہیں اس پر اثر پڑے گا اور مذہبی آزادی نہ رہے گی لیکن کیا اس کا بھی آپ نے کوئی انظام کر لیا ہے کہ اس کے پروفسر اس پر اثر نہ ڈالیں۔ کتابیں جو وہ پڑھتا ہے وہ اثر نہ ڈالیں۔ دوست اثر نہ ڈالیں۔ اور جب یہ سارے کے سارے اثر ڈال رہے ہیں تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسے زہر تو کھانے دیا جائے اور تربیاق سے

بچایا جائے۔ تو میں بتارہا تھا کہ اقامت نماز ضروری ہے۔ اور اس میں خود نماز پڑھنا۔ دوسروں کو پڑھوانا۔ اخلاص اور خوش کے ساتھ پڑھنا۔ باوضو ہو کر ظہر نماز کر باجماعت اور پوری شرائط کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کی طرف ہمارے دوستوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔ مجھے افسوس ہے کہ کئی لوگوں کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ خود تو نماز پڑھتے ہیں مگر ان کی اولاد نہیں پڑھتی۔ اولاد کو نماز کا پابند بناتا بھی اشد ضروری ہے اور نہ پڑھنے پر ان کو سزا دی جائے۔ ایسی صورت میں بچوں کا خرچ بند کرنے کا حق تو نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ میں خرچ تو دینا رہوں گا مگر تم میرے سامنے نہ آؤ، جب تک نماز کے پابند نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی بچہ کہ دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں تو پھر البتہ حق نہیں کہ اس پر زور دیا جائے۔ لیکن اگر وہ احمدی اور مسلمان ہے تو پھر اسے سزا دی جائے اور کہ دینا چاہئے کہ آج سے تم ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتے جب تک کہ نماز کے پابند نہ ہو جاؤ۔ تیری چیز

وَمِمَّا أَنْفَنَهُمْ يُنْفِقُونَ

(سورہ بقرہ آیت ۲۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی پہلی چیز جذبات ہیں۔ بچہ جب ذرا ہوش نہ بھالتا ہے تو محبت اور پیار اور غصہ کو محسوس کرتا ہے۔ خوش ہوتا اور ناراض ہوتا ہے۔ پھر پیدائش سے بھی پسلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھیں، ناک، کان اور ہاتھ پاؤں دیے ہیں۔ پھر بڑا ہونے پر علم ملتا ہے، طاقت ملتی ہے، ان سب میں سے تھوڑا تھوڑا اخذ ا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب ہے۔ علم، روپیہ، عقل، جذبات اور اپنی طاقتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ یہ مطالبہ ایسا و سچ ہے کہ اس کی تفصیل کے لئے کوئی گھنٹے درکار ہیں۔ اور اس پر ہزار صفحی کی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ بہت سے ہیں جو تھوڑا بہت صدقہ دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس مطالبہ کو پورا کر دیا۔ حالانکہ یہ بہت و سچ ہے۔ جناد کا حکم بھی اس کا ایک جزو ہے۔ بعض امراء صدقہ دے دیتے ہیں۔ کچھ پیسے خرچ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس حکم کی تعلیل کر دی۔ حالانکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی بہت سی چیزوں میں سے ایک کو خرچ کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب کچھ جو تمہیں دیا گیا ہے ان سب میں سے کچھ کچھ خرچ کرو۔ ہماری تائی صاحبہ تھیں اسی پچاہی سال کی عمر میں سارا سال روئی کو کتوانا۔ پھر ایسا

بنانا۔ پھر جلا ہوں کو دیکھ اس کا کپڑا بنوانا۔ اور پھر رضا کیاں اور تو نکشیں بنو اکر غریبوں میں تقسیم کرنا ان کا دستور تھا۔ اور ان میں سے بہت سا کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ جب کہا جاتا کہ دوسروں سے کرا لیا کریں۔ تو کہیں اس طرح مرانہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ بعض لوگ چند پیسے کسی غریب کو دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس پر عمل ہو گیا۔ حالانکہ یہ درست نہیں جو شخص پیسے تو خرچ کرتا ہے مگر اصلاح و ارشاد کے کام میں حصہ نہیں لیتا، وہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس حکم پر عمل کیا ہے یا جو یہ کام بھی کرتا ہے مگر ہاتھ پاؤں اور اپنی طاقت کو خرچ نہیں کرتا، اور یہاں اور تیہوں کی خدمت نہیں کرتا، وہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس پر عمل کر لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ساری قوتیں کو صرف کرنے کا حکم ہے۔ جذبات کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنا ضروری ہے۔ مثلاً غصہ چڑھاتو معاف کر دیا۔ اسی کے ماتحت ہاتھ سے کام کرنا اور منت کرنا بھی ہے اور میں خدام الاحمد یہ کو خصوصیت سے یہ فتحت کرتا ہوں کہ خدمت خلق کی روح نوجوانوں میں پیدا کریں۔ شادیوں، بیانوں اور دیگر تقریبات میں کام کرو، خواہ وہ کسی مذہب کے لوگوں کی ہوں۔ اس کے بعد فرمایا

وَالَّذِينَ يُعْوِمُنَّ نَبْعَدُهُمَا إِنْزَلَ إِلَيْنَا

(سورۃ البقرۃ آیت ۵)

اس میں ایمان بالقرآن کا حکم ہے۔ مگر اس کو صرف ماننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ہر حکم کو اپنے اور حاکم بنانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں، میں نے احباب کو یہ فتحت کی تھی کہ قرآن کریم نے عورتوں کو حصہ دینے کا جو حکم دیا ہے اس پر عمل کریں۔ اور چند سال ہوئے جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے احباب سے کہا تھا کہ کھڑے ہو کر اس کا اقرار کریں۔ اور اکثر نے کیا بھی تھا۔ مگر میرے پاس شکاستیں پہنچتی رہتی ہیں۔ کہ بعض احمدی نہ صرف یہ کہ خود حصہ نہیں دیتے بلکہ دوسروں سے لاتے ہیں کہ تم بھی کیوں دیتے ہو۔ مسلمانوں نے جب عورتوں سے یہ سلوک شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کو عورتیں بنادیا۔ انہیں ماتحت کر دیا اور دوسروں کو ان پر حاکم کر دیا۔ انہوں نے عورتوں کو ان کے حق سے محروم کیا تو خدا تعالیٰ نے ان سے حکومت چھین کر انگریزوں کو دے دی۔ انہوں نے عورتوں کو نیچے گرفیا اور خدا تعالیٰ نے ان کو گردیا۔ لیکن اگر تم آج عورتوں کو ان کے حقوق دینے لگ جاؤ اور مظلوموں کے حق قائم کرو تو خدا تعالیٰ کے

فرشتے آسمان سے اتریں گے اور تمہیں اٹھا کر اوپر لے جائیں گے۔ پس عورتوں کے حقوق ان کو ادا کرو اور ان کے حے ان کو دو۔ مگر اس طرح نہیں جس طرح ایک والدہ میں نے پسلے بھی کئی بار سنایا ہے۔ ایک احمدی تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ قادیانی سے ایک دوست ان کے پاس گئے تو ان کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیویوں کو مارتے ہیں۔ انہوں نے نصیحت کی کہ یہ صحیح نہیں۔ اس نے کماکہ میں نے تو اپنا یہ اصول بنارکھا ہے کہ جب ایک غلطی کرے تو اسے تو اس کی غلطی کی وجہ سے مارتا ہوں۔ اور دوسرا کو ساتھ اس لئے مارتا ہوں کہ وہ اس پر ہنسے نہیں۔ جو دوست قادیانی سے گئے تھے انہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف بات ہے۔ حضرت سعی موعود علیہ السلام بھی اسے سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ اس نے عکر کما اچھا پھر تو بت بڑی غلطی ہوئی اب کیا کروں۔ کیا معافی مانگوں؟ انہوں نے کہا ہاں معافی مانگ لو۔ وہ مگر سچے اور بیویوں کو بلا کر کماکہ مجھ سے تو بڑی غلطی ہوتی رہی ہے جو میں تم کو مارتا رہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ تو نگاہ ہے اور حضرت صاحب اس پر بہت ناراض ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے معافی دے دو۔ وہ دل میں خوش ہوئیں کہ آج ہمارے حقوق قائم ہونے لگے ہیں۔ بگوڑ کرنے لگیں۔ کہ تم مارا ہی کیوں کرتے ہو۔ اس نے کماکہ بس غلطی ہو گئی اب معاف کر دو۔ وہ کہنے لگیں کہ نہیں ہم تو معاف نہیں کریں گی۔ اس پر اس نے کماکہ سید میں طرح معافی دیتی ہو یا "لاہو ان چل" یعنی کھال اور بیڑوں۔ وہ سمجھ گئیں کہ بس اب یہ گزگزے ہیں۔ جوست سے کہنے لگیں کہ نہیں ہم تو یوں نہی کہ رہی تھیں۔ آپ کی مارتا رہارے لئے پھولوں کی طرح ہے۔ ہندوستان میں عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے۔ کہے کو اس طرح نہیں مارا جاتا، بیلوں اور جانوروں کو بھی اس طرح نہیں مارا جاتا، جس طرح عورتوں کو مارا جاتا ہے اور عورتوں کے ساتھ ان کے اس سلوک کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عورتوں کی پوزیشن دے دی ہے۔ جب عورت کی عزت نہ کی جائے تو اولاد کے دل میں بھی خاست پیدا ہوتی ہے۔ باپ خواہ سید ہو۔ لیکن اگر اس کی ماں کی عزت نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو انسان کا پچھہ نہیں بلکہ ایک انسان اور جیوان کا پچھہ سمجھتا ہے۔ اور اس طرح وہ بزرد بھی ہو جاتا ہے۔ پس عورتوں کی عزت قائم کرو۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ تمارے پچے اگر گیدڑیں تو وہ شیر ہو جائیں گے۔ **مَنْ شَوَّهَ نِسْوَةً فَبَلَّهَ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ** کے بعد ایمان وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ

(سورۃ البقرۃ آیت ۵)

کا حکم ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے بزرگوں کا جائز ادب اور احترام کرو۔ گویا اس میں

صلح کی تعلیم

دی گئی ہے پھر اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ تبلیغ میں نزی اور سچائی کا طریق اختیار کرو۔ آخری چیز یقین بالآخرت ہے اس کے سخنے دو ہیں۔ ایک تو مرلنے کے بعد زندگی کا یقین ہے۔ بعض دفعہ انسان کو قربانیاں کرنی پڑتی ہیں گراہیاں بالغیب کی طرف اس کا ذہن نہیں جاتا۔ اس وقت اس بات سے ہی اس کی ہمت بند ہتی ہے کہ میری اس قربانی کا نتیجہ اگلے جان میں نکلے گا۔ پھر اس کے یہ سخنے بھی ہیں کہ انسان ایمان رکھ کر خدا تعالیٰ مجھ پر بھی اسی طرح کلام نازل کر سکتا ہے جس طرح اس نے پسلوں پر کیا۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ سے محبت وہی کر سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ میری محبت کا صلہ مجھے ضرور دے سکتا ہے۔ جس کے دل میں یہ ایمان نہ ہو وہ خدا تعالیٰ سے محبت نہیں کر سکتا۔ یہ چھ کام ہیں جو انصار اللہ۔ خدام الاحمد یہ اور بندہ اماء اللہ کے ذمہ ہیں۔ ان کو چاہئے کہ پوری کوشش کر کے جماعت کے اندر ان امور کو راجح کریں تاکہ ان کا ایمان صرف رسمی ایمان نہ رہے۔ بلکہ حقیقی ایمان ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادے اور وہ غرض پوری ہو جس کے لئے میں نے اس تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔

(اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۳۱ء۔ بحوالہ الفضل ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء ص ۲۵۰)

نماز بِاِجْمَاعٍت کے قیام کے سلسلہ میں مجالس انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کی ذمہ داری

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں چھوڑے کی وجہ سے نماز کے لئے تو نہیں آسکتا۔ کیونکہ پیٹ پر چھوڑا ہے اور اس وجہ سے مجھے بینہ کر نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ لیکن جحد کی وجہ سے میں آج آگیا ہوں۔ اور مختصر طور پر جماعت قادریان کو خصوصاً اور پیروی جماعتوں کو عموماً اس امر کی توجہ دلاتا ہوں کہ احمدیت ایک مذہب ہے کوئی سوسائٹی یا انجمن نہیں ہے، جو اپنے لئے چند قانون ہا کر باقی امور میں لوگوں کو آزاد چھوڑ دیتی ہے۔ بلکہ مذہب ہونے کے لحاظ سے اس کی بیانیہ انسان اور خدا کے تعلق پر ہے۔ اگر احمدیت، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے تعلق کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ کامیاب ہے۔ خواہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اور اگر خدا اور اس کے بندوں کا تعلق قائم کرنے میں احمدیت کامیاب نہ ہو، تو خواہ ساری دنیا احمدی کیوں نہ ہو جائے احمدیت کامیاب نہیں کھلا سکتی۔ اور اللہ اور اس کے بندے کے تعلق کی پہلی ثانی بندے کے دل میں عبادت کی تربیت کا پیدا ہونا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تربیت لوگوں کے دلوں میں نہ ہو، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں۔ اور دوسرے معنے اس کے یہ ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کے دل میں بھی ان کی محبت نہیں ہے۔ میں نے متواتر جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ نماز ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ انسان نماز نہ پڑھے، یا اس کو الزرام کے ساتھ او کرنے میں غفلت سے کام لے، تو پھر بھی وہ مسلمان اور احمدی رہ سکتا ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو چھوڑ دینے کی وجہ سے انسان کمزور کلاماتا ہے۔ مگر نماز ایسی چیز ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہیں کھلا سکتا۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے اور پھر نماز نہیں پڑھتا۔ اور نماز نہ پڑھنے کے بھی سب سے نہیں کہ وہ کبھی نماز نہیں پڑھتا، بلکہ سال بھر میں ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے یا دس سال میں وہ ایک

نماز کو بھی ترک کر دیتا ہے، تو وہ کسی صورت میں احمدی نہیں کھلا سکتا۔ اگر اس کو یہ خیال ہو کہ میں نے بیس سال میں صرف ایک نماز چھوڑی ہے، پھر کیا ہو گیا تو وہ ایک وہم میں بھلا ہے۔ اگر وہ بیس سال میں ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے، تو پھر بھی وہ احمدی نہیں کھلا سکتا۔ بلکہ جس وقت کوئی شخص کسی نماز کو چھوڑتا ہے اسی وقت وہ احمدیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور جب تک دوبارہ اس کے دل میں نداہت اور اپنے فعل پر افسوس پیدا نہ ہو، اور جب تک دوبارہ اس کے دل میں دین کی رغبت پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے حضور احمدی نہیں سمجھا جاتا مگر مجھے افسوس کے ساتھ کھنا پڑتا ہے کہ ابھی تک جماعت نے نماز کی اس اہمیت کو نہیں سمجھا۔ چنانچہ میرے پاس شکایتیں پہنچتی رہی ہیں کہ بعض لوگ نمازوں میں مت ہیں۔ اور بعض بالکل ہی نہیں پڑھتے۔ میں اس شخص کو دیکھتے ہوئے خصوصیت سے قادریان کے خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ سے کہتا ہوں کہ نماز کے متعلق ان میں سے ہر شخص اپنے ہمایہ کی اسی طرح جاسوی کرے جس طرح پولیس مجرموں کی جاسوی کا کام کیا کرتی ہے۔ جب تک رات اور دن ہم میں سے ہر شخص اس طرف متوجہ نہ ہو کہ ہمارا ہر فرد خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، پچھہ ہو یا جوان، نماز باقاعدگی کے ساتھ ادا کرے اور کوئی ایک نماز بھی نہ چھوڑے۔ اس وقت تک ہم کبھی بھی اپنے اندر جماعتی روحانیت قائم نہیں کر سکتے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔ مثلاً میں نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ نمازوں کے وقت دو کافیں کھلی نہیں ہونی چاہئیں۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی دو کافیں کھلی بھی رہے اور پھر اس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ وہ نماز با جماعت بھی ادا کرتا ہے۔

بس میں

النصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں

کہ وہ نمازوں کے وقت دو کافیوں کی نگرانی رکھیں۔ اور جس شخص کی دو کافیں کھلی ہو، اس کی دو کافیں پر نشان لگادیں۔ اور اسی دن اس کی میرے پاس رپورٹ کریں۔ اگر نمازوں کے وقت کوئی شخص اپنی دو کافیں کو کھلا رکھتا ہے، تو اس کے سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے کہ اس کے دل میں نماز کا احترام نہیں۔ اس وقت برعکس ایک احمدی کھلانے والے کو اپنی دو کافیں بند کرنی چاہئے۔ اور نماز با جماعت کے لئے مسجد میں جانا چاہئے۔ اگر خطرہ ہو کہ دو کافیں بند

ہو سکیں تو کوئی دشمن نقصان نہ پہنچاوے۔ تو ایسے صورت میں باری باری پھرے مقرر ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ دو کادر اپنی دو کالوں پر ہی بیٹھے رہیں اور نماز کے لئے مسجد میں نہ باشیں۔ پھرہ ایک قوی فرض ہے اور جب کوئی شخص پھرے پر ہو تو وہ اپنے فرض کو ادا کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ نماز کا تارک نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن بغیر اس کے اگر کوئی شخص مسجد میں نہیں جاتا تو وہ نماز کا تارک ہے۔ اور مغلوں اور جگہوں کا تو میں کیا شکوہ کروں؟ میں تو دیکھتا ہوں مسجد مبارک جو اپنی برکات کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ کی مساجد کے بعد تیسرا درجہ پر ہے، اس کے زیر سایہ جو دو کالیں ہیں، ان میں سے بعض بھی نماز کے اوقات میں محلی رہتی ہیں۔ پس آج سے میں

انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کا فرض

مقرر کرتا ہوں کہ قادریان میں اس امرکی نگرانی رکھیں کہ نمازوں کے اوقات میں کوئی دو کان کھلی نہ رہے۔ میں اس کے بعد ان لوگوں کو نہ ہی مجرم سمجھوں گا جو نماز بالجماعت ادا نہیں کریں گے۔ اور انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو قوی مجرم سمجھوں گا کہ انہوں نے نگرانی کا فرض ادا نہیں کیا۔ ہم پر اس شخص کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو سکتی جو بنے نماز ہے۔ اور ایسے شخص کا یہی علاج ہے کہ ہم اس کے احمدیت سے خارج ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ مگر جو تنظیم ہیں وہ بھی مجرم سمجھے جائیں گے اگر انہوں نے لوگوں کو نماز بالجماعت کے لئے آمادہ نہ کیا۔ وہ صرف یہ کہ کریں یہی بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ ہم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا۔ اگر لوگ نماز نہ پڑھیں تو ہم کیا کریں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو طاقت دی ہے اور انہیں ایسے سامان عطا کئے ہیں، جن سے کام لے کر وہ اپنی بات لوگوں سے منا سکتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ لوگ ان کی بات نہ مانیں۔ وہ انہیں نماز بالجماعت کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ مجبور نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے اخراج از جماعت کی روپورث کر سکتے اور مجھے ان کے حالات سے اطلاع دے سکتے ہیں۔ بہر حال کوئی نہ کوئی طریق ہونا چاہئے جس سے ان لوگوں کا پتہ لگ سکے، جو بظاہر ہمارے ساتھ ہیں مگر درحقیقت ہمارے ساتھ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے لوگ ہمارے ساتھ لکھتے چلے جائیں اور اپنی اصلاح بھی نہ کریں۔ اس کے نتیجے میں اور لوگوں پر بھی بر اثر پڑتا ہے اور وہ بھی نمازوں میں سست ہو جاتے ہیں۔

میں آج سے خود اپنے طور پر بھی انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے اس کام کی مگر انی کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں بھی اپنے بچوں اور نوجوانوں اور عورتوں اور مردوں کو نماز بالجماعت کی پابندی کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اگر اس بات میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے، تو وہ ہرگز خدا تعالیٰ کے حضور سرخو نہیں ہو سکتے۔ چاہے وہ کتنے ہی چندے دیں اور چاہے کتنے ہی ریزولوشن پاس کر کے بھجوادیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵۔ جون ۱۹۳۲ء۔ بحوالہ الفضل ۷۔ جون ۱۹۳۲ء)

سلسلہ کی روحانی بقاء ذیلی تنظیموں کے قیام کا ایک مقصد

(اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ)

اس کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سلسلہ کے روحانی بقاء کے لئے میں نے خدام الاحمد یہ،
النصار اللہ اور بند اماء اللہ کی تحریکات جاری کی ہوئی ہیں۔ اور یہ تنیوں نہایت ضروری ہیں۔
عورتوں میں کل جو تقریر میں نے کی ہے، اس میں ان کو فصیحت کی ہے کہ وہ لجفات کی محربنائے
میں مستعدی سے کام لیں۔ اور آج آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ ان
تحریکات کو معمولی نہ سمجھیں۔

اس زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ یہ بہت ضروری ہیں۔ پرانے زمانہ میں اور بات
تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی رینگ سے بڑا روں استاد پیدا ہو
گئے تھے۔ جو خود بخود دوسروں کو دین سیکھاتے تھے اور دوسرے شوق سے سیکھتے تھے۔ مگر اب
حالات ایسے ہیں کہ جب تک دو دو، تین تین آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ فگرانی کا انتظام نہ کیا جائے،
کام نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنی چاہیں کہ دوسرے ان کا اقرار کرنے پر
مجبور ہوں۔ اور پھر تعداد بھی بروحانی چاہئے۔ اگر گلب کا ایک ہی پھول ہو اور دو دو سراپیدا انہ کر
سکے تو اس کی خوبصورتی سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فتح تو آئندہ زمانہ میں ہونی ہے۔ اور
معلوم نہیں کہ ہے۔ لیکن نہیں کہ سے کم اتنا تو اطمینان ہو جانا چاہئے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسی
خوبصورتی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ دنیا احمدیت کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتی۔
احمدیت کو دنیا میں پھیلا دینا ہمارے اختیار کی بات نہیں لیکن ہم اپنی زندگیوں کا نقشہ ایسا
خوبصورت بنائتے ہیں کہ دنیا کے لوگ بظاہر اس کا اقرار کریں یا نہ کریں، مگر ان کے دل احمدیت
کی خوبی کے مترف ہو جائیں۔ اور اس کے لئے جماعت کے سب طبقات کی تنظیم نہایت

ضروری ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ احباب جماعت نے تا حال انصار اللہ کی تنظیم میں وہ کوشش نہیں کی جو کرنی چاہئے تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھائی گئی ہے کہ اس کا بھی کوئی دفتر وغیرہ بھی نہیں۔ مگر دفتر قائم کرنا کس کا کام تھا۔ بے شک اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ مگر سرمایہ میا کرنے سے انہیں کس نے روکا تھا۔ شاید وہ کہیں کہ خدام الاحمدیہ کو تحریک جدید سے مدد دی گئی ہے۔ مگر ان کی مدد سے ہم نے کب انفار کیا۔ ان کو بھی چاہئے تھا کہ دفتر بناتے اور چندہ جمع کرتے۔ اب بھی انہیں چاہئے کہ دفتر بنائیں، کلرک وغیرہ رکھیں، خط و کتابت کریں، ساری جماعتوں میں تحریک کر کے انصار اللہ کی جامس قائم کریں۔ اور چالیس سال سے زیادہ عمر کے سب دوستوں کی تنظیم کریں۔ ملاقات کے وقت عمدیدار آگے بیٹھا کریں۔ میں یہی شے یہ کہتا رہا ہوں کہ ملاقات کے وقت پر یہ ڈینٹ اور سیکرٹری آگے بیٹھا کریں، اور بتائیں کہ یہ فلاں صاحب ہیں اور یہ فلاں۔ تا مجھے جماعت کے لوگوں سے واقفیت ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ سیکرٹری اور دوسرے عمدیدار ٹھیک طور پر کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ پہلے اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اور یہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ عمدیداروں کا کام تسلی بخش رہا ہے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے اس میں نقص واقع ہونے لگا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پود کو کام کے لئے تیار نہیں کیا جاسکا۔ پر یہ ڈینٹ کا پوچھو تو کہا جاتا ہے کہ وہ بیمار ہے گھر پر ہے۔ سیکرٹری کماں ہے، وہ بھی نہیں آیا۔ حالانکہ چاہئے یہ کہ اگر پر یہ ڈینٹ بیمار ہے، اور اسے علیحدہ بھی کرنا مناسب نہیں سمجھتے تو بے شک علیحدہ نہ کرو مگر ایک نائب بنا دو۔ سیکرٹری کو بے شک نہ ہٹاؤ مگر ایک نائب سیکرٹری بنا دو۔ تا اس کی وفات تک دوسرا آدمی تیار ہو سکے۔ اور پرانوں کی جگہ لینے والے نے آدمی تیار ہوتے رہیں۔ درنہ کام کو سخت نقصان پہنچے گا۔ پرانے آدمیوں کے فوت ہو جانے پر اگر کوئی کام سنبھالنے والے نہ ہوں تو سخت نقصان کی بات ہے۔ ایک جماعت کے دوست مجھے سے ملنے آئے اور مصافح کرنے کے بعد چھینی مار کر رونے لگے کہ ہمارے ہاں پہلے جماعت کے تیس چالیس افراد تھے مگر اب صرف تین چار رہ گئے ہیں۔

ان تحریکیوں سے میرا مقصد یہ بھی ہے کہ ہر جماعت میں ذمہ داری کو سنبھالنے والے تین تین، چار چار کارکن موجود رہیں۔ خدام الاحمدیہ کے سیکرٹری کو کام کی زینگ علیحدہ ملتی رہے، اور انصار اللہ کے سیکرٹری کو علیحدہ، اور جماں کہیں کوئی پرانا کارکن فوت ہو جائے اس کی جگہ لینے والا موجود ہو۔ رقبابت بھی بعض اوقات یہاں خدام الاحمدیہ کا

جلسہ ہوا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ انصار نے کماکہ ہمیں بھی اپنا جلسہ کرنا چاہئے۔ بے شک اگر وہ بھی کرنے لگیں تو یہ بست فائدہ کی بات ہے۔ ہم نے جو مدد خدام کی، کی ہے ان کی بھی کر سکتے ہیں۔ پھر وہ خود بھی چندہ لے سکتے ہیں۔ بہر حال انہیں بھی تنظیم کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ میرا مقصودیہ ہے کہ جماعت کے اطفال اور انصار سب کی تربیت کا انتظام ہو سکے۔ ۱۲ سال سے کم عمر کے پچے اطفال کی مجالس میں شامل ہوں۔ ۱۲ سال تک کے خدام میں اور اس سے اوپر عمر کے انصار اللہ میں۔ تاکہ سب کی صحیح تربیت ہو سکے۔

(اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ ۷۲۔ دسمبر ۱۹۳۲ء۔ بحوالہ الفضل کیم ہارج ۱۹۳۵ء ص ۲)

کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے جماعت کی ترقی ذیلی تنظیموں کی تحریکات کا مقصد

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- کسی جماعت کی ترقی کے لئے دو قسم کی ترقیات ضروری ہوتی ہیں۔ ایک تو اس کی کمیت کی ترقی یعنی ایک سوال اس کی تعداد بڑھانے کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی اچھی سے اچھی قوم کی تعداد نہ بڑھے تو اس کی برکات اور فوائد سے دنیا فائدہ نہیں اٹھ سکتی۔ دوسری ترقی کیفیت کی ترقی ہوتی ہے۔ تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو اگر اس قوم کی حالت اچھی نہ ہو، تو اس کا برصغیر بھی خرابی ہی کا موجب ہوتا ہے دنیا کے لئے آرام اور فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ خالی پڑی ہوئی زمینوں میں بعض اوقات آک آگ آتے ہیں۔ اور ان کے پیچے چلتے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر وہ ایک کھنی ہے جو بڑھتی ہے۔ مگر اس کا اتنا بھاری نقصان ہوتا ہے کہ وہ ملک جس میں آک پیدا ہو جائیں بعض اوقات صدیوں تک قحط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آک کو مار دینا اور اس کی جزوں کو زمین میں سے نکال دینا آسان کام نہیں ہوتا۔ پس بظاہر گویا ایک زیادتی ہوتی ہے۔ مگر فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ایک کی ہے۔ انسانی جسم کتنا قائم سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کسی کے جسم میں پانچ کے بجائے چھ الگیاں پیدا ہو جائیں تو وہ خوش نہیں ہوتا۔ کہ میری چھ الگیاں ہیں بلکہ اسے ایک عیب سمجھتا اور اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کسی کے ماتھے پر بیانے پر بیانیت پر بیانوں پر بیانوں پر بیانوں پر رسولی نکل آئے تو وہ اس پر خوش نہیں ہوتا کہ میرے گوشت میں زیادتی ہو گئی۔ بلکہ اسے نکلوانے پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ زائد گوشت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ اسی طرح جب کسی کی پڑیوں میں خم پیدا ہو جائے، وہ بڑھ جائیں اور انسان کبڑا ہو جائے، تو وہ اس پر خوش نہیں ہوتا کہ میرا جنم بڑھ گیا۔ بلکہ پڑیوں کے خم اور ان کی زیادتی کو دور کرنا چاہتا ہے۔ تو بوجھنا ہر حالت میں اچھا نہیں ہوتا۔ اسی وقت برصغیر اچھا ہوتا ہے جب بڑھتی انسان کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید ہو رہی ہو۔ اگر وہ بڑھتی اس کے لئے اور اس کے ہم جنوں کے لئے مفید نہیں تو وہ خود بھی اور اس کے ہم

جس بھی یہی کوشش کریں گے کہ اسے روک دیں۔

جن جماعتوں کی زیادتی دنیا کے لئے مفید ہو اللہ تعالیٰ بھی ان کی بڑھوتی پر خوش ہوتا ہے۔ اور بنی نوع انسان بھی ان کے بودھنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے جس وقت رومی حکومت کے ساتھ مقابلہ کیا اور بودھتے برٹھتے یہو علم پر، جو عیسائیوں کی نہ ہبی جگہ ہے، قابض ہو گئے۔ اور پھر اس سے بھی آگے بڑھنا شروع ہوئے تو عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کا نہ ہبی مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہے، ان کو وہاں سے نکالنے کے لئے آخری جدو جمد کا ارادہ کیا۔ اور چاروں طرف نہ ہبی جہاد کا اعلان کر کے عیسائیوں میں ایک جوش پیدا کر دیا گیا۔ اور بڑی بھارتی نوجیں جمع کر کے اسلامی لشکر پر حملہ کی تیاری کی۔ ان کے اس شدید حملہ کو دیکھ کر مسلمانوں نے جوانان کے مقابلہ میں نمایت قلیل تعداد میں تھے۔ عارضی طور پر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا اور اسلامی پر سالار نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن اتنی کثیر تعداد میں ہے۔ اور ہماری تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا اسلامی لشکر کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آپ اگر اجازت دیں تو جنگی صفت بندی کو سیدھا کرنے اور مجاز جنگ کو چھوٹا کرنے کے لئے اسلامی لشکر پیچھے ہٹ جائے تمام جمیعت کو سمجھا کر کے مقابلہ کیا جاسکے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ہم نے ان علاقوں سے جو فتح کر رکھے ہیں لوگوں سے نیکی بھی وصول کیا ہوا ہے۔ اگر آپ ان علاقوں کو چھوڑنے کی اجازت دیں تو یہ تائیں کہ اس نیکی کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مجاز کو چھوٹا کرنے اور اسلامی طاقت کو سمجھا کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ نیکی یہ یاد رکھو کہ ان علاقوں کے لوگوں سے نیکی اس شرط پر وصول کیا گیا تھا کہ اسلامی لشکر ان کی حفاظت کرے گا۔ اور جب اسلامی لشکر پیچھے ہٹے گا تو اس کے یہ سمنے ہوں گے کہ وہ ان علاقوں کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس سے جو کچھ وصول کیا گیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ جب حضرت عمرؓ کا یہ حکم پہنچا تو اسلامی پر سالار نے ان علاقوں کے زمینداروں اور تاجریوں اور دوسرے لوگوں کو بلا بلا کر ان سے وصول کردہ رقم واپس کر دیں۔ اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں سے یہ رقم اس شرط پر وصول کی گئی تھیں کہ اسلامی لشکر آپ لوگوں کی حفاظت کرے گا۔ مگر اب کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے عارضی طور پر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اور اس وجہ سے آپ لوگوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ان رقم کو اپنے پاس رکھنا درست نہیں۔ یہ ایسا نمونہ تھا کہ جو دنیا کی تاریخ میں

اور کسی بادشاہت نے نہیں دکھایا۔ بادشاہ جب کسی علاقہ سے ہٹتے ہیں تو بجائے وصول کردہ نگیں وغیرہ واپس کرنے کے، ان علاقوں کو اور بھی لوٹتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب تو یہ علاقے درسرے کے ہاتھ میں جانے والے ہیں، ہم یہاں سے ہتنا زیادہ فائدہ اخھا سکتے ہیں اخلاص۔ پھر چونکہ انہوں نے وہاں رہنا نہیں ہوتا اس لئے بدنامی کا بھی کوئی خوف ان کو نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی منتظم حکومت ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتی ہے کہ خاصو شی سے فوجوں کو پہچھے ہٹالیتی ہے اور زیادہ لوث مار نہیں کرنے دیتی۔ لیکن اس اسلامی لشکر نے جو نمونہ دکھایا، جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے صرف حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی نظر آتا ہے۔ بلکہ افسوس ہے کہ بعد کے زمانہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو اس کی کوئی اور مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے کوئی علاقہ چھوڑا ہو تو اس علاقے کے لوگوں سے وصول کردہ نگیں اور جزیئے اور مالیے واپس کر دیئے ہوں۔ اس کا عیسائیوں پر اتنا اثر ہوا کہ باوجود یہ کہ ان کی ہم مذہب فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں۔ حملہ آور ان کی اپنی قوم کے جرنیلوں، کرنیلوں اور افریزوں پر مشتمل تھے اور سپاہی ان کے بھائی بند تھے، اور باوجود اس کے کہ اس جنگ کو عیسائیوں کے لئے مذہبی جنگ ہنا دیا گیا تھا، اور باوجود اس کے کہ عیسائیوں کا مذہبی مرکز جوان کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا، اب اس کی آزادی کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ عیسائی مرد اور عورتیں گھروں سے باہر نکل نکل کر روتے اور دعا میں کرتے تھے کہ مسلمان پھر واپس آئیں۔ یہ وہ حکومت تھی جس کے لئے لوگوں کے دلوں سے دعا میں نکلتی تھیں۔ اور آسمان کے فرشتوں نے بھی کہا کہ ان لوگوں کو بھی حکومت کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ یہ حکومت تو صرف تیس سال تک ہی رہی، جو اسلامی اصول کے مطابق قائم تھی مگر اس کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ بڑے بڑے ظالم بادشاہوں نے بھی اس کی جڑیں اکھیر نے کام ایک ہزار سال میں کیا۔ اور اس نے طویل عرصہ کے بعد اس کا خاتمہ کر سکے۔ دنیا میں بہت کم کسی قوم نے اتنی بھی حکومت کی ہے جتنی مسلمانوں نے کی۔ عیسائی حکومتوں کا ذرور اخبار ہویں صدی کے آخر میں شروع ہوا ہے۔ مگر ابھی ان پر ڈیڑھ، پونے دو سو سال کا عرصہ ہی گذر رہے کہ وہ لاکھھارہ رہی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے قریباً ایک ہزار سال تک نمایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اور یہ اڑا کی تین سالہ اسلامی حکومت کا تھا۔ بعد میں گو مسلمانوں میں بھی بعض ظالم اور جابر بادشاہ ہوئے مگر نیکی کی جڑیں قائم رہیں۔ اور ان سے نیک پودے بھی پیدا ہوتے رہے۔ جس طرح بعض درخت گوکٹ جاتے ہیں

مگر ان کی جڑوں سے نئی روشنی دیگی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اسی روشنی دیگی میں سے صدیوں بعد ایک بادشاہ پیدا ہوا جس کا ذکر عیسائی مسیح گبن نے کیا ہے۔ وہ عیسائی مورخوں میں سے نبیتاً کم متعقب مسیح ہے اور عیسائیت کا بڑا مسیح مانا جاتا ہے اس نے روی حکومت کی ترقی اور تنزل پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ ایک اسلامی بادشاہ ملک ارسلان کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ ۱۸۱۹ء سال عمر کا ایک نوجوان شہزادہ تھا، جب اس کا باپ فوت ہوا۔ وہ ولی عہد تھا مگر چھوٹی عمر کا تھا۔ اس نے کئی لوگوں نے بغاوت کر کے ملک کو تقسیم کرنا چاہا۔ اس کا پچاہی صاحب اثر درسخ تھا۔ اس نے الگ بادشاہی کا دعویٰ کر دیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ایک اس کا سوتیلا بھائی تھا جس کے ماموں بہت طاقتور تھے۔ وہ اسے بادشاہ بنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے اس بھائیجے کے نام پر بغاوت کر دی۔ ادھر سے اس نے بھی کچھ فوجیں جمع کیں۔ گویا تین فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر تھیں۔ جس دن جنگ ہونے والی تھی اس نوجوان کے وزیر نے جوشیعہ تھا۔ اور جن کا نام نظام الدین طوسی تھا اس سے کہا کہ آپ کے پچاہی طاقت بہت بڑی ہے اور آپ کے بھائی کے ماموں بھی بہت طاقتور ہیں اور انہوں نے بھی بڑی فوج جمع کر لی ہے اور وقت ایسا نا زک ہے کہ ظاہری مدعا بر سب بیع نظر آتی ہیں۔ اس وقت علاوہ فوجی طاقت کے آسمان کی مدد بھی آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس نے آپ میرے ساتھ حضرت موسیٰ رضا کی قبر پر چل کر دعا کر لیں کہ ان کے طفیل اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔ اس کی غرض اس سے یہ تھی کہ اس کے دل پر شیعیت کا اثر ڈالوں۔ گبن کہتا ہے کہ مسلمان بے شک کافر ہیں اور بڑی وحشی قوم ہے۔ مگر اس واقعہ کو دیکھ کر شرم کے مارے میرا سر زد امت کے ساتھ جنگ جاتا ہے کہ جو عدل و انصاف کا نمونہ اس قوم سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان نے دکھایا۔ ہماری قوم کے کسی بوڑھے بادشاہ کی زندگی میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کا وزیر اسے موسیٰ رضا کی قبر پر لے گیا اور وہ رونوں وہاں جا کر خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگی شروع کی۔ رونوں نے اپنے اپنے رنگ میں دعا کی۔ اور دعا کے بعد جب کھڑے ہوئے اور آنسو پوچھئے تو اس نوجوان شہزادہ نے وزیر سے سوال کیا کہ تم نے کیا دعا مانگی۔ اس نے کہا کہ میں نے یہ دعا مانگی ہے کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ یہ شہزادہ تاج و تخت کا حقدار ہے۔ ولی عہد ہے۔ اس کا باپ مر گیا ہے اور لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ تو اس بزرگ کے طفیل اس پر رحم کر۔ یہ سن کر اس نوجوان

شزادہ نے کماکر میں نے تو یہ دعا نہیں مانگی۔ وزیر نے عرض کیا کہ پھر آپ نے کیا دعا مانگی ہے۔ اس نے کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ اے خدا مجھے معلوم نہیں کل کوئی ملک وطن کے لئے کیا ثابت ہوں۔ ممکن ہے ظالم ثابت ہوں اور ممکن ہے میری ذات سے ملک کو اور اسلام کو کوئی فائدہ کوئی صدمہ پہنچے اور ممکن ہے میرے چچا یا بھائی کے ہاتھوں سے ملک کو اور اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے۔ اس نے کل کی جنگ میں تو اسے فتح دیجیو جس کے ہاتھ سے ملک اور اسلام کو فائدہ پہنچے والا ہو۔ یہ لوگ تھے جن کو اس تینی سالہ دور عدل و انصاف کی جڑوں سے پھوٹنے والی ختنی کو نپلیں کہا جاسکتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو اتنی لمبی حکومت کامو قعہ ملا۔

آج اسلام کی ترقی کے لئے ہم جتنی

کیفیت میں ترقی

کریں گے۔ تقویٰ، نیکی، دیانتداری، راستبازی اور عدل و انصاف میں ترقی کریں گے۔ اتنی ہی دنیا کی دعا کیں ہمارے حق میں بڑھتی جائیں گی۔ اور خدا تعالیٰ کے عرش سے فضل کو ہمارے لئے کھینچیں گی۔ لیکن اگر یہ دعا کیں ہمارے لئے نہ ہوں گی۔ تو نہ زمین سے ہماری ترقی کے سامان ہوں گے نہ آسمان سے۔ دوسری طرف

کمیت میں ترقی

بھی ضروری ہے۔ اگر ہم تعداد میں ترقی نہ کریں۔ تو بھی دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آخر پرست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے عظیم الشان انسان تھے۔ لیکن اگر آپ غار حرام میں ہی ساری عمر دعا کیں کرتے کرتے فوت ہو جاتے تو آپ کی جڑوں سے ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور علود، زیر، جیسے لوگ کبھی نہ پیدا ہو سکتے۔ اور اس صورت میں دنیا آپ کی برکات سے کس طرح حص لے سکتی۔ آپ کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ مگر آپ کی مثال ایک بڑی تھی اور اس بڑی کے خوبصور ار پھول ابو بکر، عمر، عثمان اور علی وغیرہ تھے۔ اگر اس بڑی سے یہ خوبصور ار پھول پیدا نہ ہوتے تو دنیا اس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکتی۔ آم کتنا اچھا بچل ہے لیکن اگر دنیا میں ایک ہم ہوتا تو دنیا اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتی۔ ملک اور عرب وغیرہ کتنی مفید چیزیں ہیں لیکن اگر دنیا میں ایک دو ہرجن ہی ایسے ہوتے جن سے ملک حاصل ہو سکتا۔ یا ایک دو چھلکیاں ہوں جن سے غیر حاصل ہوتا تو سوائے ایک دو بڑے بڑے بادشاہوں کے کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھا

سکتا۔ جب تک کوئی مفید اور اچھی چیز عام لوگوں کو میرنے آئے اس کی اچھائی کسی کام کی نہیں۔ گندم چاول اور گوشت کتنی اچھی چیزیں ہیں، لیکن اگر دنیا میں صرف دو چار بکرے ہوتے، اگر دو چار من ہی گندم یا چاول دنیا میں ہوتے تو لوگ ان سے کیا فائدہ اٹھاتے۔ ان کی کثرت ہی ان کی خوبیوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر کثرت نہ ہوتی تو خوبی اندر ہی اندر مرجاتی۔ اسی طرح جب تک کسی جماعت کی تعداد نہیں بڑھتی۔ وہ دنیا کو نفع نہیں پہنچاسکتی۔

دنیا کو نفع پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ تعداد بڑھے۔ قرآن کریم نے کلمہ کی مثال اس درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں ہوں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں اور لوگ اس کے سایہ میں آرام کر سکیں۔ کیفیت کی مضبوطی جز پر دلالت کرتی ہے اور صرف جز کی مضبوطی کافی نہیں۔ عمدہ سے عمدہ درخت کا اوپر کا جھاڑ اگر کاٹ دیا جائے تو دنیا اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اسی طرح کسی عمدہ سے عمدہ درخت کی جڑ اگر مضبوط نہ ہو تو وہ بھی دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتا۔ یہ دونوں چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ پس ایک طرف ہماری جماعت کو نیکی تقویٰ، عبادت گزاری، ریاست، راستی اور عدل و انصاف میں ایسی

ترقی کرنی چاہئے

کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی اس کا اعتراف کریں۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور بنی امام اللہ کی تحریکات جاری کی ہیں۔ گوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کمال تک کامیابی ہو گی۔ بہر حال یہی ایک ذریعہ مجھے نظر آیا جو میں نے اختیار کیا۔ اور ان سب کا یہ کام ہے کہ نہ صرف اپنی ذات میں نیکی قائم کریں بلکہ دوسروں میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور جب تک حقی طور پر جزو ظلم، تعدی، بد دیانتی، جھوٹ و غیرہ کو نہ منادیا جائے اور جب تک ہر امیر غریب اور چھوٹا بڑا اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرے کہ اس کا کام صرف یہی نہیں کہ خود عدل و انصاف قائم کرے بلکہ یہ بھی کہ دوسروں سے بھی کرائے، خواہ وہ افسوسی کیوں نہ ہو، ہماری جماعت اپنوں اور دوسروں کے سامنے کوئی اچھا نمونہ قائم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر جماعت تعداد کے لحاظ سے بھی ترقی نہ کرے تو دنیا فوائد حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ بادل ہو صرف ایک گاؤں پر برس جائے اتنا مفید نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

بادل قادریان یا زیادہ سے زیادہ چند بستیوں پر برس جائے اور چند کھیت ہی اس سے فائدہ اٹھائیں تو یہ امریاد رکھے جانے کے قابل نہیں ہو گا۔ لیکن اگر وہ دنیا کے ہر کھیت کو سیراب کرے اور ہر فرد کو تازگی بخشنے تو یہ ایک تاریخ میں یاد رکھے جانے کے قابل بات ہو گی۔ اور دنیا ہمارے نام کو عزت اور احترام سے یاد رکھے گی۔ پس ہمارا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اس بیان کو جو حضرت سعیج موعود علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔

مجھے افسوس ہے کہ ہمارا محقق تبلیغ بھی اس کام کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھتا۔ اس کا ذرور اتنا ہی ہے جتنا تین چار گاؤں کی پہنچائیت کا ہوتا ہے۔ نہ محقق تبلیغ میں وہ جوش ہے نہ مبلغوں میں اور نہ جماعتوں میں۔ ابھی چند لوگوں کو جماعت میں داخل کر کے ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ میں نے الفضل میں پڑھا کہ پیغامیوں کے ساتھ سارے سال میں صرف دو سو اشخاص شامل ہوئے ہیں اور ہماری جماعت میں دو ہزار۔ مگر کیا کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ سال میں دو ہزار کے معنی ہیں ایک صدی میں دو لاکھ، ایک سو صدی میں یعنی دس ہزار سال میں دو کروڑ۔ اور یہ بھی کوئی تعداد ہے۔ ہمارے لئے سال میں دو تین بلکہ چار ہزار احمدی ہنانا تو افسوس کی بات ہونی چاہئے۔ جب تک جماعت کے ہر فرد کے اندر یہ آگ نہ ہو کہ اس نے ہر ایک اپنے قریب بلکہ بعید کے شخص کو بھی جماعت میں داخل کرنا ہے۔ اور جب تک لوگ افواج در افواج احمدیت میں داخل نہ ہوں، ہماری حدیثت محفوظ نہیں ہو سکتی اور ذمہ داری ختم نہیں ہو سکتی۔ پس میں ان دونوں امور کی طرف پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ ہر ضلع میں ہمارے جلسے ہونے چاہئیں۔ متواتر انفرادی تبلیغ بھی نہایت ضروری ہے۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جلوسوں کے بغیر وہ جوش جماعت میں پیدا نہیں ہوتا جو انفرادی تبلیغ کے لئے ضروری ہے۔ پس کوشش کی جائے کہ کم سے کم ہر سال ہر تحصیل میں ہمارا جلسہ ضرور ہو۔ پھر اس کے ساتھ انفرادی تبلیغ کو بھی منظم کیا جائے۔ خصوصیت سے اضلاع گورا اسپور، سیالکوٹ، اور سکریات میں۔ ان تینوں اضلاع کی طرف خصوصیت سے توجہ کی جائے۔ گورا اسپور کے ضلع میں احمدیت کا مرکز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعیج موعود علیہ السلام کو قادریان میں پیدا کیا۔ سکریات کا ضلع سب سے پہلے احمدیت میں آگے بڑھا۔ ایک وقت تھا جب سکریات کے احمدی سب سے زیادہ تھے۔ اور سیالکوٹ حضرت سعیج موعود علیہ السلام کا دوسرا اعلیٰ ہے۔ ان اضلاع کی آبادی کثرت سے اضلاع سرگودھا، ملتگیری، لاکل پور اور ملتان کے اضلاع میں جا کر آباد ہوئی ہے۔ اس لئے ان اضلاع کی طرف بھی زیادہ

توجہ کرنی چاہئے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ سالوں پر سال گزرتے چلے جاتے ہیں اور ان میں نہ کوئی جلسہ ہوتا ہے اور نہ تبلیغ، جو نہایت افسوسناک بات ہے۔

پس چاہئے کہ دوست سنتی اور غلطت کو دور کریں۔ تین چار ماہ کے اندر اندر ہر تحصیل یا اپنے علاقہ کے مرکزاً احمدیت میں جلسہ کر کے غور کیا جائے کہ کس طرح اور کس ذرائع سے اس علاقہ میں تبلیغ کو وسیع کیا جاسکتا ہے۔ اگر دوست اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ تو ایک ہی سال میں ہر جگہ بیس، تیس، چالیس لوگ آسانی سے جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور صرف پنجاب میں ہی چند ماہ میں نہیں، تیس ہزار احمدی ہو جاتے ہیں۔ گویہ بھی بہت تھوڑی تعداد ہے۔ لیکن اگر یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو جوں جوں جماعت بڑھتی جائے گی، ترقی کی یہ رفتار بھی بڑھتی جائے گی۔ اور انگلی طاقت پھیلی سے زیادہ ہو گی۔ پس دوست اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور کوشش کریں کہ کم سے کم جن اضلاع میں زیادہ جماعتیں ہیں، (ایسے اضلاع پنجاب میں ۱۶-۱۷ ہوں گے) ان کی ہر تحصیل یا اس علاقہ کے مرکزاً احمدیت میں جلسہ کیا جائے۔ اور ایسی سیکھی بنائی جائے کہ ہر جماعت تبلیغ میں حصہ لے سکے۔ اور ایسی تدابیر لوگوں کو بنائی جائیں۔ کہ وہ کس طرح اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کر سکتے ہیں۔ میں تحریک جدید کے نوجوانوں کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہ اگرچہ خود تو فارغ نہیں ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مگر اس خیال کو دوسروں میں زندہ رکھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وطن میں خط و کتابت کے ذریعہ دوستوں اور رشتہ داروں کو تحریک کر سکتے ہیں کہ جلسے منعقد کریں اور تبلیغ میں پورے جوش سے حصہ لیں۔ خدام الاحمدیہ، مبلغوں پر اور تبلیغ کے دفتر اس کام کے لئے زور دے سکتے ہیں۔ اور نوجوانوں کے اندر یہ روح پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ بیداری کی زندگی اختیار کریں۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو اس کام کے لئے رستہ تیار کرنے والے ہوں گے جس پر وہ آئندہ زندگی میں چلنے والے ہیں۔

(خطبہ بعد فرمودہ ۵۔ جنوری ۱۹۳۳ء۔ بحوالہ الفضل ۲۱۔ فروری ۱۹۳۵ء)

جماعت احمدیہ میں خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کے قیام کی ضرورت اور اہمیت

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے کام کو چلانے کے لئے
دو قوتیں

پیدا کی ہیں۔ اور ان دو قوتیں کے پیدا کرنے کا سبب یہی ہے کہ ایک قوت دوسری قوت کی گمراہ
ہوتی ہے۔ جب ایک میں کوئی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، خواہ جان کریا نہ جانتے ہوئے تو دوسری
طاقت اپنے آپ کو نمایاں کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ان دو قوتیں میں سے
ایک قوت تقدیر کی ہے۔ اور ایک قوت تدبیر

کی ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل نہ جانتے ہوئے نہیں ہوتا۔ اس لئے تقدیر خاص تو جب بھی دنیا
سے اپنا پرتو ہٹائی ہے، کسی مصلحت کے تحت ہٹاتی ہے۔ لیکن تدبیر کبھی جانتے ہوئے ہٹ جاتی
ہے اور کبھی نہ جانتے ہوئے ہٹ جاتی ہے۔ اور اس طرح دنیا کا کام صحیح طور پر چلتا چلا جاتا ہے۔
کبھی دنیا پر ایسا زمانہ آتا ہے کہ لوگ تدبیر کو رو حاصلیت کی ترقی اور اس کی درستی کے لئے بالکل
چھوڑ دیتے ہیں۔ ٹھاڑو حاصلیت کی درستی کے لئے نماز کی ضرورت ہے۔ مگر لوگ یا تو بستی کم
نمازیں پڑھتے ہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی ریا اور ظاہرداری کے لئے پڑھتے ہیں، خدا تعالیٰ کی
رضاء کے حصول اور اس کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے نمازیں نہیں پڑھتے۔ رو حاصلیت کی
درستی کے لئے روزوں کی ضرورت ہے مگر لوگ یا تو روزے رکھنے میں سست ہو جاتے ہیں، یا
دکھادے کے لئے روزے رکھتے ہیں، یا روزے تو رکھتے ہیں مگر ان کے روزے صرف بھوک اور
پیاس کی تکلیف ہی کملائکتے ہیں۔ اس سے زیادہ روزوں کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ
روزہ رکھنے کے باوجود وہ جھوٹ بول لیتے ہیں، وہ لا ولی جھگڑوں میں حصہ لیتے ہیں، وہ ایک
دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، وہ فساد کرتے ہیں، وہ غیبت میں حصہ لیتے ہیں، اور اس لئے نہیں

کما جا سکتا کہ ان کا روزہ، روزہ ہے۔ وہ باوجود روزہ رکھنے کے خدا تعالیٰ کے حضور روزہ دار نہیں ہوتے۔ اور یا پھر لوگ روزہ رکھتے ہی نہیں۔

زکوٰۃ انسان کے نفس کی پاکیزگی اور اس کے قلب کے تزکیہ کے لئے ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ مگر ایک زمانہ ایسا آ جاتا ہے جب کہ لوگ یا تو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں۔ اور اگر دیتے ہیں تو اسے اپنے دینوی مقاصد کو پورا کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو ان کی شیکی سے محروم رکھتی ہیں۔ یعنی یا تو وہ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے ماں کو زکوٰۃ دینے کے بغیر حرام ماں بنالیتے ہیں۔ اور یا اگر دیتے ہیں تو اس زکوٰۃ کو ایسی طرز پر تقسیم کرتے ہیں جس میں ان کی نفسانی خواہشات کا در خل ہوتا ہے۔ مثلاً کسی سکول کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی تو ہزار دو ہزار روپیہ دے دیا۔ اس پر لوگ بڑے جوش سے اعلان کرتے ہیں کہ فلاں سکول کے لئے فلاں تاجر صاحب نے دو ہزار روپیہ چندہ دیا۔ حالانکہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ ہوتا ہے۔ اور ان کا کوئی حق ہی نہیں ہو سکے وہ اسے اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرنا کا ذریعہ بنا سکیں۔ وہ غرباء کا مال ہوتا ہے اور غرباء کی طرف ہی لوٹائے جانے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ سماں کو پاکیزگی حاصل ہو اور ان کا نفس تزکیہ حاصل کرے۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ماں یا اپنے قلب کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا سکیں، وہ اسے اپنی عزت بروحتے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ یا زکوٰۃ کا مال تو الگ کر لیتے ہیں، مگر ان کے دل میں یہ ارادہ مخفی ہوتا ہے کہ کبھی ڈپٹی کمشٹ سے ملے اور اس نے چندہ کی تحریک کی، تو اس موقع پر اس روپیہ میں سے ایک خاص رقم دے دیں گے۔ اور اس طرح عزت اور شہرت میں اضافہ ہو گا۔ حالانکہ زکوٰۃ غرباء کے لئے ہوتی ہے، اس نے نہیں ہوتی کہ اس روپیہ کو انسان اپنی ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرے۔ مگر انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ڈپٹی کمشٹ تحریک کرتا ہے اور وہ چندہ میں ایک بہت بڑی رقم دینے کے بعد اس سے یہ درخواست کر دیتے ہیں۔ کہ حضور ہماری "خان صاحب" یا "خان بہادر" کے خطاب کے لئے یا فلاں شہید کے لئے سفارش کر دی جائے۔ ہم نے گورنمنٹ کی اس قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ حالانکہ وہ روپیہ جس کی بناء پر گورنمنٹ کی خدمت کا انہیں دعویٰ ہوتا ہے ان کا ہوتا ہی نہیں، غربا کا روپیہ ہوتا ہے۔ اور یا پھر اس روپیہ کو وہ پہلک میں اپنی عزت بروحتے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں کوئی انہم اسلامیہ ہوئی اور اس کے پر یہ نہیں یا سیکرٹری یا مریب بننے کا سوال زیر غور ہوا، زکوٰۃ کے روپیہ میں سے دو ہزار روپیہ اس انہم اسلامیہ کو دے دیا۔ اور پھر موچھوں پر تاؤ

دینے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں اسلام کی خدمت کا کس قدر احساس ہے، ہم نے اپنے دن رات کی محنت سے کلایا ہوا روپیہ الجمن کے پرود کر دیا۔ حالانکہ مقصده یہ ہوتا ہے کہ پیلک میں ان کی عزت بڑھے اور لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ فلاں میر صاحب یا فلاں مرزا صاحب یا فلاں چودھری صاحب نے دو ہزار روپیہ الجمن اسلامیہ کو دے دیا۔ حالانکہ وہ روپیہ اس میریا مرزا یا چودھری کا تھا ہی نہیں۔ وہ تو بہر حال اس نے دینا ہی تھا اور دینا بھی غریاء کو تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ اس مقام پر خرچ کیا جاتا جس مقام پر خرچ کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، وہ اس روپیہ کو دنیوی وجہت اور اعزاز حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور یا پھر دینے ہی نہیں۔ اور یا اس قسم کی نگرانی کرتے ہیں جو نمائیت ہی قابل شرم ہوتی ہیں۔

حضرت خلیفہ امیٰ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک سینہو صاحب تھے۔ میں ان کے متعلق یہ سمجھا کرتا تھا کہ وہ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ مگر مجھے لوگوں نے بتایا کہ وہ زکوٰۃ کماں دینتا ہے وہ تو دھوکا بازی کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ جب زکوٰۃ دینے کا وقت آتا ہے تو وہ زکوٰۃ کا تمام روپیہ ایک گھرے میں بھر دیتا ہے۔ مثلاً دو ہزار یا تین ہزار یا چار ہزار زکوٰۃ کا روپیہ ہوا۔ تو وہ سب روپیہ ایک گھرے میں بھر دیا اور اس کے اوپر دانتے ڈال دئے۔ اس کے بعد وہ کسی غریب طالب علم کو بلا تا، اسے نہایت اچھا کھانا کھلاتا، اور جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا تو اسے کہتا کہ اس گھرے میں جو کچھ ہے یہ میں نے آپ کی ملکیت میں دے دیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہتا۔ آپ یہ گھر اٹھا کر کماں لے جائیں گے اسے واپس میرے پاس ہی فروخت کر دیجئے۔ فرمائیے آپ اس کی کیا قیمت لیں گے۔ طالب علم بھی اپنے ذہن میں اندازہ لگایتا کہ کتنی قیمت مانگوں گا تو مل جائے گی۔ اور کتنی قیمت مانگوں گا تو مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے گا۔ اسے علم ہوتا کہ اس گھرے میں ہزاروں روپے ہیں مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ آخری کہتا کہ میں پانچ یا دس روپے میں یہ گھر اآپ کے پاس فروخت کرتا ہوں۔ چنانچہ پانچ یا دس چھٹے روپے وہ مالکتا، اتنے روپے اسے دے دیتا اور گھر اٹھا کر گھر میں رکھ لیتا۔ اور جب کوئی کہتا کہ آپ نے زکوٰۃ کا مال تو پھر اپنے گھر میں رکھ لیا ہے۔ تو وہ کہتا یہ مال تو میں نے خریدا ہے زکوٰۃ میں نے دے دی تھی۔ تو وہ تمام ذرا لئے جو اللہ تعالیٰ نے قومی پاکیزگی کے لئے یادل کی پاکیزگی کے لئے یاد مانع کی پاکیزگی کے لئے یا خیالات کی پاکیزگی کے لئے یا افکار کی پاکیزگی کے لئے مقرر کئے ہیں، ان کو لوگ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی خرابی اور گندگی کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے دور ہو جاتے ہیں۔

تب خدا تعالیٰ کی تقدیر جوش میں آتی ہے اور وہ اپنے کسی مامور اور مرسل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبووث فرماتا ہے۔ وہ مامور اور مرسل دنیا میں آتا اور تقدیر کے ماتحت لوگوں کو سمجھنے کو خدا تعالیٰ کے پاس لے جاتا ہے۔ تب ایک نیا تعلق خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تغیر کے ماتحت پھر دنیا اٹھتی ہے اور تدبیر میں منہک ہو جاتی ہے۔ مگر میری مراد اس تدبیر سے دنیوی کام نہیں۔ نہ تجارت زارت یا صنعت و حرف کے کام مراد ہیں بلکہ میری مراد تدبیر سے یہ ہے کہ

نبی کی بعثت کے بعد لوگ روحانی تدابیر کی طرف متوجہ

ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ہمیں یہ نظارہ نظر آنے لگتا ہے کہ لوگ قوم کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے افکار کو درست کرتے ہیں، وہ ان کے اعمال کو درست کرتے ہیں، وہ ان کے اخلاق کو درست کرتے ہیں، وہ انہیں ضبط نفس کی تعلیم دیتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کے نشانات اور اس سے تعلق رکھنے کی برکات ظاہر کرتے ہیں، ان کے اندر دین کی محبت پیدا کرتے ہیں، اور انہیں اخلاص اور ایمان کا ایک نمونہ بناتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں یہ نظارہ بھی دکھائی رہتا ہے۔ کہ لوگ نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، چندوں کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ہر قدم پہلے قدم سے آگے ہو۔ ان کا ہر دن انہیں پہچلتے دن سے زیادہ ترقی کے میدان میں بڑھانے والا ہو۔ غرض پھر تدبیر کا ذور شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس تدبیر کے نتیجہ میں دنیا میں ایک عام بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا پہلے تقدیر بیداری پیدا کرتی ہے۔ اور پھر تدبیر بیداری پیدا کرتی ہے۔ پہلے تقدیر جوش میں آکر بندوں اور خدامیں اتصال پیدا کرتی ہے اور پھر تدبیر جوش میں آکر خالق اور جخلوق کو ملا دیتی ہے۔ اس تدبیر کے زمانہ میں بھی گو خدا کے فضل نازل ہوتے ہیں۔ مگر اس دور میں فضل کی بنیاد نیچے سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس طرح خدا اور بندوں کے تعلق کی مثال دی ہو جاتی ہے جو ماں اور بچے کے تعلق کی ہوتی ہے۔ کسی وقت پچھے ماں کو یاد کرتا ہے اور کسی وقت ماں پچھے کو یاد کرتی ہے۔ کبھی پچھے ماں کو آکر چٹ جاتا ہے۔ وہ کھلی رہا ہوتا ہے کہ کھلیتے کھلیتے یہ دم اس کے دل میں ماں کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اپنی ماں سے ملے دیر ہو گئی۔ چنانچہ وہ کھلیتا کھلیتا دوڑتے ہوئے آتا ہے اور اپنی ماں کے گلے میں محبت سے ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اور بھی

ایسا ہوتا ہے کہ بچے کو احساس نہیں ہوتا مگر ماں کو احساس ہو جاتا ہے۔ وہ کام کرتی کرتی یک دم اسے چھوڑ دیتی ہے اور ادھر ادھر تلاش کرتی پھرتی ہے کہ اس کا بچہ کہاں گیا اور جب وہ ملتا ہے تو اسے اپنی چھاتی سے چھٹا لیتی ہے۔ یہی مثال عالم روحاں کی ہے۔ کبھی خدا کے دل میں بندوں کی محبت کا جوش پیدا ہوتا ہے اور کبھی بندوں کے دلوں میں خدا کی محبت کا جوش پیدا ہوتا ہے۔

خدا کی محبت کو تقدیر

کہا جاتا ہے۔ اور

بندے کی محبت کو تدبیر

کہا جاتا ہے۔ جس طرح ماں بعض دفعہ محبت سے بے تاب ہو کر بچے کی طرف دوڑتی اور اسے اپنے سینے سے لگاتی ہے۔ اسی طرح کی محبت جب خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو تو اسے تقدیر کہا جاتا ہے۔ اور ویسی ہی محبت لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی پیدا ہو، جیسے بچہ کے دل میں بعض دفعہ اپنی ماں کی محبت جوش میں آتی ہے، تو اسے روحانی دنیا میں تدبیر کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا ہے اور چلتا چلا جاتا ہے۔ کبھی اس طرف سے اور کبھی اس طرف سے۔ کبھی تقدیر کے زور سے اور کبھی تدبیر کے زور سے۔ اور اس طرح بندوں اور خدا کے تعلق میں کی واقع ہونے میں نہیں آتی۔ جب انسان خدا تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی تقدیر جوش میں آجائی ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ اپنی تقدیر کسی مامور اور مرسل کے ذریعہ ایک دفعہ ظاہر کر دیتا ہے تو گودہ بندوں کو بھوتا نہیں، مگر اس کی بعض صفات میں ایک قسم کا سکون و اقہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندوں کی طرف سے تدبیر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ قانون دنیوی قانون میں سے ڈیماکری سے ملتا ہے۔ یعنی حکومت ہوتی تو ویسی ہی ہے جیسے اور حکومتیں۔ اس حکومت کے جو زندہ وار افراد ہوتے ہیں وہ بھی دیسے ہی قانون بناتے ہیں جیسے اور حکومتیں قانون بناتی ہیں۔ وہ بھی اپنے قوانین کا ویسی ہی تختی سے نفاذ کرتے ہیں۔ جیسے اور افراد حکومت اپنے قوانین کا تختی سے نفاذ کرتے ہیں غرض ظاہری لحاظ سے قانون کی تشكیل اور اس کے نفاذ کے لحاظ سے اس حکومت کو دوسرا حکومتوں سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امتیاز ہوتا ہے تو یہ کہ عوام یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کسی غیر کی حکومت ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں یہ ہماری حکومت ہے۔ اور اس کی خرابی ہماری خرابی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھر حاکم دن رات ایسی تدابیر میں مشغول ہوتے ہیں جن کے ماتحت ان

کے قوم کے افراد کی ترقی ہو۔ انہیں عزت حاصل ہو، ان کے رتبہ اور ان کی وجاہت میں زیادتی ہو۔ اور دوسری طرف عوام اس بات کے مگر ان ہوتے ہیں کہ کہیں ان کے حاکم سنت نہ ہو جائیں اور اس طرح ان کی حکومت ان کے لئے فائدہ رسائی ہونے کی بجائے مملک اور ضرر رسائی ہو جائے۔ غرض دونوں ایک دوسرے کے مگر ان ہوتے ہیں۔ حکام عوام کے مگر ان ہوتے ہیں اور عوام حکام کے مگر ان ہوتے ہیں۔ اگر کبھی حاکموں میں سے کوئی حاکم غافل ہو جائے یا است ہو جائے یا ایسا حاکم مقرر ہو جو حکومت کے لحاظ سے اس کا الہ نہ ہو، تو عوام میں شور پڑ جاتا ہے کہ ہماری حکومت یوں کیوں کر رہی ہے، یوں کیوں نہیں کرتی۔ اور جب عوام سست ہو جائیں تو حکام ان کی سستی کو دور کرنے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ بھی وہی ہوتا ہے جسے روحانی دنیا میں تقدیر اور تدبیر کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے کبھی تدبیر کا ذرور ہوتا ہے اور کبھی تقدیر کا ذرور ہوتا ہے۔ اسی طرح چونکہ ایسی حکومت درحقیقت عوام کی حکومت ہوتی ہے، اس نے جب حکومت میں کوئی نقش پیدا ہو جاتا ہے تو عوام الناس میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب عوام میں کوئی نقش پیدا ہو تو حکومت اس نقش کے ازالہ کے لئے مستعد ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کو جگانے اور بیدار رکھنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ تقدیر اور تدبیر کا یہ مظاہرہ ہے جو دنیا میں اس رنگ میں دھماکی دیتا ہے۔ اسی نکتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے جماعت میں

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کی تحریک

کی تھی۔ یوں تو جماعت کی اصلاح خلیفہ کے ذمہ ہے اور بیان پھر خلیفہ کے نائب جو ناظرو غیرہ ہیں ان کے ذمہ ہے۔ مگر دنیا میں یہ ہمیں قانون قدرت دھماکی دیتا ہے کہ کبھی ایک پر نیند آ جاتی ہے اور کبھی دوسرے پر نیند آ جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الامام بھی اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کا الامام ہے افطر واصوم (تذکرہ صفحہ ۲۵۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں کبھی افطار کرتا ہوں۔ اور کبھی روزہ رکھتا ہوں۔ اب واقعہ یہ ہے کہ خدا نہ روزہ رکھتا ہے نہ افطار کرتا ہے۔ مگر الامام یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روزہ بھی رکھتا ہے اور افطار بھی کرتا ہے۔ پس درحقیقت اس الامام کا بھی وہی مفہوم ہے، جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبھی ایسا زمانہ آتا ہے کہ میری صفات جوش میں آ جاتی ہیں اور میں خود لوگوں کے

دولوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کیلئے تقدیر کو عمل میں لاتا ہوں۔ اور کبھی ایسا زمانہ آتا ہے کہ میں اپنی ان صفات کو ٹھہرا دیتا ہوں۔ اور بندہ جوش میں آکر میری ملاقات کے لئے تدا بیر اور جدو جمد میں مشغول ہو جاتا ہے اسی طرح انسانی حکومتوں میں بھی کبھی ایک طرف غفلت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی دوسری طرف غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ تب جو حصہ بیدار ہوتا ہے وہ غافل حصہ کو چست اور ہوشیار کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی دوسرے وقت وہ چست اور ہوشیار حصہ غافل ہو جاتا ہے تو جو حصہ بیدار ہو چکا ہوتا ہے، وہ اس کی غفلت کو دور کرنے میں حصہ لینے لگ جاتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ دونوں حصے متوازی اور ایک دوسرے کے بال مقابل نہ ہوں۔ اس وقت تک وہ قوم کبھی بھی زندگی حاصل نہیں کر سکتی۔ زندگی تو اسے ملتی ہے مگر وہ متوازی اور مقابل حصوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد مر جاتی ہے۔ مثلاً جس قوم میں سارا اخہمار حاکموں پر ہو، اس قوم کے افراد بھی بہت جلد مر جاتے ہیں۔ کیونکہ کبھی حکام بھی ست ہو جاتے ہیں۔ اور جس قوم میں سارا اخہمار عوام پر ہوتا ہے اس قوم کے افراد بھی بہت جلد مر جاتے ہیں۔ کیونکہ کبھی عوام بھی غافل، ست اور لاپرواہ ہو جاتے ہیں اور ان کو بیدار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نیند مبدل ہے موت ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی قوم یا جماعت یہ سمجھتی ہو کہ ایسے حکام مقرر ہونے چاہئیں جو اپنے فرائض اور ذمہ واریوں کو بخوبی سمجھنے والے ہوں۔ اور دوسری طرف افراد یہ سمجھتے ہوں کہ ان پر قوی لحاظ سے کیا کیا زمہ داریاں عائد ہیں۔ اور یہ کہ بعض افراد کو اگر حکومت کا حکام پر دیکھا گیا ہے تو اس لئے نہیں کہ حکومت ان کا حق ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ حکومت کے دوسروں کی نسبت زیادہ اہل ہیں۔ پس ان کی حکومت اپنے اندر نیا ترقی رنگ رکھتی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اگر کسی وقت وہ غافل ہو جائیں تو ہم ان کو بیدار کریں۔ کیونکہ حکومت ہماری ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ قوم زندہ رہتی ہے اور موت کا دن اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہو تاچلا جاتا ہے۔ عوام ست ہوں تو حکام ان پر گھر انی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اور حکام ست ہوں تو عوام ان پر گھر انی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اسی نکتہ کو مد نظر رکھ کر میں نے جماعت میں خدام الاحمد یہ اور النصار اللہ دو الگ الگ جماعتیں قائم کیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں، ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی حکومت کے افراد ست ہو جائیں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی عوام ست ہو جائیں۔ عوام کی غفلت اور ان کی نیند کو دور کرنے کے لئے جماعت میں ناظر و غیرہ موجود تھے۔ مگر چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ کبھی

ناظرست ہو جائیں اور وہ اپنے فرائض کو کماحتہ ادا نہ کریں۔ اس لئے ان کی بیداری کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جماعتی نظام ہونا چاہئے تھا جو ان کی غفلت کو دور کرتا۔ اور اس غفلت کا بدل جماعت کو مسیاکرنے والا ہوتا۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور بندہ اماء اللہ اسی نظام کی دو کڑیاں ہیں اور ان کو اسی لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ وہ نظام کو بیدار رکھنے کا باعث ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اگر عوام اور حکام دونوں اپنے اپنے فرائض کو سمجھیں تو جماعتی ترقی کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک نہایت ہی مفید اور خوش کن لائجہ عمل ہو گا۔ اگر ایک طرف نظار تین جو نظام کی قائم مقام ہیں عوام کو بیدار کرتی رہیں۔ اور دوسری طرف خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور بندہ اماء اللہ جو

عوام کے قائم مقام

ہیں، نظام کو بیدار کرتے رہیں۔ تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی وقت جماعت کلی طور پر گرجائے اور اس کا قدم ترقی کی طرف اٹھنے سے رک جائے۔ جب بھی ایک غافل ہو گا وہ سر اسے جگانے کے لئے تیار ہو گا۔ جب بھی ایک ست ہو گا وہ سر اسے ہوشیار کرنے کے لئے آگے نکل آئے گا۔ کیونکہ وہ دونوں ایک ایک حصہ کے نمائندہ ہیں۔ ایک نمائندہ ہیں نظام کے اور دوسرے نمائندہ ہیں عوام کے۔ بعض دفعہ اگر نظام کے نمائندے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیں گے۔ تو عوام کے نمائندے ان کو بیدار کر دیں گے۔ اور جب عوام کے نمائندے غافل ہوں گے۔ تو نظام کے نمائندے ان کی بیداری کا سامان پیدا کریں گے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت تک پورے طور پر اس حقیقت کو سمجھا نہیں گیا اور خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ میں وہ بیداری پیدا نہیں ہوتی، جس بیداری کو پیدا کرنے کے لئے ان دونوں جماعتوں کو معرض وجود میں لا یا گیا تھا۔ خدام الاحمدیہ میں کسی قدر زیادہ بیداری ہے۔ مگر انصار اللہ میں بیداری کے آثار بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں۔ گزشتہ ایام میں مجھے ان کی بعض روپرونوں سے یہ محسوس ہوا تھا کہ ان میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ مگر یہ کہ انہوں نے واقعہ میں کوئی ایسا کام بھی کیا ہے یا نہیں، جس کی بناء پر انہیں بیدار سمجھا جائے، اس کا ابھی تک مجھے کوئی ثبوت نہیں ملا۔ حالانکہ کام کرنے والی جماعت تو جس جگہ موجود ہو، وہاں اس کا وجود خود بخوبی نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی کو بتائے یا نہ بتائے ہر شخص کو محسوس ہونے لگ جاتا ہے کہ یہاں کوئی

زندہ اور کام کرنے والی جماعت

موجود ہے۔ اور درحقیقت کام کرنے والی جماعت کی علامت بھی یہی ہے کہ بغیر لوگوں کو بتانے اور ان کا علم دینے کے وہ خود بخود معلوم کر لیں کہ یہاں کوئی کام کرنے والی جماعت موجود ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک بھڑکھر میں آجاتے تو کس طرح گھر کے ہر فرد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ گھر کے اندر کوئی بھڑ آگئی ہے۔ وہ بھی ایک کی طرف ڈنے کے لئے جاتی ہے۔ اور بھی دوسرے کی طرف ڈنے کے لئے بڑھتی ہے۔ اور گھر بھر میں شور بچ جاتا ہے کہ اس بھڑ کو مارو، یہ کسی کو کاٹ نہ لے۔ ایک شد کی مکھی گھر میں آجائے تو چاروں طرف اس سے بچنے کے لئے گپویاں اور ہاتھ اور پچھے اور رومال دغیرہ لئے لگ جاتے ہیں۔ ایک پھول کسی گھر میں لگا ہوا ہو تو تمام گھر کے افراد کو اس کے وجود کا احساس ہو جاتا ہے۔ اور ہر شخص کے نام میں جب ہوا داخل ہوتی ہے وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس گھر میں گلبہ لگا ہوا ہے یا مویتا لگا ہوا ہے یا چنیلی کا پودا لگا ہوا ہے۔ تو زندگی کے آثار ہونے ضروری ہیں۔ ان آثار کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں کھلا سکتا، چاہے بظاہر وہ زندہ ہی دکھائی دے۔ جب کوئی شخص اس دنیا میں آتا ہے تو اسے دنیا میں اپنی زندگی کا کوئی ثبوت دینا چاہئے اور ایسے نقوش چھوڑنے چاہئیں جن سے دنیا اس کی زندگی کا احساس کر سکے اور اسے معلوم ہو کہ اس دنیا میں فلاں شخص آیا تھا۔ اور اس نے فلاں کام کیا۔ پس کام کرنے والی جماعت وہ نہیں ہو سکتی جو چند رپورٹیں شائع کر دے۔ بلکہ کام کرنے والی جماعت وہ کھلا سکتی ہے کہ جب کوئی غیر شخص قادیانی میں آئے تو بغیر اس کے کہ اسے کوئی بتائے کہ یہاں خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ کی جماعتیں ہیں، اسے خود بخود محسوس ہونے لگے کہ یہاں کوئی کام کرنے والی جماعت موجود ہے۔ جب کوئی لاہور میں جائے یا امرتسر میں جائے یا اور کسی شریں جائے تو اس شریں داخل ہوتے ہی اسے یہ محسوس ہونے لگ جائے کہ وہ کسی ایسے شریں آیا ہے، جہاں کوئی نمایاں کام کرنے والی زندہ جماعت موجود ہے۔ گرجاں جا کر یہ پتہ نہ لگے اور دوسروں کو خود اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ وہ اسے بتائیں کہ یہاں انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کی جماعت ہے۔ تو اس کے سمنے یہ ہو گئے کہ وہ لوگ مردہ ہیں اور اپنے اندر زندگی کے کوئی آثار نہیں رکھتے۔

یہ چیز ہے جو میں انصار اللہ میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

مگر میں نہیں دیکھا کہ یہ چیزان میں پیدا ہو گئی ہے۔ سو اے اس کے کہ کبھی کبھی میرے پاس ان کی طرف سے رپورٹ آ جاتی ہے، حالانکہ رپورٹوں کی مثال تو ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ہماری پنجابی زبان میں کہتے ہیں۔ ”آپے میں رجی بھی آپے میری نیچے جیون“ بھلا رپورٹوں میں یہ لکھ لیتا کیا مشکل ہے کہ فلاں صاحب نے یہ کام کیا اور فلاں صاحب نے وہ کام کیا۔ اگر اس طرح کی خدمات ہم گئنے لگ جائیں تو ہر شخص اپنی خدمات کی تعداد جنتی چاہے بڑھالے گا اور یہ سمجھے گا کہ اس نے بہت بڑا کام کیا۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ کام ایسا ہو گا جسے کسی صورت میں بھی خدمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً ہر قدم جو تم اٹھاتے ہو اس کے اٹھاتے وقت تمہارے پیروں کے نیچے ضرور چیزوں میں آ جاتی ہیں۔ آج کل کے موسم میں تو خصوصیت سے چیزوں میں زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے آج کل تو بالعموم ہر شخص کے پاؤں کے نیچے کچھ نہ کچھ چیزوں میں ضرور آ جاتی ہیں۔ پھر یہ بھی ایک ثابت شدہ بات ہے کہ تم قدم پا س پاس نہیں رکھ سکتے ہر دو قدم کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور اس فاصلہ کے اندر آنے والی چیزوں میں مرتبتیں۔ پس جب تم چلتے ہو تو کچھ چیزوں میں اور کچھ نیچے رہتی ہیں۔ اب اگر اسی قسم کی خدمات کار پورٹوں میں ذکر ہونے لگے۔ تو ایک شخص کہہ سکتا ہے میں نے تلوتوں خدا کی بست بڑی خدمت کی ہے۔ آج میں نے اتنے ہزار یا اتنے لاکھ چیزوں کی جانبیں بچائیں۔ حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ جس قدر چیزوں میں گی ان میں سے ساری تو مرس گی نہیں۔ کچھ مرس گی اور زیادہ ترقی جائیں گی۔ چاہے کسی کا چیزوں سے سارا اگھر بھرا ہوا ہو۔ پھر بھی یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سب چیزوں آ جائیں۔ لازماً کئی ہزار بلکہ کئی لاکھ چیزوں نیچے جائیں گی۔ اب اگر اسی قسم کے کاموں کو خدمت خلق قرار دے دیا جائے، تو کہنے والا کہ سکتا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر اور کس نے خدمت خلق کی ہے۔ میں نے آج اتنے لاکھ چیزوں کی جانب بچائی ہے۔ اگر اس رنگ کی خدمات شمار میں آنے لگ جائیں۔ تو ہر شخص کی خدمات کی ایک بڑی بھاری فرست روزانہ تیار ہو سکتی ہے اور وہ رپورٹ میں اپنا کام ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگر ہم گئنے لگ جائیں تو ان گناہوں کی بھی ایک لمبی فرست روزانہ تیار ہو سکتی ہے۔ پس یہ رپورٹیں کچھ چیز نہیں

اصل چیز بیداری ہے

جو ہر شخص کو نظر آجائے۔ کسی شخص نے یہ کیا ہی لطیف مثال بنادی ہے۔ جو آج ساری دنیا میں نقل کی جاتی ہے کہ

مشک پہچانے کے لئے اگر عطار کی تعریف کی ضرورت ہو، اور وہ کہے کہ یہ مشک فلاں جگہ سے آیا ہے اس کا نافذ ایسا عمرہ ہے۔ لیکن ناک میں خوشبو نہ آئے تو ایسے مشک کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مشک تو وہی ہے کہ عطار چپ کر کے بینھ جائے اور خریدار مشک کی خوشبو سونگھ کری بیتاب ہو جائے اور کہے کہ یہ مشک نکالوں اسے خریدنا چاہتا ہوں، یہ برا اعلیٰ مشک ہے۔ تو اصل خوبی کام کی بھی ہوتی ہے۔ اگر ایک غیر اور اجنبی شخص بھی آجائے تو اسے پت لگ جائے کہ یہاں کوئی

فعال اور کام کرنے والی جماعت

موجود ہے۔ ہاتھی کسی کا اپنی ہفتہ وار یا ماہوار یا سالانہ رپورٹ شائع کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور نہ اس سے کام کے متعلق کوئی صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر ہم دنیا میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیں کہ اس دنیا کے پرده پر ایک احمدیہ جماعت بھی موجود ہے تو یہ اعلان بالکل مسحک خیز ہو گا۔ لیکن اگر جہاں جہاں بھی ہماری جماعتوں موجود ہیں وہ اپنے وجود کو نمایاں کرنا شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ ہر شخص کے کہ ہمارے شرمنیں ایک عجیب جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے افراد لوگوں کو تبلیغیں کرتے ہیں، مطمئنیں دیتے ہیں، بڑی بڑی نیک اور اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ لوگوں سے کتنے رہتے ہیں کہ دیکھو تم نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، حج بلو، امن سے رہو۔ تو بے تک یہ تعریف صحیح تعریف ہو گی۔ اور بے تک اس اشتہار سے بڑھ کر جماعت کی نیک ناہی کا اور کوئی اشتہار نہیں ہو گا۔ لیکن اگر ہم ایسا تو نہ کریں اور صرف ہفتہ وار، ماہوار یا سالانہ یہ اعلان کر دیں کہ احمدیہ جماعت بھی دنیا پر موجود ہے تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ پس میرا مقصد ان جماعتوں کے قیام سے ہر فرد کے اندر ایک بیداری پیدا کرنا تھا۔ مگر یہ بیداری ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ خدام میں ایک حد تک بیداری کا رنگ پایا جاتا ہے، مگر وہ رنگ بھی تھوڑا بلکہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ شاید دس فیصدی بیداری ہے جو ابھی تک خدام میں پیدا ہوئی ہے۔ لیکن انصار میں ابھی تک صرف ایک فیصدی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ پس بھتی بیداری خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے ذریعہ جماعت میں پیدا ہوئی ہے، وہ ہرگز کافی نہیں۔ بلکہ کافی کا

ہزاروں حصہ بھی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ
النصار اللہ خصوصیت کے ساتھ اپنے کام کی عمدگی سے نگرانی کریں۔

اکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر ان کا کام نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آجائے۔ اور وہ محسوس کرنے لگ جائیں کہ یہ ایک زندہ اور کام کرنے والی جماعت ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں، جب تک النصار اللہ اپنی ترقی کے لئے صحیح طریق اختیار نہیں کریں گے۔ اس وقت تک انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً میں نے انہیں توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے

کام کی توسعی

کے لئے روپیہ جمع کریں۔ اور اسے مناسب اور ضروری کاموں پر خرچ کریں۔ مگر میری اس ہدایت کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اب میں دوسری بات انہیں یہ کہنا چاہتا ہوں گو غالباً میں ایک دفعہ پلے بھی کہ چکا ہوں، کہ اگر انہیں مالی مشکلات ہوں تو سلسلہ کی طرف سے کسی حد تک انہیں مالی مدد بھی دی جاسکتی ہے۔ مگر برعکس حال پلے انہیں خود عملی قدم اٹھانا چاہئے اور روپیہ خرچ کر کے اپنے کام کی توسعی کرنی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں بڑی عمر کے لوگوں کو ضرور یہ احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے کہ وہ شباب کی عمر میں سے گزر کر اب ایک ایسے حصہ عمر میں سے گزر رہے ہیں جس میں دماغ تو سونے کے لئے موجود ہوتا ہے، مگر زیادہ عمر گزرنے کے بعد ہاتھ پاؤں، محنت مشقت اور کام کرنے کے قابل نہیں رہتے اس کی وجہ سے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں کے سرانجام کے لئے

کچھ نوجوان سیکرٹری

(چالیس سال کے اوپر کے مگر زیادہ عمر کے نہ ہوں) مقرر کریں۔ جن کے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہو اور وہ دوڑنے بھاگنے کا کام آسانی سے کر سکیں۔ تاکہ ان کے کاموں میں سستی اور غفلت کے آثار پیدا نہ ہوں میں سمجھتا ہوں اگر دو چالیس سال سے پہلیں سال کی عمر تک کے لوگوں پر نظر دوڑاتے تو انہیں ضرور اس عمر کے لوگوں میں سے ایسے لوگ مل جاتے، جن کے ہاتھ پاؤں بھی دیسے ہی چلتے جیسے ان کے دماغ چلتے ہیں۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہ کی اور صرف انہی کو سیکرٹری مقرر کر دیا جن کا نام میں نے ایک دفعہ لایا تھا۔ حالانکہ ہر سیکرٹری کے ساتھ انہیں ایسے

آدمی لگانے چاہئے تھے جو اپنی عمر کے طاقت سے گو خدام الاحمد یہ میں شامل نہ ہو سکتے تھے مگر اپنے اندر نوجوانوں کی سی ہمت اور طاقت رکھتے، دوڑنے بھائیوں کی قوت ان میں موجود ہوتی، محنت و مشقت کے کام وہ با آسانی کر سکتے، لوگوں کو بار بار جگاتے اور بار بار انہیں بیدار کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر اب بھی وہ ایسا کریں اور جوان ہمت انصار اللہ کو سیکرٹریوں کے نائب مقرر کر دیں۔ تو میں امید کرتا ہوں کہ ان کے اندر وہ بیداری پیدا ہو سکتی ہے جس بیداری کو پیدا کرنے کے بغیر محض نام کا انصار اللہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ ایک الہی قدرت کا کر شد ہے کہ ایک زمانہ انسان پر ایسا آتا ہے جب اس کے جسمانی قویٰ تو نشوونما پاتے ہیں۔ مگر اس کے دماغی قویٰ ابھی پرده میں ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ ان میں اخبطاط و افہم ہو جاتا ہے۔ اخبطاط نہیں بلکہ قوائے دماغیہ ایک پرده کے اندر رہتے ہیں۔ یہ زمانہ وہ ہوتا ہے جو مچھیں سال سے چالیس سال تک کی عمر کا ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے جب جسم میں نشوونما رقاء کی طاقت تو نہیں رہتی۔ مگر اسے جو کمال حاصل ہو چکا ہوتا ہے وہ قائم رہتا ہے۔ جیسے کسی چیز میں جب ابیال شروع ہو تو جب اس کا البنا بند ہو جائے، مگر ابھی وہ ابیال بیٹھنے نہیں، جو کیفیت اس وقت ہوتی ہے وہی کیفیت چالیس سال سے اوپر عمر والوں کی ہوتی ہے کہ ان کا ابیال تو بند ہو جاتا ہے مگر ان کی بلندی میں کسی نہیں آتی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں خدا تعالیٰ عام طور پر نبیوں کو اصلاح خلق کے لئے کھڑا کیا کرتا ہے۔ گویا یہ زمانہ بلغ اشده کا زمانہ ہوتا ہے۔ طاقتیں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ مگر جو ابیال کی صورت ہوتی ہے۔ وہ منادی جاتی ہے۔ پس جب میں نے انصار اللہ میں شمولیت کے لئے چالیس سال سے اوپر کی شرط رکھی تو اس کے سنبھلنے پر تھے کہ کام کرنے کا بہترین زمانہ انہیں حاصل تھا۔ بشرطیکہ اس عمر والوں سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس حکمت کو نہ سمجھا اور کام انہیں لوگوں کے پسروں کھا جو زیادہ عمر کے ہیں۔ حالانکہ اگر سارے کے سارے کام انہیں لوگوں کے پسروں کر دئے جائیں جو سانحہ سال سے اوپر اور ستر سال کے قریب ہوں، تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ان لوگوں کے پاس دماغ تو ہو گا مگر پونکہ کام کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں ہوں گے، اس لئے وہ کام خراب ہو جائے گا۔ مفید نتائج کا حامل نہیں ہو گا۔ پس انہیں چاہئے تھا کہ وہ ہر ملک کے ہر سیکرٹری کے ساتھ نائب سیکرٹری ان لوگوں کو مقرر کرتے ہو تو خیزی کے ساتھ کام کرنے کی ہمت رکھتے۔ اور ان کے پاس صرف دماغ ہی نہ ہوتے۔ بلکہ کام کرنے والے ہاتھ اور پاؤں بھی ان کے پاس ہوتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک انسان کے اندر دماغی اخبطاط پیدا نہیں ہو جاتا اس کا دماغ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ اس کی عمر کس قدر زیادہ ہو۔ اس لئے

زیادہ عمر کے لوگ تجربہ کار، صاحب رائے رکھنے والے

اور نفع و نقصان کو عمدگی کے ساتھ سمجھنے والے ہوتے ہیں اور ضروری ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے تجربہ، اصابت رائے اور خوبی دماغ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مگر بہر حال وہ مگر ان یا سیکرٹری ہی مقرر ہو سکتے ہیں۔ سوائے ایسی عمر کے ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارزل العر قرار دیا ہے۔ اور جن میں جسمانی قوی کے اخبطاط کے ساتھ دماغی اخبطاط بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ایسی عمر میں انسان کسی کام کا بھی نہیں رہتا۔ مگر جب تک کسی کا دماغی اخبطاط شروع نہ ہو جائے اس وقت تک ایسے آدمی کی رائے صائب ہوتی ہے۔ اس کے تجربہ سے دوسرے لوگ بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی راہنمائی لوگوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن بہر صورت ایسے لوگ مگر ان ہی مقرر ہو سکتے ہیں۔ نائب سیکرٹری وہی لوگ مقرر ہونے چاہیں جو دوڑ سکتے ہیں، بھاگ سکتے ہوں، جلدی جلدی کام کر سکتے ہوں، لوگوں کی یاد دہنیاں کر سکتے ہوں، ان کی نگرانی کا کام کر سکتے ہوں۔ اگر انصار اللہ اس طرح کام کرتے تو ان کا کام یقیناً اب تک نہیاں ہو چکا ہو تا مگر انہوں نے بجائے یہ طریق اختیار کرنے کے، جن لوگوں کا کام میں نے اپنے ایک پہلے خطبہ (۲۶۔ جولائی سن ۱۹۷۰) میں لیا تھا۔ انہی کے سپرد تمام کام کر دیا۔ حالانکہ میں نے وہ نام اس لئے لئے تھے۔ کہ میرے نزدیک وہ اچھا دماغ رکھنے والے تھے۔ ان کی رائے صائب اور سلبھی ہوئی تھی اور وہ مفید مشورہ دینے کی الیت رکھتے تھے۔ اس لئے نام نہیں لئے تھے۔ کہ ان میں کام کرنے کی بہت اور قوت بھی نہ ہوانوں والی موجود ہے۔ اور وہ دوڑ بھاگ بھی سکتے ہیں۔ ان کا کام صرف نگرانی کرنا تھا، اور ضروری تھا کہ ان کے ماتحت ایسے نوجوان لگائے جاتے جو دوڑ نے بھاگنے کا کام کر سکتے۔ اب بھی اگر وہ اچھا کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سابق سیکرٹریوں کے ساتھ بعض نوجوان مقرر کر دینے چاہیں، چاہے نائب سیکرٹری بننا کریا جائش سیکرٹری بننا کر، تاکہ انصار اللہ میں بیداری پیدا ہو۔ اور ان پر غفلت اور جمود کی جو حالت طاری ہو چکی ہے وہ دور ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھیں عمر کا تقاضا ایک قدر تی چیز ہے۔ بیشک بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہر عمر میں خدا تعالیٰ کی حفاظت کے نیچے ہوتے ہیں۔ مگر عام طور پر دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جوں

ہوں عمر بڑھتی جاتی ہے، ہاتھ پاؤں رہ جاتے ہیں۔ البتہ دماغ موجود ہوتا ہے جو ہر وقت سوچنے کا کام کرتا رہتا ہے۔ گویا اس عمر والوں کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے جیسے بھاگنے والے کی حالت ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص مکان میں سے نکل کر بھاگنا چاہے تو پہلے وہ ایک پیر نکلتا ہے، پھر دوسرا پیر نکلتا ہے، پھر دھڑک نکلتا ہے اور بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح روح جب طبعی صوت کے ذریعہ انسانی جسم میں سے بھاگتی ہے تو کسی طریق انتیار کرتی ہے۔ پہلے وہ انسان کے ہاتھوں اور پاؤں سے نکلتی ہے۔ انسان زندہ ہوتا ہے مگر اچھی طرح نہ ہاتھ بلا سکتا ہے، نہ پاؤں بلا سکتا ہے۔ اور اس کی آخری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دل اور دماغ میں سے بھی نکل جاتی ہے اور انسان اگلے جہان میں چلا جاتا ہے۔ پس یہ بھاگنے کا سا وقت ہوتا ہے اور انسان دنیا کو چھوڑ رہا ہوتا ہے۔ اور جو شخص دنیا کو چھوڑ رہا ہوا سے دوسروں کی اصلاح کا اتنا فکر نہیں ہوتا جتنا سے اپنے نفس کا فکر ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے شک ہے کیونکہ اس نے اپنا ماضی بھی دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس نے دوسروں کا ماضی بھی دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ لوگوں کی خوبیاں اور برائیاں اور ان خوبیوں اور برائیوں کے نتائج سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ اس کے اپنے حالات زندگی بھی ایک ایک کر کے اس کے سامنے آتے ہیں اور دوسروں سے گذرے ہوئے واقعات بھی اس کی آنکھوں کے سامنے چکر لگاتے ہیں اور وہ ان سب حالات کو دیکھ کر سوچتا، غور کرتا، ان سے نتائج اندر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے، اب میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ اب میرا کام یہی ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا حساب کروں۔ پس اس وقت وہ حساب کر رہا ہوتا ہے۔ اور جو شخص حساب کر رہا ہو اس کی توجہ کسی اور طرف نہیں ہوتی۔ رات کو سوتے وقت جب بنیا اپنے تمام دن کی آمد کا حساب کر رہا ہو، اس وقت اگر تم بننے سے سودا مانگو تو تم دیکھو گے کہ وہ اس وقت خست چڑچڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت حساب کر رہا ہوتا ہے۔ سودا دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس وقت اس کی جگہ کوئی اور آدمی دو کان پر ہو۔ پس ایسے آدمی، جہاں تک حساب کا تعلق ہے، بے شک منفرد ہوتے ہیں۔ مگر ایسی عمر والوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی لاہور جائیں، کبھی پشاور جائیں، کبھی انبالے جائیں، کبھی گوجرانوالہ جائیں اور سب لوگوں سے کہتے پھریں کہ انہوں اور بیدار ہو جاؤ! اسلام پر بذا مازک وقت آیا ہوا ہے۔ جماعت پر بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اگر تم اس ذمہ داری کو ادا نہ کر دے گے تو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جواب دو گے۔ یہ کام وہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا یہ زمانہ گذر چکا ہوتا ہے۔ پس میں نے انصار اللہ کے لئے

چالیس سال سے اوپر عمر کی شرط لگائی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میں چاہتا تھا ان کو کام کرنے کے لئے وہ جو ان ہمت لوگ بھی مل جائیں جن پر ابھی جوانی جیسا ہی زمانہ ہوتا ہے۔ اور جو اپنے اندر کام کرنے کی کافی طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایسے آدمی بھی میر آ جائیں جن کے دماغ اعلیٰ درجہ کے ہوں اور جو لوگوں کی نگرانی کا کام پوری احتیاط کے ساتھ کر سکیں۔ مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور صرف ایسے ہی لوگوں کو لے لیا گیا، جن کا نام میں نے لیا تھا۔ حالانکہ میں نے وہ نام اس لئے لئے تھے کہ میرے نزدیک وہ گگران اور محافظ بن سکتے تھے۔ نہ اس لئے کہ وہ دوڑنے بھاگنے کا کام بھی کر سکتے تھے۔ اس قسم کے کام کرنے کے لئے انہیں چاہئے تھا کہ وہ ایسے لوگ سیکرٹریوں کے ساتھ مقرر کر دیتے، جن کے قوئی میں طاقت ہوتی۔ جن کے ہاتھوں اور پاؤں میں چلتے پھرنے اور دوڑنے بھاگنے کی ہمت ہوتی۔ تاکہ وہ اپنے مفوضہ فرائض کو عمدگی سے سر انجام دے سکتے۔ میں سمجھتا ہوں

انصار اللہ پر بہت بڑی ذمہ واری ہے۔

وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سے گزر رہے ہیں۔ اور یہ آخری حصہ وہ ہوتا ہے جب انسان دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان جانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ اور جب کوئی انسان اگلے جہان جا رہا ہو تو اس وقت اسے اپنے حساب کی صفائی کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اور وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ ایسی حالت میں اس دنیا سے کوچ نہ کر جائے کہ اس کا حساب گندہ ہو، اس کے اعمال خراب ہوں، اور اس کے پاس وہ زاد راہ نہ ہو جو اگلے جہاں میں کام آنے والا ہے۔ جب احمدیت کی غرض یہی ہے کہ بندہ اور خدا کا تعلق درست ہو جائے، تو ایسی عمر میں اور عمر کے ایسے حصہ میں اس کا احساس جس قدر احساس ایک مومن کو ہونا چاہئے، وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ نوجوان تو خیال بھی کر سکتے ہیں کہ اگر ہم سے

خدمتِ خلق

میں کوتای ہوئی تو انصار اللہ اس کام کو ٹھیک کر لیں گے۔ مگر انصار اللہ کس پر انحراف کر سکتے ہیں۔ وہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتای سے کام لیں گے، اور اگر

دین کی محبت

اپنے نفوس میں اور پھر تمام دنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو گے، وہ اگر احمدت کی اشاعت کو اپنا اولین مقصد قرار نہ دیں گے، اور اگر وہ اس حقیقت سے انغماض کر لیں گے کہ انہوں نے

اسلام کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے

تو انصار اللہ کی عمر کے بعد اور کون سی عمر ہے جس میں وہ یہ کام کریں گے۔ انصار اللہ کی عمر کے بعد تو پھر ملک الموت کا زمانہ ہے۔ اور ملک الموت اصلاح کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ وہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے جب کوئی انسان سزا یا انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پس میں ایک دفعہ پھر انصار اللہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں۔

ایک دفعہ پہلے بھی میں انہیں کہا کہ وہ بھی خدام الاحمدیہ کی طرح سال میں ایک دفعہ خاص طور پر باہر سے لوگوں کو بلوایا کریں۔ تاکہ ان کے ساتھ مل کر اور تنقیح اور بحث و تمحیص کر کے انہیں دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو۔ اور وہ پہلے سے زیادہ ترقی کی طرف قدم اٹھائیں۔ پھر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے مشورہ سے انسان بت کر فائدہ اخالیتیا ہے۔ غالباً ایک سال ہوا جب میں نے اس امر کی طرف انہیں توجہ دلائی تھی۔ مگر اب تک انصار اللہ کا کوئی جلسہ نہیں ہوا۔ یہ بات بھی ان کی مردوں پر دلالت کرتی ہے۔

کچھلی دفعہ جب خدام الاحمدیہ کا جلسہ ہوا تو میں نے بعض انصار اللہ کی آوازیں سنیں کہ ہم کو بھی آئندہ ایسا جلسہ کرنا چاہئے۔ مگر عمر کا تقاضا تھا کہ انہوں نے کتنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن چونکہ ان کے ہاتھ پاؤں چلتے نہیں تھے اس لئے وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ حضرت خلیفہ المسیح اول رضی اللہ عنہ سنایا کرتے تھے۔ کہ کوئی یوڑھا شخص کسی طبیب کے پاس آیا اور کتنے لاگئے یہ تکلیف ہے، وہ تکلیف ہے، یہ عارضہ ہے، وہ عارضہ ہے، طبیب نے دیکھا کہ اس کی عمر بڑی ہو چکی ہے اور یہ تکلیف اب مستقل مکمل اختیار کرچکی ہیں، دواؤں سے جانے والی نہیں۔ اس لئے جب بھی وہ کوئی تکلیف بیان کرتا، طبیب کہہ دیتا ہاں ٹھیک ہے، تقاضائے عمر ہے۔ پانچ سال دفعہ اس نے شکانتیں بیان کیں۔ اور پانچ سال دفعہ ہی طبیب یہی کھتارا ہا کہ آپ درست کہتے ہیں۔ مگر عمر کا تقاضا تھا ایسا ہے۔ جب بار بار طبیب نے ایسا کہا تو اسے غصہ آگیا کہ یہ عجیب طبیب

ہے اور اسے گالیاں دینے لگ گیا کہ تو بڑا خبیث اور بے ایمان ہے۔ تیرا کام نہ کر کر دینا ہے یا ہربات پر یہ کہہ دینا ہے کہ تقاضائے عمر ہے۔ جب وہ اپنا جوش نکال چکا تو طبیب کرنے لگا یہ بھی تقاضائے عمر ہے۔ تو ان کے اندر جوش تو پیدا ہوا مگر جلسہ نہ ہوا۔ یہ بھی تقاضائے عمر ہی تھا۔ مگر بہر حال میں نے جان بوجھ کر انصار اللہ میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا بھی رکھا تھا جن کا تقاضائے عمر کام کرنا ہو۔ تقاضائے عمر کام نہ کرنا نہ ہو۔ میں نے چالیس سال سے اوپر عمر والوں کو انصار اللہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے سینے یہ ہیں کہ ایک براطبقہ ایسے لوگوں کا ان کے پاس موجود ہے جو اپنے اندر کام کرنے کی روح رکھتا ہے۔ اور طاقت و قوت کے لحاظ سے بھی وہ توجہ انوں سے کم نہیں۔ سانچھ سال سے اوپر جا کر انسان کے قوی میں انجھطاں شروع ہوتا ہے۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہوئے ہم کہ سکتے ہیں کہ تریسٹھ سال سے اوپر کی عمر والوں کے متعلق بھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اب اس عمر والوں کا نیشنے کا زمانہ ہے کام کرنے کا نہیں۔ اس سے نیچے نیچے ہر شخص سوائے کسی معدور یا بیمار کے اپنے اندر کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس جو عمران کے لئے رکھی گئی ہے، اس کے لحاظ سے ایک بہت بڑا حصہ جوان ہمت لوگوں کا ان کے اندر پایا جاتا ہے۔ اور وہ اگر چاہیں تو اچھی طرح کام کر سکتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو آگے آنے اور کام کرنے کا موقعہ دیا جاتا اور زیادہ عمر کے لوگ صرف مگر انی اور محافظت کا کام کرتے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو توجہ ان بیوں کی نگرانی میں کام کرنے کا طریقہ سیکھ جاتے اور دوسری طرف وہ جوش سے کام لے کر لوگوں کے اندر بیداری بھی پیدا کر دیتے۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں کو آگے آنے کا موقعہ نہیں دیا گیا اس لئے ”تقاضائے عمر“ سمجھ کر ہی بات ختم کر دی گئی۔ اور انصار اللہ میں بیداری پیدا نہ ہوئی۔ پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کے تخلصیں کو توجہ دلاتا ہوں کہ ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ یاد رکھو! اگر اصلاح جماعت کا سارا اداروں دار نظارت تو پر ہی رہا تو جماعت احمدیہ کی زندگی کبھی لمبی نہیں ہو سکتی۔ یہ خدا ہی قانون ہے جو کبھی بدلتی نہیں سکتا کہ ایک حصہ سوئے گا اور ایک حصہ جاگے گا۔ ایک حصہ غافل ہو گا اور ایک حصہ ہوشیار ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کو گول بنا کر فتحلہ کر دیا ہے کہ اس کے قانون میں یہ بات داخل ہے کہ دنیا کا ایک حصہ سوئے اور ایک حصہ جاگے۔ کبھی دنیا کا ایک حصہ جاگتا ہے اور دوسرا سوتا ہے۔ کبھی دوسرا جاگتا ہے اور پہلا سوتا ہے۔ چاہے تم ساری دنیا کو فرشتوں سے بھی لا کر بھروسہ دو پھر بھی ایسا ہی ہو گا کہ آدمی دنیا سوئے گی اور آدمی دنیا جاگے گی۔ ایسی صورت میں

کام کو زندہ اور جاری رکھنے کا بہترین طریق

یہ ہوا کرتا ہے کہ کام دونوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس دنیا کے بھی سپرد کر دیا جائے جو ایک طرف ہے اور اس دنیا کے بھر سپرد کر دیا جائے جو دوسری طرف ہے۔ اگر ایک طرف سوئے گی تو دوسری طرف جا گے گی۔ اور اگر دوسری طرف سوئے گی تو پہلی طرف اس کام کو زندہ رکھے گی۔ یہی تقدیر اور تدبیر کا باریک نکلتا ہے۔ خدا تعالیٰ سوتا نہیں مگر خدا کبھی سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جیسے فرمایا افطر واصوم تاکہ دنیا کو بیداری کا موقع دے۔ اور جب دنیا تحکم جاتی ہے تو خدا اپنا کام شروع کر دیتا ہے

یہی نظام اور عوام کے کام کا تسلسل

دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ جو درحقیقت پر تو یہ تقدیر اور تدبیر کے۔ کبھی عوام سوتے ہیں اور نظام جاگتا ہے، اور کبھی نظام سوتا ہے اور عوام جاگتے ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام بھی جاگتا ہے اور عوام بھی جاگتے ہیں۔ اور وہ وقت بڑی بھاری کامیابی اور فتوحات کا ہوتا ہے۔ وہ گھریاں جب کسی قوم پر آتی ہیں جب نظام بھی بیدار ہوتا ہے اور عوام بھی بیدار ہوتے ہیں۔ تو وہ اس قوم کے لئے فتح کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے کامیابی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے ترقی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ شیر کی طرح گرجتی اور سیالب کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہر روک جو اس کے راستے میں حائل ہوتی ہے اسے مٹا دیتی ہے۔ ہر عمارت جو اس کے سامنے آتی ہے اسے گرا دیتی ہے۔ ہر چیز جو اس کے سامنے آتی ہے اسے بکھیر دیتی ہے۔ اور اس طرح وہ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف، اس طرف بھی اور اس طرف بھی، بڑھتی چلی جاتی ہے اور دنیا پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب نظام سو جاتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ یا عوام سو جاتے ہیں اور نظام جاگتا ہے۔ اور پھر آخر میں وہ وقت آتا ہے۔ جب نظام بھی سو جاتا ہے اور عوام بھی سو جاتے ہیں۔ تب آسمان سے خدا تعالیٰ کافرشتہ اترتا ہے اور اس قوم کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔ یہ قانون ہمارے لئے بھی جاری ہے، جاری رہیگا اور کبھی بدل نہیں سکے گا۔ ہیں اس قانون کو دیکھتے ہوئے ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ

ہمارا نظام بھی بیدار ہے اور ہمارے عوام بھی بیدار ہیں۔

اور درحقیقت یہ زمانہ اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ خدا کا سچ ہم میں ابھی قریب ترین زمانہ میں گزرا ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے مناسب حال ہمارا نظام بھی بیدار ہونا چاہئے۔ اور ہمارے عوام بھی بیدار ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ دنیا میں اضحکال اور قتوں کا انکسار انسان کے ساتھ کا ہوا ہے۔ اس لئے عوام کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ یہ نظام کو جگاتے رہیں۔ اور نظام کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ عوام کو جگاتا رہے۔ تا خدا نخواستہ اگر ان دونوں میں سے کوئی سوجائے، غافل ہو جائے اور اپنے فرائض کو بھول جائے تو دوسرا اس کی جگہ لے لے۔ اور اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ اس دن کو بعید کر دیں جب نظام اور عوام دونوں سو جاتے ہیں۔ اور خدا کی تقدیر موت کا فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔ پس دونوں کو اپنے اپنے فرض ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ اگر دونوں نہ جائیں تو کم از کم ایک توجہ۔ اور اس طرح وہ دن جو موت کا دن ہے ہم سے زیادہ سے زیادہ دور رہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سب کام خدا کے اختیار میں ہے۔ اور انسان اگر کامیاب ہونا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ عجز اور انکسار کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرے۔

مگر دعاوں کے ساتھ انسان کا اپنا ارادہ اور اس کی امنگ بھی شامل ہونی چاہئے تب دعاوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مجیسے میں نے ابھی بتایا ہے کہ جب تقدیر اور تدبیر جمع ہو جاتی ہیں تو اس وقت برکات کا ظہور اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ یا مجیسے میں نے بتایا ہے کہ عوام اور نظام دونوں بیدار ہوں تو وہ وقت قوم کی فتح کا اور وہ گھڑیاں اس کی کامرانی کی گھڑیاں ہوتی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ایسا ہی تھا کہ تقدیر الہی آسمان سے جاری تھی اور زمین پر تدبیروں کا ذہر لگایا جا رہا تھا۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے ایک وند آیا۔ وفد ابھی پیچھے ہی تھا کہ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لئے آگیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا تم بہت جلدی آگئے۔ تمہاری قوم نہیں آئی۔ اس کی کیا وجہ ہے وہ کہنے لگا یا رسول اللہ وہ اپنے اونٹ پاندھ رہے ہیں۔ مگر میں اپنے اونٹ خدا کے پرد کر کے آگیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

جاوہ اور اپنے اونٹ کی ری باندھو۔ اس کے بعد اپنے رب پر توکل کرو۔ تو وہ زمانہ ایسا تھا جب تقدیر اور تدبیر دونوں اپنے انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں اسلام کو وہ فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں جن کی مثال نہ پہلے کسی زمانہ میں ملتی ہے اور نہ بعد میں کسی زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اس وقت آسمان سے خدا تعالیٰ کے فرشتے ہی دشمنوں پر حملہ نہیں کر رہے تھے بلکہ زمین پر مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی کفار مارے جا رہے تھے۔ اور جب دو طرف سے حملہ ہو، تو تم جانتے ہو کہ درمیان میں آنے والی کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ پس جب

خدا کی تقدیر اور بندے کی تدبیر

جمع ہو جاتی ہے، تو اس وقت ہر چیز جو درمیان میں آتی ہے، مفتی چلی جاتی ہے۔ اور ہر کامیابی اور ہر فتح حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس اصل کامیابی تو اسی بات میں ہے کہ ہم کوشش کریں کہ آسمان سے خدا کی تقدیر بھی ہمارے حق میں جاری رہے، اور زمین پر ہماری تدبیریں بھی ہمیں کامیابی کے قریب تر کرتی رہیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا تو ہونا چاہئے کہ اگر ہمارے نظام میں خرابی آجائے تو عوام بیدار ہوں، جو اس خرابی کو دور کر سکیں۔ اور اگر عوام میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو نظام اس کی اصلاح کے لئے جاگ رہا ہو۔ یہ کم سے کم توقع ہے۔ جو ہم سے ہر شخص کو رکھنی چاہئے۔ تاکہ ہماری قوی اور جماعتی زندگی، موت کے دن سے زیادہ سے زیادہ دور رہے۔ پس میں اس

نصیحت

کے ساتھ انصار اللہ کو بیدار کرنا چاہتا ہوں اور خدام الاحمدیہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں۔ خدام الاحمدیہ پیشک نسبتاً زیادہ بیدار ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ بھی قفسر کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کوئی خوبی نہیں کہ کسی قوم کے تین یا چار پانچ آدمی مل کر اچھا مارچ کر سکتے یا کوئی اور دنیوی کام کر سکتے ہیں۔ بلکہ خوبی تو یہ ہے کہ جماعت میں ایسے تین یا چار یا پانچ آدمی پیدا کر دیئے جائیں جن کی روحلیں اکٹھی ہوں۔ اور جو روحلی میدان میں مل کر قدم اٹھا سکتے ہوں۔ مذہبی دنیا میں کبھی قدموں کو ملا کر چلنے سے کامیابی نہیں ہوا کرتی بلکہ مذہبی دنیا میں

روحوں کے متحد ہونے سے کامیابی

حاصل ہوا کرتی ہے۔ مگر اس میں ابھی بہت بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ ہر شخص دوسرے پر اعتراض کرتا، اور اعتراض کرنے کو ہی اپنی خوبی اور کمال سمجھتا ہے۔ ایک افسر دوسرے افسر کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے تو یہ شے اس کا یہ طریق نظر آتا ہے کہ وہ کتنا ہے میں نے یہ کام کیا مگر دوسرے کے کام میں یہ یہ نفس تھا۔ اسے کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ میں اس قسم کے الفاظ کہہ کر اپنے نفس کا آپ اظہار کر رہا ہوں۔ بے شک دوسرے افسر کے کام میں کوتاہی ہو گی۔ مگر جب یہی اس کا نفس بیان کرتا اور اپنی خوبیاں شمار کرتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت بھی پہنچا رہا ہوتا ہے کہ اگر پہلے افسر کا کوئی عمل ناقص تھا، تو اس کا ایمان ناقص ہے۔ پس مادی حالات کی درستی نہیں بلکہ روحوں کی درستی سے مذہبی جماعتیں دنیا میں کامیاب ہو اکرتی ہیں۔ مگر اس طرف خدام کی توجہ ابھی کم ہے۔ لیکن بہرحال انصار اللہ سے وہ کچھ زیادہ بیدار ہیں۔ اگر یہ دونوں یعنی

خدم الاحمدیہ اور انصار اللہ مل کر جماعت میں بیداری پیدا کرنے کی

کوشش

کریں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ اگر خدا نخواستہ کسی وقت ہمارا نظام سو جائے تو یہ لوگ اس کی بیداری کا باعث بن جائیں گے۔ اور اگر یہ خود سو جائیں گے تو نظام ان کو بیدار کرتا رہے گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہماری مدد فرمائے اور ہمیں ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے ذاتی فرائض کو ادا کرتے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اٹھانے اور ان کو بیدار کرنے کا باعث ہو۔ تاکہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے بیدار اور ہوشیار سپاہیوں کی صورت میں پیش ہوں۔ مردار اور بے کار لوگوں کی صورت میں پیش نہ ہوں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۷۔ نومبر ۱۹۳۳ء)

ذیلی تنظیموں کے قائم کرنے کی حکمت

(اقتباس از خطبہ جمعہ)

دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ

ایک قسم کی چیزیں ایک دوسرے کی طرف زیادہ جھکتی ہیں۔

نوجوان قدرتی طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ بوڑھوں کا کیا ہے وہ اپنی عمر س گزار چکے ہیں اور ہم وہ ہیں جو ابھی جوانی کی عمر میں سے گذر رہے ہیں۔ اس وجہ سے اگر کوئی بوڑھا انہیں نصیحت کرے کہ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، اپنے اشغال اور افعال میں نیکی اور تقویٰ میں نظر رکھنا چاہئے، اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو اخلاق اور مذہب کے خلاف ہو۔ تو وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں بوڑھوں کا کیا ہے یہ اپنے وقت میں تو مزے اٹھا چکے ہیں اور اب ہمیں نصیحت کرنے لگ گئے ہیں کہ ہم ہر قسم کے کاموں سے اجتناب کریں۔ لیکن اگر ویسی ہی نصیحت انہیں کوئی نوجوان کرے تو وہ اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم اپنی عمر عیش و عشرت میں گزار کر اب ہمیں نصیحت کرنے لگ گئے ہو بلکہ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اس کی نصیحت پر کان دھریں اور اس کی بات کو تسلیم کریں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ نصیحت کرنے والا بالکل ہمارے جیسا ہے۔ یہ بھی اسی عمر کا ہے جو ہماری عمر ہے۔ اس کا بھی دیساہی دل ہے جیسا ہمارا دل ہے۔ اس کے اندر بھی دیے ہی جذبات اور احساسات ہیں، جیسے جذبات اور احساسات ہمارے اندر ہیں۔ لیکن جب یہ بھی ہمیں نصیحت کر رہا ہے تو ہمیں ضرور اس کی بات پر غور کرنا چاہئے۔ اور اگر کچھ نوجوان ایسے بھی ہوں جو اس کی نصیحت پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو کم سے کم وہ اعتراض کا کوئی اور طریق احتیار کریں گے، یہ نہیں کہیں گے کہ خود جوانی کی عمر میں مزے اٹھا کر اب ہمیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم نیکی کی طرف توجہ کریں۔ اسی طرح بچے بچوں کے ذریعہ بت جلد سمجھ سکتے ہیں اور

بوڑھے بوڑھوں کے ذریعہ باتیں سمجھنے کے عادی

ہوتے ہیں۔ اگر کسی بوڑھے کے پاس کوئی نوجوان جا کر کے کہ جناب قلاں بات اس طرح ہے اور آپ اس طرح کرو ہے ہیں۔ تو وہ فوراً اس کی بات سنتے ہی کہ دیگا کہ میاں کوئی عقل کی بات کرو تم ابھی کل کے بچے ہو اور میں بوڑھا تجربہ کار ہوں۔ تم ان باتوں کی حقیقت کو کیا سمجھو، میں خوب جانتا ہوں کہ بات کس طرح ہے اور تینکی اور تقویٰ کا کونسا پہلو ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ بوڑھے کو نصیحت کرے تو وہ نصیحت کی بات اس بچہ کے موہنہ سے من کرنے پڑے گا اور کے گا یہ پاگل ہو گیا ہے ابھی تو خود نا تجربہ کار ہے، بچپن کے زمانہ میں ہے، اور نصیحت مجھے کر رہا ہے۔ لیکن اگر بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے تو وہ ضرور اس نصیحت پر کان دھریگا۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم تجربہ میں مجھ سے کم ہو۔ میں تمہاری بات کس طرح مان سکتا ہوں۔

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم عمری اپنے ہم عمروں کو اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔ بلکہ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے اگر عمر میں پانچ دس سال کا فرق ہو، تب بھی دوسرا شخص سمجھتا ہو کہ میں تو اور وہ کو نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہوں مگر کوئی دوسرا شخص جو عمر میں مجھ سے کم ہے، چاہے چند سال تھی کم ہو، یہ حق نہیں رکھتا کہ مجھے نصیحت کرے۔

حضرت شیخ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں صدر انہمن احمدیہ کے اجلاس میں جب مختلف معاملات پر بحث ہوتی تو بسا اوقات خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب ایک طرف ہوتے اور بعض دوسرے دوست دوسری طرف۔ ان میں سے شیخ رحمت اللہ صاحب، مولوی محمد احسن صاحب امروہی سے عمر میں صرف چار پانچ سال چھوٹے تھے۔ مگر میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب آپس میں کسی بات پر بحث شروع ہو جاتی تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی، شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کر کے کہتے کہ تم تو ابھی کل کے بچے ہو، تمہیں کیا پتہ کہ معاملات کو کس طرح ملے کیا جاتا ہے۔ میرا تجربہ تم سے زیادہ ہے۔ اور ہو کچھ میں کہ رہا ہوں وہی درست ہے۔ حالانکہ مولوی محمد احسن صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب کی عمر میں صرف چار پانچ سال کا فرق تھا۔ مگر چار پانچ سال کے قادت سے ہی انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ مجھے اس بات کا حق حاصل ہے کہ دوسروں پر حکومت کروں۔ مجھے حق حاصل ہے کہ میں دوسروں کو نصیحت کا سبق دوں۔ اور ان کا فرض ہے کہ وہ میری اطاعت کریں اور جو

کچھ میں کوئی اس کے مطابق عمل بجالا کیں۔ پس ایسی صورت میں اگر کوئی نوجوان کسی بوڑھے کو نصیحت کرے گا تو یہ صاف بات ہے کہ بجائے نصیحت پر غور کرنے کے اس کے دل میں غصہ پیدا ہو گا کہ یہ نوجوان مجھے نصیحت کرنے کا کیا حق رکھتا ہے۔ اس طرح بجائے بات کو ماننے کے وہ اور بھی بگز جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض دفعہ انسان ایک پچھے کے موته سے بھی نصیحت کی بات سن کر سبق حاصل کر لیتا ہے۔ مگر ایسا شاذ نادر کے طور پر ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ایک نوجوان کے موہنہ سے کوئی بات سن کر ایک بوڑھا انسان بھی سبق حاصل کر سکتا ہے مگر ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ عام طور پر عمر کے قدرات کے ماتحت چاہے ایک بڑی عمر والا یوں قوف ی کیوں نہ ہو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میرا حق ہے کہ میری بات کو مانا جائے کیونکہ میں بڑی عمر کا ہوں دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجھے نصیحت کرے یا مجھے کسی شخص کے اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔

یہی حکمت ہے

جس کے ماتحت میں نے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ تین الگ الگ جماعتیں قائم کی ہیں۔ تاکہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی نقل کا مادہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔ بچے بچوں کی نقل کریں۔ نوجوانوں کی نقل کریں اور بوڑھوں کی نقل کریں۔ جب بچے اور نوجوان اور بوڑھے سب اپنی جگہ یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ہم عمر دین کے متعلق رغبت رکھتے ہیں، وہ اسلام کی اشاعت کی کوشش کرتے ہیں، وہ اسلامی مسائل کو سیکھنے اور ان کو دنیا میں پھیلانے میں مشغول ہیں، وہ نیک کاموں کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں، تو ان کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی ان نیک کاموں میں حصہ لیں اور اپنے ہم عمر دین سے نیک کے کاموں میں آگے نکلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے وہ جو رقبہ کیوجہ سے عام طور پر دلوں میں غصہ پیدا ہوتا ہے، وہ بھی پیدا نہیں ہو گا۔ جب بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے گا، نوجوان نوجوان کو نصیحت کرے گا اور پچھے بچے کو نصیحت کرے گا، تو کسی کے دل میں یہ خالی پیدا نہیں ہو گا کہ مجھے کوئی ایسا شخص نصیحت کر رہا ہے جو عمر میں مجھے سے چھوٹا یا عمر میں مجھے سے بہت بڑا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میرا ایک ہم عمر جو میرے جیسے خیالات اور میرے جیسے جذبات اپنے اندر رکھتا ہے مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس وجہ سے اس

کے دل پر نصیحت کا خاص طور پر اثر ہو گا اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیگا۔ مگر یہ تغیر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب جماعت میں یہ نظام پورے طور پر رائج ہو جائے اور کوئی بچہ، کوئی نوجوان اور کوئی بوڑھا ایسا نہ رہے جو اس نظام میں شامل نہ ہو۔ اگر جماعت کے چند بوڑھے اس مقصد کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اگر جماعت کے چند بچے اس امر کی اہمیت کو سمجھ کر اکٹھے ہو کرنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر جماعت کے چند بچے اس امر کی اہمیت کو سمجھ کر اکٹھے ہو جاتے ہیں، تو ان چند نوجوانوں، چند بوڑھوں اور چند بچوں کی وجہ سے اس نظام کے دسیع اثرات ظاہر نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے نتیجے میں ساری دنیا میں بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔ ساری دنیا میں اس تحریک کو قائم کرنے، ساری دنیا کو بیدار کرنے اور ساری دنیا کو اس نظام کے اندر لانے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اپنے آپ کو اس قدر منظم کر لیں کہ وہ یقینی اور حقیقی طور پر کہ سکیں کہ ہم نے اپنی اندر ورنی تنظیم کا کام اس کے تمام پسلوؤں کے لحاظ سے پوری خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کر لیا ہے۔ اسی طرح بچے اپنے آپ کو خدام الاحمدیہ کی مدد سے اس قدر منظم کر لیں کہ تنظیم کا کوئی پسلو ناقص نہ رہے اور ان کا اندر ورنی نظام ہر جست سے مکمل ہو جائے۔ یہی حال انصار اللہ کا ہو کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح منظم کر لیں۔ اس طرح ایک نظام میں اپنے آپ کو مسئلک کر لیں کہ وہ سرت کے ساتھ یہ اعلان کر سکیں کہ ہم نے اپنی

اندر ورنی تنظیم پورے طور پر مکمل

کر لی ہے۔ اب ہم میں تنظیم کے لحاظ سے کسی قسم کی خایی اور نقص باقی نہیں رہا۔ جب خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور اطفال الاحمدیہ میتوں اپنے آپ کو اس رنگ میں منظم کر لیں گے اور اپنی اندر ورنی خامیوں کو کلینہ دور کر دیں گے تب وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ دوسروں کی اصلاح کریں۔ اور تب دنیا بھیور ہو گی کہ ان کی باتوں کو سنے اور ان پر غور کرے۔ میں نے دیکھا ہے بعض بچے چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ذہین ہوتے ہیں اور دین کی باتوں کو سمجھتے ہیں، اس نے ان کا طبعی طور پر دوسرے بچوں پر نمایاں اثر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس رنگ کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ رنگ ان کو خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ باقی ان کو جاذبیت رکھنے والی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارا ایک عزیز بچہ ہے، تین چار سال اس کی عمر ہے۔ مگر ذہین اور ہوشیار ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے، جس مگر میں وہ تمہرے

ہوئے ہیں اس گھر کے بچوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ انہی میں سے ایک لڑکے نے مجھے خط لکھا کہ آپ اپنے فلاں پچھے کو اجازت دیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر ایک دفعہ میوزیکل کانفرٹ دیکھ لے۔ اس نے لکھا کہ میں نے اسے بت کر ہے کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ میوزیکل کانفرٹ دیکھ لے مگر وہ مانا نہیں۔ اس نے کہا ہے کہ ہم ایسی چیزوں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ہمیں ان چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ مجھے اس کی باتیں سن کر احمدیت کے متعلق رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ بھی ایک چھوٹا بچہ ہے مگر معلوم ہوتا ہے ہمارے عزیز کی طرح وہ بھی ذہین ہے اور بات کو بت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ پس ایک چھوٹی عمر کے بچے کا دوسرا سے یہ کہنا کہ ہم میوزیکل کانفرٹ میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمیں ان چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے اور پھر دوسرا سے لڑکے کا میری طرف خط لکھا کر اسے ایک دفعہ اجازت دیجئے کہ وہ میوزیکل کانفرٹ دیکھ لے، بتاتا ہے کہ بچوں میں بھی یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرا کو سنبھال سکیں۔ اور نوجوانوں میں بھی یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے تجربہ اور اپنے علم اور اپنی عمل سے دوسروں کی راہنمائی کر سکیں۔ مگر یہ فرض اپنی پوری خوش اسلوبی سے اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک ہماری جماعت کے تمام نوجوان، تمام بڑھے اور تمام بچے اپنی اندر ولی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے۔ ہماری جماعت کے سپردیہ کام کیا گیا ہے کہ

ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔

تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے۔ تمام دنیا کو اسلام اور احمدیت میں داخل کرنا ہے۔ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بار شاہست کو قائم کرنا ہے۔ گریہ عظیم الشان کام اس وقت تک سرانجام نہیں دیا جا سکتا جب تک ہماری جماعت کے تمام افراد خواہ بچے ہوں یا نوجوان ہوں یا بڑھے ہوں، اپنی اندر ولی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اور اس لامحہ عمل کے مطابق دن اور رات عمل نہیں کرتے جو ان کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ دنیا میں یہی طریق ہوتا ہے کہ پہلے اندر ولی کروں کی صفائی کی جاتی ہے، پھر بیرونی کروں کی صفائی کی جاتی ہے، پھر صحن کی صفائی کی جاتی ہے، پھر ڈیوڑھی کی صفائی کی جاتی ہے اور پھر گلی کی صفائی کی جاتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص ڈیوڑھی یا باہر کی گلی کو تو صاف کرنے لگ جائے اور اس کے اندر ولی کروں میں گند بھرا ہوا ہو۔

بیشہ بیرونی صفائی سے پہلے اندر ورنی صفائی کی جاتی ہے۔ باہر کی سڑکوں اور صحن وغیرہ کو صاف کرنے سے پہلے اندر ورنی کمروں کی غلاظت اور گند کو دور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بیرونی کمروں کی صفائی کا وقت آتا ہے۔ پھر صحن کی صفائی کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ پھر گلی کی صفائی کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جب ان تمام مراحل کو طے کر لیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو توفیق عطا فرمادیتا ہے کہ وہ میونسل کمیٹی کی شکل میں سارے شرکی صفائی کا اہتمام کریں۔ پھر اس سے ترقی کر کے اللہ تعالیٰ بعض اور لوگوں کو یہ توفیق عطا فرمادیتا ہے کہ وہ ایک حکومت کی شکل میں سارے ملک کی صفائی کا انتظام کریں۔ برعکس یہ تدریج ضروری ہے۔ اور بغیر

جماعتی تنظیم اور اصلاح

کو مکمل کرنے کے ہم ساری دنیا کی تنظیم اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ ہم اسی وقت باہر کی طرف توجہ کر سکتے ہیں جب ہم اپنے داخلی نظام کو مکمل کر لیں گے۔ جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں مسلک کر لیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کر سکیں گے۔ اس اندر ورنی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصار اللہ، اطفال الاحمدیہ نئی جماعتیں قائم کی ہیں۔ اور یہ نئیوں اپنے اس مقصد میں جوان کے قیام کا اصلی یا عث ہے اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں۔ جب انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اس اصل کو اپنے مد نظر رکھیں جو

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوْلُوا وَجْهَكُمْ شَطْرَةٌ

(سورۃ البقرۃ: ۱۳۵)

میں بیان کیا گیا ہے۔ ک

ہر شخص اپنے فرض کو سمجھئے

اور پھر رات اور دن اس فرض کی ادائیگی میں اس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور بخنوں تمام اطراف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک بات کے لئے اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیتا ہے۔ جب تک رات اور دن انصار اللہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے۔ جب تک رات اور دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے۔ جب تک رات اور دن اطفال الاحمدیہ

اپنے کام میں نہیں لگے رہتے۔ اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے تمام اوقات کو صرف نہیں کر دیتے اس وقت تک ہم اپنی اندروںی تنظیم کو مکمل نہیں کر سکتے۔ اور جب تک ہم اپنی اندروںی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے، اس وقت تک ہم یہودی دنیا کی اصلاح اور اس کی خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری توجہ نہیں کر سکتے۔

(اقتباس از خطبه جمعہ فرمودہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔ صفحہ ۲ اور ۵)

خلافت احمدیہ سے کامل وابستگی النصار اللہ کی اہم ذمہ داری

افتتاحی تقریر دو سراسال اللہ اجتماع مجلس النصار اللہ مرکزیہ

تشدد و تعوز اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
لِلَّهِ وَارِبِّنَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ
(سورۃ الصاف ۱۵)

اس کے بعد فرمایا

آپ لوگوں کا نام النصار اللہ

رکھا گیا ہے۔ یہ نام قرآنی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے اور احمدیت کی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے۔ قرآنی تاریخ میں ایک دفعہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے فرمایا مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ تو آپ کے حواریوں نے کہا نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ ان میں سے ایک گروہ مهاجرین کا تھا۔ اور ایک گروہ انصار کا تھا۔ گویا یہ نام قرآنی تاریخ میں دو دفعہ آیا ہے۔ ایک جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق آیا ہے اور ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ایک حصہ کو انصار کہا گیا ہے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی النصار اللہ کا دو جگہ ذکر آتا ہے۔ ایک دفعہ جب حضرت ظیف الدین رضی اللہ عنہ کی پیغامیوں نے مخالفت کی، تو میں نے انصار اللہ کی ایک جماعت قائم کی۔ اور دوسری دفعہ جب جماعت کے بچوں، نوجوانوں، بوزھوں اور عورتوں کی

تقطیم کی گئی۔ تو چالیس سال سے اوپر کے مردوں کی جماعت کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ گویا جس طرح قرآن کریم میں

دو گروہوں کا نام انصار اللہ

رکھا گیا ہے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ میں بھی دو زمانوں میں دو جماعتوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ پہلے جن لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ان میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ تھے۔ کیونکہ یہ جماعت ۱۹۱۳ء میں بنائی گئی تھی۔ اور اس وقت اکثر صحابہ زندہ تھے۔ اور اس جماعت میں بھی اکثر وہی شامل تھے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی جن انصار کا ذکر آتا ہے ان میں زیادہ تر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ شامل تھے۔ دوسری دفعہ جماعت احمدیہ میں آپ لوگوں کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا ہے جس طرح قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ادنیٰ نبی حضرت مسیح ناصریؑ کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ آپ لوگوں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کم ہیں اور زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے میری بیعت کی ہے۔ اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام والی بات بھی پوری ہو گئی۔ یعنی جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا۔ اسی طرح مثلیں مسیح موعود کے ساتھیوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ گویا قرآنی تاریخ میں بھی دو زمانوں میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ اور جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ کے نصلی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ اب بھی زندہ ہیں مگر اب ان کی تعداد بست تحوزی رہ گئی ہے۔ صحابیؓ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو نبی کی زندگی میں اس کے سامنے آگیا ہو۔ گویا زیادہ تر یہ لفظ انہی لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جنہوں نے نبی کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہوا اور اس کی باتیں سنی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ شخص بھی آپ کا صحابیؓ کہلا سکتا ہے جس نے خواہ آپ کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھایا ہوا لیکن آپ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوا اور اس کا باپ اسے اخاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے لے گیا ہو۔ لیکن یہ ادنیٰ درجہ کا صحابیؓ ہو گا۔ اعلیٰ درجہ کا صحابیؓ وہی ہے جس نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں۔ ان کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے۔ اب صرف تین چار آدمی ایسے رہ گئے ہیں جن کے متعلق مجھے ذاتی طور

پر علم ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں ہیں۔ ممکن ہے اگر زیادہ تلاش کیا جائے۔ تو ان کی تعداد تمیں یا چالیس تک پہنچ جائے۔ اب ہماری جماعت لاکھوں کی ہے۔ اور لاکھوں کی جماعت میں اگر ایسے تیس چالیس صحابہ بھی ہوں، تب بھی یہ تعداد بہت کم ہے۔ اس وقت جماعت میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسے شخص کی بیعت کی۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقعِ تھا۔ اور ان کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا، جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لئوکان مُؤْسَى وَ عِيسَى خَيْرٌ لِّمَا وَسَعَهُمَا إِلَّا اتَّبَاعُونِ کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ میلہما السلام میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو وہ میرے قبیح ہوتے۔ غرض اس وقت جماعت کے انصار اللہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک قبیح اور مثیل کے زریعہ اسلام کی خدمت کا سوچہ ملا اور وہ آپ لوگ ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جس طرح ان کے حواریوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح مثیل مسیح موعود کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ پھر آپ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان کے انصار اللہ کی بات بھی پائی جاتی ہے۔ جس طرح انصار اللہ میں وہی لوگ شامل تھے جو آپ کے صحابہ تھے۔ اسی طرح آپ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ شامل ہیں۔ گویا آپ لوگوں میں دونوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آپ میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ بھی ہیں۔ جنہیں انصار اللہ

کہا جاتا ہے۔ جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو انصار کہا گیا پھر جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا قبیح قرار دیا ہے اور ان کے صحابہ کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک

قبیح کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو بھی انصار اللہ

کہا گیا ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھیں کہ یہ درجہ کم ہے لیکن اگر چالیس سال اور گذر گئے، تو اس زمانہ

کے لوگ تمہارے زمانہ کے لوگوں کو بھی تلاش کریں گے۔ اور اگر چالیس سال اور گذر گئے تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے ملنے والوں کو تلاش کریں گے۔ اسلامی تاریخ میں صحابہؓ کے ملنے والوں کو تابعی کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہؓ کے ذریعہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گئے تھے اور ایک تن تابعی کا درجہ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تابعین کے ذریعہ صحابہؓ کے قریب ہوئے۔ اور آگے صحابہؓ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے۔ اس طرح تین درجے بن گئے۔ ایک صحابیؓ، دوسرا تابعی اور تیسرا تابع تابعی۔ صحابیؓ وہ جنوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ اور آپ کی باتیں سنیں۔ تابعی وہ جنوں نے آپؐ سے باتیں سننے والوں کو دیکھا اور تن تابع تابعی وہ جنوں نے آپؐ سے باتیں سننے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ دنیوی عاشق تو بت کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ کسی شاعرنے کہا ہے۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
میرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مسلمانوں کی محبت رسول دیکھو

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ فوت ہوئے۔ تو انہوں نے آپؐ سے قریب ہونے کے لئے تابعی کا درجہ نکال لیا۔ اور جب تابعی ختم ہو گئے۔ تو انہوں نے تن تابعین کا درجہ نکال لیا۔ اس شاعرنے تو کہا تھا۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
میرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر یہاں یہ صورت ہو گئی کہ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں اور پھر ان کے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ اور پھر تیرہ سو سال تک برابر چاہتا چلا جاؤں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا

میرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بلکہ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم آپؐ کے چاہنے والوں کو چاہتے ہیں چاہے وہ صحابیؓ ہوں۔

تائی ہوں۔ یاقع تائی ہوں۔ یاقع تائی ہوں۔ اور ان کے بعد یہ مسلمہ خواہ کامان تک چلا جائے۔ ہم کو وہ سب لوگ پیارے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ہم کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو جاتے ہیں۔ محمد شین کو اس بات پر بڑا فخر ہوتا تھا کہ وہ تھوڑی سی سندات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت غیاث الدین امسیح اولؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں گیارہ بارہ راویوں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا پہنچتا ہوں۔ آپ کو بعض ایسے اساتذہ مل گئے تھے جو آپ کو گیارہ بارہ راویوں کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیتے تھے۔ اور آپ اس بات پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع نے آپ کی صحابیت کو بارہ تیرہ درجوں تک پہنچا دیا ہے۔ اور اس پر فخر کیا ہے۔ تو آپ لوگ یا صحابیؒ ہیں۔ یا تائی ہیں۔ ابھی یقین کا وقت نہیں آیا ان دونوں درجوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انصار کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی قربانیاں بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھیں۔ چنانچہ جب ہم انصارؒ کی تاریخ کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں کہ اگر آپ لوگ جو انصار اللہ ہیں ان کے نقش قدم پر چلیں تو یقیناً اسلام اور احمدیت دور دور تک پھیل جائے اور اتنی طاقت پکڑ لے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابلہ پر غصہ نہ سکے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تحریف لائے تو شہر کی تمام عورتیں اور بچے باہر نکل آئے۔ تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے جاتے ہوئے خوشی سے گاتے چلے جاتے تھے کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَلَاثَةِ الْوَدَاعِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس جہت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ وہ وہی جہت تھی جہاں سے قافلے اپنے رشتہ داروں سے رخصت ہوا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس موڑ کامام شنیقتاً للوداع رکھا ہوا تھا۔ یعنی وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت ہوتے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موڑ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ تو مدینہ کی عورتوں اور بچوں نے یہ گاتے ہوئے آپ کا استقبال کیا کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَلَاثَةِ الْوَدَاعِ

یعنی ہم لوگ کتنے خوش قسمت ہیں کہ جس موڑ سے مدینہ کے رہنے والے اپنے رشتہ داروں کو

رخصت کیا کرتے تھے۔ اس موڑ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بدر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر کر دیا ہے۔

پس ہمیں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ تو اس جگہ جا کر اپنے رشتہ داروں اور عزیزیوں کو رخصت کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے وہاں جا کر سب سے زیادہ محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصول کیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گھیرا ذال لیا اور ان میں سے ہر شخص کی خواہش تھی۔ کہ آپ اس کے گھر میں ٹھہریں۔ جس جگلی میں سے آپ کی اوپنی گذرتی تھی۔ اس جگلی کے مختلف خاندان اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یا رسول اللہ یہ ہمارا گھر ہے جو آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ یا رسول اللہ آپ ہمارے پاس ہی ٹھہریں۔ بعض لوگ جوش میں آگے بڑھتے اور آپ کی اوپنی کی باگ کپڑے لیتے۔ تاکہ آپ کو اپنے گھر میں اترے ایں۔ مگر آپ ہر شخص کو یہی جواب دیتے تھے کہ میری اوپنی کو چھوڑ دو یہ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ دیں کھڑی ہو گی جماں خدا تعالیٰ کا مشاء ہو گا۔ آخر دو ایک جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے قریب گھر کس کا ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ میرا گھر سب سے قریب ہے اور آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اوپر کی منزل تجویز کی۔ مگر آپؓ نے اس خیال سے کہ ملے والوں کو تکلیف ہو گئی تھی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصرار پر مان تو گئے کہ آپ تھی منزل میں ٹھہریں لیکن ساری رات بیان یہ ہوئی اس خیال سے جا گئے رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے نیچے سور رہے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اس بے اربی کے مر عکب ہو سکتے ہیں کہ وہ چھت کے اوپر سوئیں۔ اتفاقاً اسی رات ان سے پانی کا ایک برتن گر گیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے دوڑ کر اپنا لحاف اس پانی پر ڈال کر پانی کی رطوبت کو خشک کیا تاکہ چھت کے نیچے پانی نہ نکپ پڑے۔ صبح کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات عرض کئے۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر کی منزل پر رہنے میں راضی ہو گئے۔ اب دیکھو یہ اس عشق کی ایک اونٹی سی مثال ہے جو صحابہؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا۔

پھر یہ واقعہ کتنا شاذ ار ہے کہ جب جنگِ احمد ختم ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اس بات پر ماسور فرمایا کہ وہ میدانِ جنگ میں جائیں اور زخمیوں کی خبر لیں۔ ایک صحابیؓ میدان میں تلاش کرتے کرتے ایک زخمی انصاریؓ کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ ان کی حالت نازک ہے اور وہ جان توڑ رہے ہیں۔ اس نے زخمی انصاریؓ سے ہمدردی کا اظہار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ مصافر کے لئے آگے بڑھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا میں انتظار کر رہا تھا کہ کوئی بھائی مجھے مل جائے۔ انہوں نے اس صحابیؓ سے پوچھا کہ آپ کی حالت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ اور پہنچنے کی امید نہیں کیا کوئی پیغام ہے جو آپ اپنے رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہوں۔ اس مرنے والے صحابیؓ نے کہا ہاں ہاں میری طرف سے میرے رشتہ داروں کو سلام کتنا اور انہیں کہنا کہ میں تو مر رہا ہوں گریں اپنے پیچھے خدا تعالیٰ کی ایک مقدس امانت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں جب تک زندہ رہا اس نعمت کی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی حفاظت کرتا رہا۔ لیکن اے میرے بھائیو اور رشتہ داروں میں اب مر رہا ہوں اور خدا تعالیٰ کی یہ مقدس امانت تم میں چھوڑ رہا ہوں۔ میں آپ سب کو اس کی حفاظت کی نصیحت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اگر آپ سب کو اس کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جانیں بھی دینی پڑیں تو آپ اس سے دربغ نہیں کریں گے اور میری اس آخری وصیت کو یاد رکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے اندر ایمان موجود ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ سب کو محبت ہے۔ اس لئے تم ضرور آپؐ کے وجود کی حفاظت کے لئے ہر ممکن قربانی کرو گے اور اس کے لئے اپنی جانوں کی بھی پرداہ نہیں کرو گے۔ اب دیکھو ایک شخص مر رہا ہے۔ اسے اپنی زندگی کے متعلق یقین نہیں۔ وہ مرتے وقت اپنے یوہی بچوں کو سلام نہیں بھیجتا۔ انہیں کوئی نصیحت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اگر کوئی پیغام بھیجتا ہے تو یہی کہ اے میری قوم کے لوگوں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ ہم جب تک زندہ رہے۔ اس فرض کو بھاتے رہے۔ اب آپؐ کی حفاظت آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔ آپ کو اس کے رستے میں اپنی جانوں کی قربانی بھی پیش کرنی پڑے۔ تو اس سے دربغ نہ کریں۔ میری تم سے یہ آخری خواہش ہے اور مرتے وقت میں تمہیں اس کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ تھا

وہ عشق و محبت جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے تھا۔ پھر جب آپ بد رکی جنگ کے لئے مدینہ سے صحابہؓ سیست باہر نکلے۔ تو آپؐ نے نہ چاہا کہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف جنگ پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ کہ وہ اس بارہ میں آپؐ کو مشورہ دیں کہ فوج کا مقابلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ایک کے بعد دوسرا مهاجر کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا ہے تو ہم اس سے ڈرتے نہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپؐ ہر ایک کا بواب سن کر یہی فرماتے چلے جاتے کہ مجھے اور مشورہ دو۔ مجھے اور مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگ اس وقت تک خاموش تھے۔ اس لئے کہ حملہ آور فوج مهاجرین کی رشدت دار تھی وہ ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی بات سے مهاجرین کا دل دکھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔ تو ایک انصاریؓ سردار کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہؐ مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے۔ مگر پھر بھی جو آپؐ بار بار مشورہ طلب فرم رہے ہیں تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ اس سردار نے بواب میں کہا یا رسول اللہؐ شاید آپؐ اس لئے ہمارا مشورہ طلب فرمائی ہے ہیں۔ کہ آپؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاملہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں آپؐ پر اور مهاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ مدینہ سے باہر نکل کر ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس وقت آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ جس وقت وہ معاملہ ہوا تھا۔ اس وقت تک ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب ہم پر آپؐ کا مرتبہ اور آپؐ کی شان پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے یا رسول اللہؐ اب اس معاملہ کا کوئی سوال نہیں۔ ہم موئیؓ کے ساتھیوں کی طرح آپؐ کو یہ نہیں کہیں گے کہ

فَإِذْهَبْتَ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِلَّا إِنَّهُمْ هُنَّا قَاعِدُونَ

(سورۃ المائدۃ آیت ۲۵)

کہ تو اور تیر ارب جاؤ۔ اور دشمن سے جنگ کرتے پھر وہ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپ کے دامیں بھی لڑیں گے اور باہمیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور یا رسول اللہؐ دشمن جو آپؐ کو نقصان پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ وہ آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے پھر اس نے کما یا رسول اللہؐ جنگ تو ایک معمولی بات ہے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر سمندر ہے۔ (بدر سے چند میزبانوں کے فاصلہ پر سمندر تھا۔ اور عرب تیرنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے پانی سے بست ڈرتے تھے) آپؐ ہمیں سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دینے کا حکم دیجئے۔ ہم بلاچون وچرا اس میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے۔ یہ وہ فدائیت اور اخلاص کا نمونہ تھا جس کی مثال کسی سابق نبی کے مانے والوں میں نہیں ملتی۔ اس مشورہ کے بعد آپؐ نے دشمن سے لڑائی کرنے کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپؐ کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔ حضرت مسیح ناصریؒ کے انصار کی وہ شان نہیں تھی۔ جو محمد رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار کی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک آپؐ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ مگر تم میں سے بعض لوگ پیغامیوں کی مدد کے لائق میں آگئے اور انہوں نے خلافت کو مٹانے کی کوششیں شروع کر دیں اور زیادہ ترا فوس یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس عظیم الشان بابؐ کی اولاد بھی شامل ہے۔ جس کو ہم بڑی قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وفات پر ۲۲ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپؐ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ تحریک جدید ۱۹۳۲ء سے شروع ہے۔ اور اب ۱۹۵۶ء ہے گویا اس پر ۲۲ سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔ شاید حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی اولاد خود بھی اس میں حصہ نہ لیتی ہو۔ لیکن میں ہر سال آپؐ کی طرف سے اس میں چندہ دینا ہوں۔ تاکہ آپؐ کی روح کو بھی اس کا ثواب پہنچے۔ پھر جب میں حج پر گیا۔ تو اس وقت بھی میں نے آپؐ کی طرف سے قربانی کی تھی۔ اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپؐ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔ غرض ہمارے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی بڑی قدر اور عظمت ہے۔ لیکن آپؐ کی اولاد نے جو نمونہ دکھایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اس کے مقابلہ میں تم حضرت مسیح علیہ السلام کے مانے والوں کو دیکھو کہ وہ آج تک آپؐ کی خلافت کو سنبھالے چلے آتے ہیں۔ ہم تو اس مسیح کے صحابہؓ اور انصار ہیں جس کو مسیح ناصریؒ پر فضیلت دی گئی ہے۔ مگر ہم جو افضل بابؐ کے روحاںی میں ہیں۔ ہم میں سے بعض لوگ چند روپوں کے لائق میں آگئے۔ شاید اس

طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ مماثلت بھی پوری ہوئی تھی۔ کہ یہیے آپ کے ایک حواری یہودا اسکریوٹی نے روپیوں سے تمیں روپے لے کر آپ کو بچ دیا تھا۔ اور اس طرح اس مسیح کی جماعت میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہونے تھے جنہوں نے پیغامیوں سے مدد لے کر جماعت میں قتنہ کھڑا کرنا تھا۔ لیکن ہمیں عیسائیوں کے صرف عیب ہی نہیں دیکھنے چاہئیں۔ بلکہ ان کی خوبیاں بھی دیکھنی چاہئیں۔ جماں ان میں ہمیں یہ عیب نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک نے تمیں روپے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام پر دو ہزار سال کے قریب خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ کہ آج تک جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر دو ہزار سال کے قریب عرصہ گذر چکا ہے، وہ آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آج جب میں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس چیز کا وعدہ بھی حواریوں نے کیا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب کہا۔ مَنْ أَنْتَارِي إِلَى اللَّهِ كَمْ خدا تعالیٰ کے رستے میں میری کون مدد کریگا تو حواریوں نے کہا نَعَنْ أَنْصَارِ اللَّهِ هُمْ خدا تعالیٰ کے رستے میں آپ کی مدد کریں گے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہی شفیق قائم رہنے والا ہے۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم وہ انصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اس لئے جب تک خدا تعالیٰ زندہ ہے۔ اس وقت تک ہم بھی اس کی مدد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر تقریباً دو ہزار سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن عیسائی لوگ برابر عیسائیت کی تبلیغ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اب تک ان میں خلافت قائم چلی آتی ہے۔ اب بھی ہماری زیادہ تر گلکر عیسائیوں سے ہی ہو رہی ہے۔ جو مسیح علیہ السلام کے مقع اور ان کے ماننے والے ہیں اور جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال رکھتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سارے نبی اس قتنہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔ غرض وہ مسیح ناصری جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ان پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان کے انصار نے اتنا بذہب اخلاص دکھایا کہ انہوں نے دو ہزار سال تک آپ کی خلافت کو مٹھے نہیں دیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی خلافت مٹی۔ تو مسیح علیہ السلام کا خود اپنا نام بھی دنیا سے مت جائے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شروع عیسائیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے آپ کو تمیں روپے کے بدله میں دشمنوں کے ہاتھ بچ دیا تھا۔ لیکن اب عیسائیت میں وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو مسیحیت کی اشاعت اور حضرت مسیح علیہ السلام

کو خدا کا بیٹا منوانے کے لئے کروڑوں روپیہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے اپنے زمانہ میں بڑی قربانی کی ہے۔ لیکن آپ کی وفات پر ابھی صرف ۳۸ سال ہی ہوئے ہیں کہ جماعت میں سے بعض ڈاؤن اس ڈول ہونے لگے ہیں اور پیغامیوں سے چند روپے لے کر ایمان کو یہیخے لگے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض پر سلسلہ بنے ہزار ہاروپے خرچ کئے ہیں۔ میں پچھلے حسابات نکوار ہا ہوں اور میں نے دفتر والوں سے کہا ہے کہ وہ بتائیں کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے۔ حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فوت ہوئے ۳۸ سال ہو چکے ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کی وفات پر ۲۲ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ گویا حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فاصلہ زیادہ ہے۔ اور پھر آپ کی اولاد بھی زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود میں نے حسابات نکلائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کے خاندان کی نسبت حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر کم خرچ کیا ہے، لیکن پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کی اولاد میں یہ لائق پیدا ہوئی کہ خلافت کو سنبھالو، یہ ہمارے باپ کا حق تھا جو ہمیں ملنا چاہئے تھا۔ چنانچہ سنده سے ایک آدمی نے مجھے لکھا کہ یہاں میاں عبد النان صاحب کے بھانجے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ایک پروردہ شخص بشیر احمد آیا۔ اور اس نے کہا کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کا مال تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو ملنا چاہئے تھا لیکن حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد نے اسے غصب کر لیا۔ اب ہم سب نے مل کر یہ کوشش کرنی ہے کہ اس حق کو دوبارہ حاصل کریں۔ پھر میں نے میاں عبد السلام صاحب کی پہلی بیوی کے سوتیلے بھائی کا ایک خط پڑھا جس میں اس نے اپنے سوتیلے ماں کو لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ مشرق بیگان کی جماعت نے ایک ریزو لیشن پاس کر کے اس فتنہ سے نفرت کا اطمینان کیا ہے۔ ہمیں تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا۔ ہمارے لئے تو موقع تھا کہ ہم کوشش کر کے اپنے خاندان کی وجہت کو دوبارہ قائم کرتے۔ یہ ویسی ہی نامعقول حرکت ہے جیسی حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر لاہور کے بعض مخالفین نے کی تھی۔ انہوں نے آپ کے نعلیٰ جتازے نکالے اور آپ کی وفات پر خوشی کے شادیاں نے بجائے۔ وہ تو دشمن تھے۔ لیکن یہ لوگ احمدی کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا

چاہئے اور اپنے خاندان کی وجاہت کو قائم کرنا چاہئے۔ حالانکہ حضرت خلیفہ اولؐ کو جو عزت اور درجہ ملا ہے وہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملا ہے۔ اب جو چیز آپ کو حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی تھی وہ ان لوگوں کے نزدیک ان کے خاندان کی جائیداد بن گئی۔ یہ وہی فقرہ ہے۔ جو پرانے زمانہ میں ان لڑکوں کی والدہ نے مجھے کماکہ پیغامی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت تو حضرت خلیفہ السعیج اولؐ کی تھی۔ اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے کسی بیٹے کو خلیفہ بنالیا جاتا تو ہم اس کی بیعت کر لیتے۔ مگر مرحوم صاحب کا خلافت سے کیا تعلق تھا کہ آپ کے بیٹے کو خلیفہ بنالیا گیا، اس وقت میری بھی جوانی تھی میں نے انہیں کماکہ آپ کے لئے راستہ کھلا ہے، تاگے چلتے ہیں (ان دونوں قادریاں میں ریل نہیں آئی تھی) آپ چاہیں تو لاہور چلی جائیں۔ میں آپ کو نہیں روکتا۔ وہاں جا کر آپ کو پتہ لگ جائیا کہ وہ آپ کی کیا امداد کرتے ہیں۔ وہاں تو مولوی محمد علی صاحب کو بھی خلافت نہیں ملی۔ انہیں صرف امارت ملی تھی۔ اور امارت بھی ایسی کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہیں وصیت کرنی پڑی کہ فلاں فلاں شخص ان کے جنازے پر نہ آئے۔ ان کی اپنی تحریر موجود ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولوی صدر الدین صاحب، شیخ عبدالرحمن صاحب مصری اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب میرے خلاف پر اپیگنڈہ میں اپنی پوری قوت خرچ کر رہے ہیں اور انہوں نے منکر کو پہاڑ بنا کر جماعت میں فتنہ پیدا کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ اور ان لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب پر طرح طرح کے الزمات لگائے۔ یہاں تک کیا کہ آپ نے احتمالت سے انکار کر دیا ہے اور انہم کا مال غصب کر لیا ہے۔ اب بتاؤ جب وہ شخص جو اس جماعت کا بانی تھا، اسے یہ کہنا پڑا کہ جماعت کے بڑے بڑے آدمی مجھ پر الزام لگاتے ہیں اور مجھے مرد اور جماعت کا مال غصب کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ تو اگر وہاں دودھ پینے والے چھوکرے چلے جاتے تو انہیں کیا ملتا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں پانچ پانچ روپے کے وظیفے دے کر کسی سکول میں داخل کر دیا جاتا۔ مگر ہم نے تو ان کی تعلیم پر بڑا روپیہ خرچ کیا اور اس قابل بنا لیا کہ یہ بڑے آدمی کمال سکیں۔ لیکن انہوں نے یہ کیا کہ جس جماعت نے انہیں پڑھایا تھا اس کو تباہ کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اس سے بڑا کروار کیا قساوت قلبی ہو گی کہ جن غریبوں نے انہیں پیسے دے کر اس مقام پر پہنچایا، یہ لوگ انہی کو تباہ کرنے کی کوشش میں لگ جائیں۔ جماعت میں ایسے ایسے غریب ہیں کہ جن کی غربت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر وہ لوگ چندہ دیتے ہیں۔ ایک دفعہ قادریاں میں ایک غریب احمدی

میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ امراء کے ہاں دعوئیں کھاتے ہیں ایک دفعہ آپ میرے گھر بھی تشریف لائیں اور میری دعوت کو قبول فرمائیں۔ میں نے کاماتم بست غریب ہو میں نہیں چاہتا کہ دعوت کی وجہ سے تم پر کوئی بوجہ پڑے۔ اس نے کہا میں غریب ہوں تو کیا ہوا آپ میری دعوت ضرور قبول کریں۔ میں نے پھر بھی انکار کیا۔ مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔ چنانچہ ایک دن میں اس کے گھر گیا۔ تاکہ اس کی دلبوحی ہو جائے۔ مجھے یاد نہیں اس نے چائے کی دعوت کی تھی یا کھانا کھایا تھا۔ مگر جب میں اس کے گھر سے لکھا تو گلی میں ایک احمدی دوست عبد العزیز صاحب کھڑے تھے۔ وہ پسروں ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور مخلص احمدی تھے۔ لیکن انہیں اعتراض کرنے کی عادت تھی۔ میں نے انہیں دیکھا تو میرا دل بیٹھ گیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ آپ یہ دوست مجھ پر ضرور اعتراض کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا۔ حضور آپ ایسے غریبوں کی دعوت بھی قبول کر لیتے ہیں۔ میں نے کہ عبد العزیز صاحب میرے لئے دونوں طرح مصیبت ہے اگر میں انکار کروں۔ تو غریب کہتا ہے میں غریب ہوں اس لئے میری دعوت نہیں کھاتے اور اگر میں اس کی دعوت منظور کروں تو آپ لوگ کہتے ہیں کہ غریب کی دعوت کیوں مان لی۔ اب دیکھو اس شخص نے مجھے خود دعوت پر بلا یا تھا۔ میں نے بارہا انکار کیا لیکن وہ میرے پیچھے اس طرح پڑا کہ میں مجبور ہو گیا کہ اس کی دعوت مان لوں۔ لیکن دوسرے دوست کو اس پر اعتراض پیدا ہوا۔ غرض جماعت میں ایسے ایسے غریب بھی ہیں کہ ان کے ہاں کھانا کھانے پر بھی دوسروں کو اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ ایسی غریب جماعت نے ان لوگوں کی خدمت کرنے اور انہیں پڑھانے پر ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ کیا۔ میاں عبد السلام کو وکیل بنایا۔ عبد المنان کو ایم۔ اے کروایا۔ عبد الوہاب کو بھی تعلیم دلائی۔ اسے وظیفہ دیا لاهور بھیجا اور ہوشل میں داخل کروایا مگر اسے خود تعلیم کا شوق نہیں تھا۔ اس لئے وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ لیکن پھر بھی جماعت نے اسے پڑھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ بعد میں میں نے محقق گزارہ دے کر اسے دہلی بھجوایا اور کہا کہ تمہارے باپ کا پیشہ طب تھا۔ تم بھی طب پڑھ لو۔ چنانچہ اسے حکیم اجمل خاں صاحب کے کالج میں طب پڑھائی گئی۔ گواں نے وہاں بھی وہی حرکت کی کہ پڑھائی کی طرف توجہ نہ کی اور فیل ہوا۔ لیکن اس نے اتنی تکلفدی کی کہ اپنی یوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ چنانچہ یوں پاس ہو گئی اور امتحان میں اول آئی۔ اب مسلمہ کے اس روپیہ کی وجہ سے جو اس پر خرچ کیا گیا، وہ اپنا گزارہ کر رہا ہے اور اس نے اپنے دو اخانہ کا نام دو اخانہ

نور الدین رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ دراصل وہ دو اخانہ سلسلہ احمدیہ ہے کیونکہ سلسلہ احمدیہ کے روپیہ سے تھی وہ اس حد تک پہنچا ہے کہ دو اخانہ کو جاری رکھ سکے۔ اب وہ لکھتا ہے کہ میری بیوی جو گولڈ میڈل سٹ ہے وہ علاج کرتی ہے۔ وہ یہ کیوں نہیں لکھتا کہ میری بیوی جس کو سلسلہ احمدیہ نے خرچ دے کر پڑھایا ہے علاج کرتی ہے۔ غرض چاہے تعلیم کو لیا جائے، طب کو لیا جائے یا کسی اور پیشہ کو لیا جائے۔ یہ لوگ سلسلہ کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ لوگ سلسلہ احمدیہ کو ہی تباہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ جسے کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ سلسلہ ایک چنان ہے جو اس پر گرے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مست جائے گا۔ اور کوئی شخص بھی خواہ اس کی پشت پناہ احراری ہوں یا پیغامی ہوں۔ اس کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو گا۔ اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنے والے ذمیل اور خوار ہوں گے اور قیامت تک ذلت اور رسولی میں جتلاء رہیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عزت اور رفتہ دینا چلا جائے گا۔ اور تمام دنیا میں آپ کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ پھیلتا چلا جائے گا اور جب آپ کے ذریعہ ہی اسلام ہو گئے گا تو لازمی طور پر جو لوگ آپ کے ذریعہ اسلام قبول کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کیں گے۔ وہ آپ پر بھی ایمان لا کیں گے۔ لیکن اس سلسلہ کی تباہی کا ارادہ کرنے والے ابھی زندہ ہی ہو گئے۔ کہ ان کی عزیزیں ان کی آنکھوں کے سامنے خاک میں مل جائیں گی۔ اور پیغامیوں نے جوان سے مدد کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ بھی خاک میں مل جائے گا۔ مولوی محمد علی صاحب سے ان لوگوں نے جو وعدہ کیا تھا کیا وہ پورا ہوا۔ ان کا انجام آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ اب ان لوگوں کا انجام مولوی محمد علی صاحب سے بھی بدتر ہو گا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے سلسلہ سے علیحدگی اختیار کی تھی اور انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی تھی۔ تو انہوں نے سلسلہ احمدیہ کی ایک عرصہ کی خدمت کے بعد ایسا کیا تھا۔ انہیں دنیا کی خدمت کا موقع ملا تھا۔ رسالہ ریو یو آف ریلیزز دنیا میں بہت مقبول ہوا اور وہ اس کے ایئر میٹر تھے۔ پھر انہوں نے اپنے خرچ سے پڑھائی کی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے یا اپنے باپ کے پیسے سے پڑھائی نہیں کی۔ بلکہ غریب لوگوں کے پیسے سے کی۔ جو بعض فخر رات کوفاتھ سے سوتے ہیں۔ اور اس سارے احسان کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کو تباہ کرنے کے لئے

کھڑے ہو گئے۔
یاد رکھو

تمہارا نام انصار اللہ ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ گویا تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ اس لئے تم کو بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ابتدیت کے مظہر ہو جاؤ۔ تم اپنے انصار ہونے کی علامت یعنی خلافت کو یہیہ بھیش کے لئے قائم رکھتے چلے جاؤ۔ اور کوشش کرو کہ یہ کام نسل۔ بعد نسل چلتا چلا جاوے۔ اور اس کے دوزری یہ ہو سکتے ہیں۔ ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی جائے اور اس میں خلافت کی محبت قائم کی جائے۔ اسی لئے میں نے اطفال الاحمدیہ کی تنظیم قائم کی تھی اور خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ اطفال اور خدام آپ اور گوں کے ہی پیچے ہیں۔ اگر اطفال الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی۔ تو خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی۔ اور اگر خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی تو اُنکی نسل انصار اللہ کی اعلیٰ ہو گی۔ میں نے بیڑھیاں بنا دی ہیں۔ آگے کام کرنا تمہارا کام ہے۔ پہلی بیڑھی اطفال الاحمدیہ ہے۔ دوسری بیڑھی خدام الاحمدیہ ہے۔ تیسرا بیڑھی انصار اللہ ہے۔ اور چوتھی بیڑھی خدا تعالیٰ ہے۔ تم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو۔ اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تو یہ چاروں بیڑھیاں مکمل ہو جائیں گی۔ اگر تمہارے اطفال اور خدام نمیک ہو جائیں اور پھر تم بھی دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ تو پھر تمہارے لئے عرش سے پیچے کوئی جگہ نہیں اور جو عرش پر چلا جائے وہ بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ رینا حملہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ سو دو سو فٹ پر حملہ کر سکتی ہے۔ وہ عرش پر حملہ نہیں کر سکتی۔ پس اگر تم اپنی اصلاح کرو گے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور اگر تم حقیقی انصار اللہ بن جاؤ اور

خدا تعالیٰ سے تعلق

پیدا کرو تو تمہارے اندر خلافت بھی دائی طور پر رہے گی اور وہ عیسائیت کی خلافت سے بھی بھی چلے گی۔ عیسائیوں کی تعداد تو تمام کوششوں کے بعد مسلمانوں سے قریباً روگی ہوئی ہے۔ مگر

تمارے متعلق تو حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشہوںی ہے کہ اللہ تعالیٰ تماری تعداد کو اتنا بڑھا دے گا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوسرے تمام مذاہب ہندو ازם 'بدھ مت'، عیسائیت اور شنتوازم وغیرہ کے پیرو تمارے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اقوام کی طرح رہ جائیں گے۔ یعنی ان کی تعداد تمارے مقابلہ میں وسیعی ہی بے حقیقت ہو گی۔ جیسے آج کل ادنیٰ اقوام کی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ وہ دون جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے یقیناً آئے گا۔ لیکن جب آئے گا۔ تو اس ذریحہ سے آئے گا کہ

خلافت کو قائم رکھا جائے

تبیخ اسلام کو قائم رکھا جائے، تحریک جدید کو مضبوط کیا جائے، اشاعت اسلام کے لئے جماعت میں شفت زیادہ ہو۔ اور دنیا کے کسی کونہ کو بھی بغیر مبلغ کے نہ چھوڑا جائے۔ مجھے پیروںی ممالک سے کثرت سے چھپیاں آ رہی ہیں، کہ مبلغ بھیجے جائیں۔ اس لئے ہمیں تبلیغ کے کام کو بہر حال و سعی کرنا پڑے گا۔ اور اتنا و سعی کرنا پڑے گا کہ موجودہ کام اس کے مقابلہ میں لاکھوں حصہ بھی نہ رہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ خلافت کی وجہ سے رومن کیستولک اس قدر مضبوط ہو گئے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے پڑھا کہ ان کے ۵۲ لاکھ مبلغ ہیں۔ ان سے اپنا مقابلہ کرو اور خیال کرو کہ تم سو ذریعہ سو مبلغوں کے اخراجات پر ہی گھبرانے لگ جاتے ہو۔ اگر تم ان سے تین چار گنے زیادہ طاقت درجننا چاہتے ہو، تو ضروری ہے کہ تمہارا دو کروڑ مبلغ ہو۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے سب مبلغ ملائے جائیں۔ تو ان کی تعداد دو سو کے قریب بنتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو مسلمان کر لیں۔ بدھوں کو مسلمان کر لیں۔ شنتوازم والوں کو مسلمان کر لیں۔ کشفیوں ازם کے پیروؤں کو مسلمان کر لیں۔ تو اس کے لئے دو کروڑ مبلغوں کی ضرورت ہے۔ اور ان مبلغوں کو پیدا کرنا اور پھر ان سے کام لیتا بغیر خلافت کے نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک میں ایک کمائی مشہور ہے کہ ایک بادشاہ جب مرنے لگا۔ تو اس نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا، اور انہیں کہا۔ ایک جھاڑو لاؤ۔ وہ ایک جھاڑو لے آئے۔ اس نے اس کا ایک ایک تنکا انہیں دیا اور کہا۔ اسے توڑو اور انہوں نے اسے فوراً توڑ دیا۔ پھر اس نے سارا جھاڑو انہیں دیا کہ اب اسے توڑو۔ انہوں نے باری باری پورا زور لگایا مگر وہ جھاڑو ان سے نہ ٹوٹا۔ اس پر اس نے کہا۔ میرے بیٹوں دیکھوں ہیں ایک ایک تنکا دیا۔ تو تم نے اسے بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ لیکن جب سارا

جھاؤد تمہیں دیا تو باد بجود اس کے کہ تم نے پورا ذور لگایا، وہ تم سے نہ نوٹا۔ اسی طرح اگر تم میرے مرنے کے بعد بکھر گئے تو ہر شخص تمہیں تباہ کر سکے گا۔ لیکن اگر تم متعدد رہے تو تم ایک مضبوط سوٹے کی طرح بن جاؤ گے جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکے گی۔ اسی طرح اگر تم نے خلافت کے نظام کو توڑ دیا تو تمہاری کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اور تمہیں دشمن کھا جائیگا۔ لیکن اگر تم نے خلافت کو قائم رکھا۔ تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تباہ نہیں کر سکے گی۔ تم دیکھ لو۔ ہماری جماعت کتنی غریب ہے لیکن خلافت کی وجہ سے اسے بڑی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس نے وہ کام کیا ہے جو دنیا کے دوسرے مسلمان نہیں کر سکے۔ مصر کا ایک اخبار الفتح ہے جو مسلمہ کا شدید مخالف ہے۔ اس میں ایک دفعہ کسی نے مضمون لکھا کہ گذشت ۱۳۰۰ سال میں مسلمانوں میں بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں مگر انہوں نے اسلام کی وہ خدمت نہیں کی جو اس غریب جماعت نے کی ہے۔ اور یہ چیز ہر جگہ نظر آتی ہے۔ یورپ والے بھی اسے مانتے ہیں اور ہمارے مبلغوں کا بڑا اعزاز کرتے ہیں اور انہیں اپنی دعوتوں اور دوسری تقریبیوں میں بلاتے ہیں یہ صرف

خلافت ہی کی برکت

تھی۔ جس نے احمدیوں کو ایک نظام میں پر دیا۔ اور اس کے نتیجے میں انہیں طاقت حاصل ہو گئی میرے سامنے اس وقت چوہدری غلام حسین صاحب بیٹھے ہیں۔ جو مخلص احمدی ہیں اور صحابی ہیں۔ یہ اپنی آواز کو امریکہ کس طرح پہنچا سکتے ہیں۔ یہ اپنی آواز کو انگلینڈ کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ یہ اپنی آواز کو فرانس جرمنی اور جیمن میں کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بے شک جو شیلے احمدی ہیں۔ مگر یہ اپنی آواز دوسرے ملک میں اپنے دوسرے احمدی بھائیوں کے ساتھ مل کر ہی پہنچا سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ اسی مل کر کام کرنے سے اسرائیل کو ڈرپیدا ہوا۔ اور اسی مل کر کام کرنے سے ہی پاکستان کے مولوی ڈرے۔ اور انہوں نے ملک کے ہر کوئی میں یہ جھوٹا پر اپینڈنڈ شروع کر دیا کہ احمدیوں نے ملک کے سب کلیدی عمدے سنبھال لئے ہیں انہیں اقلیت قرار دیا جائے اور ان عمدوں سے انہیں ہٹا دیا جائے۔ حالانکہ کلیدی عمدے انہی کے پاس ہیں۔ ہمارے پاس نہیں۔ یہ سب طاقت خلافت کی وجہ سے ہے۔ خلافت کی وجہ سے ہی ہم اکٹھے رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔

اب اس فتنہ کو دیکھو جو سن ۱۵۳ء کے بعد جماعت میں اٹھا۔ اس میں سارے احراری فتنہ پر داڑوں کے ساتھ ہیں۔ تمیں یاد ہے کہ سن ۱۳۲ء میں بھی احراری اپنا سارا ازور لگا چکے ہیں۔ اور بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ بھی وہ ضرور ناکام ہوں گے۔ اس وجہ اگر انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ کی اولاد ان کے ساتھ ہے، اس لئے وہ جیت جائیں گے۔ تو انہیں جان لینا چاہئے کہ جماعت کے اندر اتنا ایمان ہے کہ حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کے مقابلہ میں خواہ کوئی اٹھے، جماعت احمدیہ اس کا کبھی ساتھ نہیں دے گی۔ کیونکہ انہوں نے دلائل اور معجزات کو دیکھ کر حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا ہے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر تحقیقات کی ہے۔ کوئی گورنر انوالہ میں تھا۔ کوئی گھروات میں تھا۔ کوئی شنوبورہ میں تھا۔ وہاں جب حضرت سُعیج موعود علیہ السلام کی کتابیں پہنچیں اور آپ کے دلائل نقل کر کے بھجوائے گئے، تو وہ لوگ ایمان لے آئے۔ پھر ایک دھاکہ میں پر دئے جانے کی وجہ سے انہیں طاقت حاصل ہو گئی۔ اب دیکھ لو۔ یہ حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی طاقت تھی کہ آپ نے اعلان فرمادیا۔ کہ حضرت سُعیج علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ بس حضرت سُعیج علیہ السلام کی موت سے ساری عیسائیت مر گئی۔ اب یہ کتنا صاف مسئلہ تھا مگر کسی اور مولوی کو نظر نہ آیا۔ سارے علماء کتابیں پڑھتے رہے۔ لیکن ان میں سے کسی کو یہ مسئلہ نہ سوچتا۔ اور وہ حیران تھے۔ کہ عیسائیت کا مقابلہ کیسے کریں۔ حضرت مرزا صاحب نے آکر عیسائیت کے زور کو توڑ دیا۔ اور وفات سُعیج کا ایسا مسئلہ بیان کیا کہ ایک طرف مولویوں کا زور ٹوٹ گیا۔ تو دوسری طرف عیسائی ختم ہو گئے۔ بھیرہ میں ایک غیر احمدی حکیم الدین صاحب ہوتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح اولؑ سے بھی بڑا حکیم سمجھتے تھے۔ ایک دن حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حکیم فضل الدین صاحب "انہیں ملنے کے لئے گئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ انہیں احمدیت کی تبلیغ کریں۔ حکیم الدین صاحب بڑے رعب والے شخص تھے وہ جوش میں آگے اور کنے لگے۔ تو کل کاچھ ہے اور مجھے تبلیغ کرنے آیا ہے۔ تو احمدیت کو کیا سمجھتا ہے۔ میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی مشورہ کتاب برائیں احمدیہ لکھی جس سے اسلام تمام نہ اہب پر غالب ثابت ہوتا تھا۔ مگر مولویوں نے آپ پر کفر کا فتوی لگا دیا۔ حضرت مرزا صاحب کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا۔ اچھا تم بڑے عالم بنے پھرتے ہو۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کریم سے فوت شدہ ثابت کر دیتا ہوں تم اسے

زندہ ثابت کر کے دکھاؤ۔ گویا آپ نے یہ مسئلہ ان مولویوں کو ذمیل کرنے کے لئے بیان کیا تھا۔ ورنہ درحقیقت آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیینی علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ پھر حکیم صاحب نے ایک سمجھی گالی دے کر کہا۔ کہ مولوی لوگ پورا زور لگا پکے ہیں مگر حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں ناکام رہے ہیں۔ اس کا اب ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ سب مل کر حضرت مرزا صاحب کے پاس جائیں اور کہیں۔ کہ ہم آپ کو سب سے بڑا عالم تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ہارے اور آپ جیتے۔ اور اپنی گپڑیاں ان کے پاؤں پر رکھ دیں اور درخواست کریں کہ اب آپ ہی قرآن کریم سے حضرت عیینی علیہ السلام کی زندگی ثابت کر دیں۔ ہم تو پھنس گئے ہیں، اب معافی چاہتے ہیں۔ اور آپ کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اگر مولوی صاحب ایسا کریں، تو دیکھ لینا حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم میں سے ہی حضرت عیینی علیہ السلام کو زندہ ثابت کر دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ عظمت دی ہے کہ آپ کے مقابلہ میں اور کوئی نہیں نھر سکتا۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ کیونکہ اگر وہ جماعت میں بڑا ہے۔ تو آپ کی غلامی کی وجہ سے بڑا ہے۔ آپ کی غلامی سے باہر نکل کر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب چشمہ معرفت لکھی تو کسی مسئلہ کے متعلق آپ کو خیال پیدا ہوا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح اولؐ کی بھی کوئی کتاب پڑھ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے۔ آپ نے مجھے بلا یا اور فرمایا۔ محمود ذرا مولوی صاحب کی کتاب تصدیق برائین احمدیہ لاڈ اور مجھے سنا۔ چنانچہ میں وہ کتاب لایا اور آپ نے نصف گھنٹہ تک کتاب سنی۔ اس کے بعد فرمایا اس کو وہیں رکھ آؤ اس کی ضرورت نہیں۔ اب تم حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب چشمہ معرفت کو بھی پڑھو اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؐ کی کتاب تصدیق برائین احمدیہ کو بھی دیکھو اور پھر سوچو کر کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے اور کیا آپ نے کوئی لکھ بھی اس کتاب سے اخذ کیا ہے۔ حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اس کتاب میں پیدا اکش عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسے سائل بیان فرمائے ہیں کہ ساری دنیا سرد ہفتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ یہ لا ایش عقدے تھے۔ جنہیں حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حل کر دیا۔

یہ سب برکت جو ہمیں ملی ہے

محض حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی ہے۔ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ اپنی ساری زندگی آپ کے لائے ہوئے پیغام کی خدمت میں لگادیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد پھر اس کی اولاد اور پھر اس کی اولاد بلکہ آپ کی آئندہ ہزاروں سال تک کی نسلیں اس کی خدمت میں گلی رہیں۔ اور حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کو قائم رکھیں۔ مجھ پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ گویا میں اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر میرا کوئی بیٹا ایسا خیال بھی دل میں لا بیگنا تو وہ اسی وقت احمدیت سے نکل جائیگا۔ بلکہ میں جماعت سے کہتا ہوں کہ وہ دعا میں کرے کہ خدا تعالیٰ میری اولاد کو اس قسم کے وسوسوں سے پاک رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس پروپیگنڈہ کی وجہ سے میرے کسی کمزور بیچے کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو جائے۔ حضرت خلیفۃ الرسیح اولؑ تو حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آقانتھے، اگر ان کی اولاد میں بھی کسی وقت یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ وہ خلافت کو حاصل کریں تو وہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ چیز خدا تعالیٰ نے اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کے مال کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہے وہ چاہے کسی نبی کی اولاد ہو یا کسی خلیفہ کی، وہ تباہ و بر باد ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے گھر میں چوری نہیں ہو سکتی۔ چوری ادنیٰ لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کرتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصِّدْقَاتِ لَيُشَتَّلِفُنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(سورۃ النور آیت ۵۶)

کہ موننوں سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ گویا

خلافت خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے

اور اس نے خود دینی ہے۔ جو اسے لینا چاہتا ہے چاہے وہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ہو یا حضرت خلیفۃ الرسیح اولؑ کا، وہ یقیناً سزا پائے گا۔

پس یہ مت سمجھو کر یہ فتنہ جماعت کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اس کا مقابلہ کرو اور سلسہ احمدیہ کو اس سے بچاؤ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنِ اتَّخَذَهُ

(سورۃ المائدۃ آیت ۲۸)

وہ آپ کو لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا اور کس کا وعدہ ہو سکتا ہے۔ مگر کیا صحابہؓ نے کبھی آپؐ کی حفاظت کا خیال پھوڑا۔ بلکہ صحابہؓ نے ہر موقع پر آپؐ کی حفاظت کی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر تھیاروں کی آواز سنی تو آپؐ باہر نکلے اور دریافت کیا۔ کہ یہ کیسی آواز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم انصار ہیں۔ چونکہ اور گرد و شمن جمع ہے، اس لئے ہم ہتھیار لگا کر آپؐ کا پھرہ دینے آئے ہیں۔ اسی طرح جنگ احزاب میں جب دشمن حملہ کرتا تھا۔ تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیڈ کی طرف جاتا تھا۔ آپؐ کے ساتھ اس وقت صرف سات سو صحابہؓ تھے۔ کیونکہ پانچ سو صحابہؓ کو آپؐ نے عورتوں کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا اور دشمن کی تعداد اس وقت سولہ ہزار سے زیادہ تھی۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دشمن ناکام و نامراد رہا۔ میور جیسا دشمن اسلام لکھتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور کفار کے مغلظت کھانے کی یہ وجہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں کی اس محبت کا جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھی، غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ خندق سے گزر کر سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیے کا رخ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سب مل کر ان پر حملہ کرتے اور ایسا دیوانہ اور مقابلہ کرتے کہ کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کفار یہ غلطی نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیے کی بجائے کسی اور جنت میں حملہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے۔ لیکن وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیے کا رخ کرتے تھے اور مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن آپؐ کی ذات پر حملہ آور ہو۔ اس لئے وہ بے جگری سے حملہ کرتے اور کفار کا مومنہ توڑ دیتے۔ ان کے اندر شیر کی طاقت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔
یہ وہ بچی محبت تھی۔ جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ آپ لوگ بھی ان

جیسی محبت اپنے اندر پیدا کریں۔ جب

آپ نے انصار کا نام

قول کیا ہے تو ان جیسی محبت بھی پیدا کریں۔ آپ کے نام کی نسبت خدا تعالیٰ سے ہے اور خدا تعالیٰ یہ شہر رہنے والا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی چاہئے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ انصار کے نام کو یہ شہر کے لئے قائم رکھو۔ اور یہ شہر دین کی خدمت میں لگے رہو۔ کیونکہ اگر خلافت قائم رہے گی تو اس کو انصار کی بھی ضرورت ہوگی۔ خدام کی بھی ضرورت ہوگی اور اطفال کی بھی ضرورت ہوگی۔ ورنہ اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اکیلانی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ دیکھو حضرت سعیؑ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حواری دئے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی جماعت دی۔ اسی طرح اگر خلافت قائم رہے گی۔ تو ضروری ہے کہ اطفال الاصحیہ۔ خدام الاصحیہ اور انصار اللہ بھی قائم رہیں۔ اور جب یہ ساری تنظیمیں قائم رہیں گی تو خلافت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم رہے گی۔ کیونکہ جب دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے لاکھوں لاکھ آدمی خلافت کے لئے جان دینے پر تیار ہیں تو جیسا کہ میور کے قول کے مطابق جنگ احزاد کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیس پر حملہ کرنے کی وجہ سے حملہ آور بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اسی طرح دشمن ادھر رخ کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ اس کے لئے لاکھوں اطفال، خدام اور انصار جائیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے اگر اس نے حملہ کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ غرض دشمن کسی رنگ میں بھی آئے جماعت اس سے دھوکہ نہیں کھانسکیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بہر ٹگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من انداز ندت رامے شاسم

کہ تو کسی رنگ کا کپڑا پہن کر آجائے۔ تو کوئی بھیں بدلتے۔ میں تیرے دھوکہ میں نہیں آسکتا کیونکہ میں تیراً قد پہچانتا ہوں۔ اسی طرح چاہے خلافت کا دشمن حضرت خلیفۃ المسیح اولؐ کی اولاد کی شکل میں آئے اور چاہے وہ کسی بڑے اور مقرب صحابی کی اولاد کی شکل میں آئے۔ ایک مخلاص آدمی اسے دیکھ کر یہی کہے گا کہ۔

بہر ٹگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من انداز تدت رائے شام
 یعنی تو کسی رنگ میں بھی آ۔ اور کسی بھی میں بھی آ۔ میں تمیرے دھوکہ میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ
 میں تمیری چال اور قد کو پہچانتا ہوں۔ تو چاہے مولوی محمد علی صاحب کا جہہ پہن لے۔ چاہے احمدیہ
 انہم اشاعت اسلام کا جہہ پہن لے یا حضرت خلیفۃ المسکوٰ اولؑ کی اولاد کا جہہ پہن لے۔ میں
 تمہیں پہچان لوں گا اور تمیرے دھوکہ میں نہیں آؤں گا۔ مجھے راولپنڈی کے ایک خادم نے ایک
 دفعہ لکھا تھا کہ شروع شروع میں اللہ رکھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مری کے امیر کے نام مجھے
 ایک تعارفی خط لکھ دو۔ میں نے کہا میں کیوں لکھوں۔ مری جا کر پوچھ لو کہ وہاں کی جماعت کا کون
 امیر ہے۔ مجھے اس وقت فوراً خیال آیا کہ یہ کوئی منافق ہے۔ چنانچہ میں نے لا حول پڑھنا شروع
 کر دیا اور آدھ گھنٹہ تک پڑھتا رہا اور سمجھا کہ شاید مجھے میں بھی کوئی شخص ہے جس کی وجہ سے یہ
 منافق میرے پاس آیا ہے۔ تو احمدی عتلنڈ ہوتے ہیں، وہ منافقوں کے فریب میں نہیں آتے۔
 کوئی کزوڑ احمدی ان کے فریب میں آجائے تو اور بات ہے، ورنہ اکثر احمدی انہیں خوب جانتے
 ہیں۔ اب انہوں نے لاہور میں اشتہارات چھاپنے شروع کئے ہیں۔ جب مجھے بعض لوگوں نے یہ
 اطلاع دی تو میں نے کہا گھبراو نہیں۔ پیسے ختم ہو جائیں گے تو خود بخود اشتہارات بند ہو جائیں
 گے۔ مجھے لاہور سے ایک دوست نے لکھا کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ وہ اخباروں میں
 شور چائیں اور اشتہارات شائع کریں۔ وہ دوست نہایت مخلص ہیں اور منافقین کا بڑے ہوش
 سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ مگر منافق اسے کذاب کاظطب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص یونہی
 ہمارے متعلق خبریں اڑاتا رہتا ہے۔ لیکن ہم اسے جھوٹا کیوں کر کیں۔ اوہ ہمارے پاس یہ خبر
 پہنچی کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ اشتہارات شائع کے جائیں اور ادھر لاہور کی جماعت
 نے ہمیں ایک اشتہار بیج دیا جو ان منافقین نے شائع کیا تھا اور جب بات پوری ہو گئی تو ہم نے
 سمجھ لیا کہ اس دوست نے جو خبر بیجی تھی وہ چیز ہے۔
 میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو

حقیقی انصار بنائے۔

چونکہ تمہاری نسبت اس کے نام سے ہے۔ اس لئے جس طرح وہ بیشہ زندہ رہے گا، اسی طرح وہ
 آپ لوگوں کی تنظیم کو بھی تاقیامت زندہ رکھے اور جماعت میں خلافت بھی قائم رہے۔ اور

خلافت کی سپاہ بھی قائم رہے۔ لیکن ہماری فوج تکاروں والی نہیں۔ ان انصار میں سے تو بعض ایسے ضعیف ہیں کہ ان سے ایک ڈنڈا بھی نہیں اٹھایا جاسکتا لیکن پھر بھی

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج ہیں۔

اور ان کی وجہ سے احمدیت پھیلی ہے اور امید ہے کہ آئندہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اور زیادہ پھیلے گی۔ اور اگر جماعت زیادہ مضبوط ہو جائے تو اس کا بوجہ بھی انشاء اللہ ہلکا ہو جائے گا۔ ورنہ انفرادی طور پر کچھ دیر کے بعد آدمی تھک جاتا ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں احمدیت کی اشاعت کی کوشش کرو اور انہیں تبلیغ کرو تاکہ اگلے سال ہماری جماعت موجودہ تعداد سے دو گنی ہو جائے اور تحریک جدید میں حصہ لینے والے دو ماہ چندہ دیں اور پھر اپنی دعاوں اور نیکی اور تقویٰ کے ساتھ نوبوانوں پر اثر ڈالو تاکہ وہ بھی دعائیں کرنے لگ جائیں اور صاحب کشوف و روایاء ہو جائیں۔ جس جماعت میں صاحب کشوف و روایاء زیادہ ہو جاتے ہیں وہ جماعت مضبوط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انسان کی دلیل سے اتنی تسلی نہیں ہوتی جتنا تسلی کشف اور روایاء سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔

(اقتباس اقتضائی خطاب سالانہ اجتماع مجلس انصار اللہ مرکزیہ سورخہ ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء

بحوالہ الفضل ۲۱۔ مارچ ۱۹۵۷ء اور ۲۳۔ مارچ ۱۹۵۷ء)

قرآن کریم میں احمدی خواتین کا ذکر اس اعتبار سے انصار اللہ کی ذمہ داری

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے تیرے سالانہ اجتماع سے خطاب
تشدید و تعویذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت
فرمائی۔

وَالنُّزُغُتُ غَرْقًا ۝ وَالنُّشْطَتُ نَشْطًا ۝ وَالشَّبَغُتُ سَبَحًا ۝
فَالشَّبِقُتُ سَبِقًا ۝ فَالْمَدَرَتُ أَمْرًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّابِقَةُ ۝
تَقْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قَلْبُكَ يَوْمَئِذٍ وَأَيْفَةً ۝ أَبْصَارُهَا خَابِشَعَةً ۝
(سورۃ النُّزُغ ۲۰۲ آیات)

اس کے بعد فرمایا۔ یہ آیات جن کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے، ہم اب تک ان کے صرف ایک
ہی مضموم پر زور دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے اندر بعض اور مضامین بھی پائے جاتے ہیں

گذشتہ مفسرین

تو ان آیات کے یہ سنتے کرتے رہے ہیں کہ اس جگہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ فرشتے کے لئے
مونٹ کا سیفہ استعمال کرتے ہیں اور ہمارا چونکہ سارے سینے مونٹ کے استعمال کئے گئے ہیں۔
اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں فرشتوں کا ذکر ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات فرشتوں پر
چپاں ہی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ان میں ہے ہی نہیں۔ غرقا
کے سنتے اگر جسمانی غرق کے سمجھیں تو فرشتے کوں سے تالاب میں غوطہ مارا کرتے ہیں اور اگر
اس کے سنتے روحانی سمجھیں، تو غَرْقًا کے یہ سنتے ہوں گے کہ وہ علوم میں محو ہو کر نئے
نکتے نکلتے ہیں۔ اور فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں جن باتوں کا علم دیا جانا
ضروری تھا، ان کا انہیں شروع سے علم دے دیا گیا ہے۔ اور جنہیں شروع سے علم دے دیا گیا

ہو، انہوں نے محو کیا ہونا ہے۔ انہیں تو محو ہونے کے بغیر ہی علم مل چکا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں خود فرشتے کرتے ہیں کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سمجھایا ہے اور جو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا انہیں خدا تعالیٰ نے سمجھایا ہے۔ انہیں نقدہ اور دوسرے مسائل اور علوم میں غرق ہو کر نئے نئے نکلنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں تو خود خدا تعالیٰ نے سب کچھ سمجھایا ہے۔ پس یہ آیات فرشتوں پر صادق آہی نہیں سکتیں۔ ہمارے نزدیک اس جگہ

صحابہؓ کی جماعت کا ذکر

ہے۔ اور چونکہ جماعت کے لئے بھی موہنث کا صینہ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے **وَالنَّانِعَاتِ غُرْفَةً** کے معنے یہ ہوئے کہ ہم شادات کے طور پر صحابہؓ کی ان جماعتوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو اسلام کی تعلیم میں محو ہو کر وہ مسائل نکالتی ہیں، جو اسلام کی سچائی کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ مگر چند دن ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ

ان آیات کے تیرے معنی

یہ ہیں کہ ہم ان عورتوں کو شادات کے طور پر پیش کرتے ہیں جو **وَالنَّانِعَاتِ غُرْفَةً** کی مصدقہ ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم پر غور کر کے ان سے نئے نئے نکلنے نکالتی ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم میں انہاک پیدا کرتی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام نے ان پر رحم کیا ہے اور اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ عورت کے مال ہونے کے لحاظ سے کیا حقوق ہیں، بیٹی ہونے کے لحاظ سے کیا حقوق ہیں، بیوی ہونے کے لحاظ سے کیا حقوق ہیں، ترکہ میں اس کے کیا حقوق ہیں، اور اس طرح تمدنی زندگی میں اس کے کیا حقوق ہیں۔ اسی وجہ سے احمدیت میں شامل ہو کر عورتیں جس قدر قربانی اور ایثار سے کام لے رہی ہیں اس کی مثال اور کسی قوم میں نہیں ملتی۔ چنانچہ دیکھ لو مسجد ہیگ (ہالینڈ) صرف عورتوں نے بنائی ہے۔ اگرچہ نیبرگ (جرمنی) کی مسجد مردوں نے اپنے روپیہ سے بنائی ہے۔ مگر اس کا پورا چندہ ابھی تک وہ ادا نہیں کر سکے۔ لیکن ہیگ کی مسجد کا تمام چندہ عورتیں ادا کر چکی ہیں۔ صرف اس کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے۔ یہ

قرآنی صرف احمدی عورتوں میں پائی جاتی ہے

مسلمانوں کا اور کوئی فرقہ نہیں جس کی عورتیں اس طرح اشاعت اسلام کا کام کر رہی ہوں۔ اہم دینیت کو لے لو، حنفیوں کو لے لو، مالکیوں کو لے لو، ان میں کہیں ایسی عورتیں نظر نہیں آتیں۔ جو اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر اور اسلام کی محبت میں غرق ہو کر اس کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہی ہوں۔ صرف احمدیوں میں ہی یہ بات نظر آتی ہے کہ ان کی عورتیں غیر ملکوں میں تبلیغ کے لئے چندے دیتی ہیں۔ اور بعض دفعہ تو اتنی غریب عورتیں چندہ دیتی ہیں کہ ہمیں لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

مجھے یاد ہے پچھے سال میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سنار لاکا جو چینیوں میں رہتا ہے آیا اور اس نے سونے کے کڑے میرے ہاتھ پر لا کر رکھ دیئے اور کما کہ میری ماں کہتی ہے۔ کہ یہ کڑے میں نے کسی خاص مقصد کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ انہیں چکر کسی دینی کام میں لگالیں۔ چنانچہ میں نے انہیں چکر کر قسم مسجد ہیگ میں دے دی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ۵-۳ سو کے ہوں گے۔ یہ چیز ہے جو صرف احمدی عورتوں میں پائی جاتی ہے، اس کی مثال نہ حنفیوں میں پائی جاتی ہے، نہ مالکیوں میں پائی جاتی ہے، نہ چینیوں میں پائی جاتی ہے، نہ شافعیوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح روحاںی فرقوں کو لے لو، تو نہ چینیوں میں پائی جاتی ہے، نہ سرور دیویوں میں پائی جاتی ہے، اور نہ قادریوں میں پائی جاتی ہے۔ صرف احمدیوں میں پائی جاتی ہے غرض روحاںی فرقوں کے لحاظ سے بھی احمدیوں عورتیں تمام روحاںی فرقوں کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ اور دوسرے فرقوں کے لحاظ سے بھی جو نقیٰ اختلاف کی وجہ سے قائم ہوئے ہیں احمدی عورتیں سب سے مقدم ہیں۔ ہاں اگر غیروں کو لیا جائے، تو ہم ان کے مقابلے میں ابھی کمزور ہیں۔ یعنی عیسائیوں کی عورتوں نے عیسائیت کی خاطر بہت زیادہ قربانی کی ہے۔ بے شک ہماری عورتوں نے بھی قربانی کی ہے۔ اور وہ تبلیغ کا کام کرتی ہیں۔ مگر قربانی کے لحاظ سے ابھی وہ ان سے کم ہیں مثلاً بھین میں ایک دفعہ عیسائیوں کے خلاف بغاوت ہوئی۔ وہاں ان دونوں ایک عورت تبلیغ کا کام کر رہی تھی۔ چینیوں نے حملہ کر کے اس عورت کو مار ڈالا اور اس کے گوشت کے کتاب کھائے۔ جب یہ خبر انگلستان میں پہنچی تو انگلستان میں اعلان کیا گیا کہ بھین میں ہماری ایک عورت مبلغ تھی۔ چینیوں نے اسے مار دیا ہے اور اس کے گوشت کے کتاب بنایا کہ

کھائے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی جگہ کام کرنے کے لئے کوئی اور عورت اپنا نام پیش کرے۔ شام تک ۲۰ ہزار عورتوں کی طرف سے تار آگئے کہ ہم وہاں جانے کے لئے تیار ہیں، ہمیں وہاں بھجوادیا جائے۔ یہ نمونہ تو ہم میں ابھی نظر نہیں آتا بلکہ ہمیں شرم آتی ہے کہ اس کام میں عیسائی ہم پر فوکت رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان کو انہیں سو سال ہو گئے ہیں۔ اور ہمیں ابھی اتنے سال نہیں ہوئے۔ مگر بہر حال جوانی میں زیادہ جوش ہونا چاہئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ غنقریب ہماری عورتیں ان سے بھی زیادہ جوش دکھائیں گی۔ بعض مثالیں یہ تک ہماری جماعت میں اچھی ملتی ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ ایک غیر ملکی طالب علم یہاں آیا۔ اس نے کہا کہ میری شادی یہاں کر دیں۔ میں نے کسی خطبہ یا مجلس میں ذکر کیا کہ اس طرح ایک غیر ملکی کی خواہش ہے۔ تو ایک لڑکی آئی اور اس نے کہا کہ میں تیار ہوں آپ میرا نکاح اس غیر ملکی سے کر دیں۔ اس کے بعد اس کی بہن آئی اور میری بیوی سے کہنے لگی کہ میری بہن تو منہ بچت ہے۔ وہ خود آ کر کہہ گئی ہے لیکن میں نے ابھی تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ میں تین چار سال سے اس بات کے لئے تیار ہوں کہ میری کسی غیر ملکی سے شادی کر کے مجھے باہر بیجخ دیا جائے۔ آخر ان میں سے ایک بہن کی اس سے شادی ہو گئی اور اب وہ دلی میں ہے۔ ابھی کل ہی اس کے ہاں لڑکی پیدا ہونے کی خبر چھپی ہے۔ صلح الشیبی ہمارے ایک غیر ملکی احمدی نوجوان ہیں۔ پچھلے سال ان سے اس کی شادی ہوئی اور اب ان کے ہاں دلی میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ تو اس قسم کی مثالیں تو احمدیوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ زیادہ شاذ اور مثال ہے کہ ایک عورت ماری گئی اور اس کے کباب کھائے گئے اور جب اخباروں میں اعلان کیا گیا کہ اس کی جگہ لینے کے لئے اور عورتیں اپنے آپ کو پیش کریں تو شام تک ۲۰ ہزار عورتوں کی تاریں آگئیں کہ ہم وہاں جانے کے لئے تیار ہیں۔ بہر حال اس سے ملتی جلتی بعض کمزور مثالیں تو ہم میں پائی جاتی ہیں، لیکن زیادہ شاذ اور اچھی مثالیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہمارا ایک مبلغ افریقہ گیا تھا۔ واپس آکر ایک لڑکی سے اس سے شادی کرنی چاہی۔ اس کی پسلے ایک شادی دیست افریقہ میں ہو چکی تھی۔ اب ایک غیر ملکی مبلغ سے شادی کرنا، جب کہ اس کی ایک بیوی پسلے موجود ہو اور جب کہ اس ملک میں انتارواج ہو کہ لوگ ڈیڑھ ڈیڑھ سو یو یاں کرتے ہوں، بڑی قربانی چاہتا ہے مگر وہ لڑکی راضی ہو گئی۔ چنانچہ اب وہ افریقہ بیجخ چکی ہے۔ اس نے بڑی محبت سے اپنی سوکن کے بچوں کو یہاں پالا۔ وہ مبلغ افریقہ سے یہاں آیا تھا اور اپنی ایک پہلی بیوی کو بھی یہاں لاایا تھا اور دو بچے بھی

ساتھ تھے۔ وہ لوکی اپنے خاوند کی پہلی بیوی کا بھی خیال رکھتی رہی اور اس کے بچوں کا بھی خیال رکھتی رہی۔ گوان میں سے ایک بچہ بعد میں بھاگ گیا۔ اب وہ میرے ایک سمجھنے کی بیوی کے ساتھ مل کر انگلستان کے رست سے اپنے خاوند کے پاس پہنچ گئی ہے۔ تو اس قسم کی مثالیں توہم میں موجود ہیں مگر اس شان کی نہیں جس شان کی عیسائیوں میں پائی جاتی ہیں۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں عورتوں کے جلسے میں یہ تقریر کرتا مگر افاقت مردوں کا جلسہ آگیا۔ اس لئے میں مردوں کے جلسے میں یہ تقریر کرتے ہوئے انہیں صحیح کرتا ہوں کہ

اپنی عورتوں کو سمجھاؤ

اور انہیں کو کہ تم کو بھی عیسائی عورتوں کی طرح قربانی پیش کرنی چاہئے۔ جیسا کہ میں نے مثال دی ہے کہ ایک عورت کو مار دیا گیا اور اس کے گوشت کے کباب بنایا کر کھائے گئے۔ مگر اس کے قائم مقام کے لئے اعلان کیا گیا، تو شام تک میں ہزار عورتوں نے اپنا نام پیش کر دیا۔ کہ وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو سمجھائیں کہ تم بھی اپنے اندر اسی قسم کا اخلاص اور ایمان پیدا کرو۔ کل بیماری کی وجہ سے ایک غلطی ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ مجھے کل کے خطبہ بعد میں

تحریک جدید کے نئے سال کی مالی قربانیوں کا اعلان

کرنا چاہئے تھا۔ مگر اس کا اعلان کرنا بھول گیا۔ سو آج میں نئے سال کے چندہ تحریک جدید کا اعلان کرتا ہوں۔ اور دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ غیر ممالک میں اسلام کی اشاعت کا واحد ذریعہ ہمارے پاس تحریک جدید ہی ہے۔ میں نوجوانوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ آگے آئیں۔ اور اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ اور اپنے آپ کو دینی تعلیم حاصل کر کے اس قابل بنا کیں کہ انہیں غیر ملکوں میں بھیجا جاسکے اور جماعت کو میں تحریک کرتا ہوں کہ اگر ہمارے مبلغ برداشتے گئے۔ اور مسجدیں بڑھتی گئیں تو ہمارا خرچ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ ایک مسجد پر دو لاکھ روپیہ خرچ آتا ہے۔ اور میری سیکم ۵۰ ہزار مسجد بنانے کی ہے تم یہ نہ سمجھو کہ ہماری جماعت غریب ہے۔ میں نے ایک روڈیا دیکھی ہے جس سے خدا تعالیٰ نے مجھے تسلی دلائی ہے کہ یہ غربت عارضی ہے اور ایسے سامان پیدا ہونے والے ہیں کہ جن کے نتیجہ میں جماعت کو خدا تعالیٰ بہت سمجھے مال دے گا۔

میں نے خواب میں دیکھا

کہ زمینداروں کا ایک بہت بڑا گروہ ہے۔ وہ زمیندار ایسے ہیں جو مریبوں کے مالک ہیں۔ وہ راجہ علی محمد صاحب کے پاس آئے اور ان سے انہوں نے مصافحہ کیا۔ اور پھر ایک طرف چلے گئے۔ میں ان کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ اب خدا تعالیٰ چاہے گا تو یہ ۲۰ ہزار ہو جائیں گے۔ اور ان میں سے ہر شخص سال میں ایک ایک سورپریز بھی مساجد کے لئے دے تو ۶۰ لاکھ روپیہ ہو جائے گا اور ۲۰ لاکھ سے بیش مساجد بن سکتی ہیں۔ اس روایاء سے میں نے سمجھ لیا کہ اب خدا تعالیٰ اپنے فضل سے زمینداروں میں ہماری جماعت پھیلانا چاہتا ہے۔ اور وہ بھی ایسے زمینداروں میں جو کم سے کم ایک سورپریز سالانہ مساجد کے لئے دے سکتیں۔ مثلاً ہمارے ہاں مریبوں کے ملکوں کی آمد تین تین چار چار ہزار روپیہ ہے اور زمینداروں کا خرچ بہت کم ہوتا ہے۔ اگر وہ خود کام کریں تو تین چار ہزار کی بجائے وہ چھ سات ہزار روپیہ کام کسکتے ہیں۔ اور اس میں سے ایک سورپریز مساجد کے لئے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ چنانچہ میں خواب میں کہتا ہوں کہ اب یہ لوگ سانچھہ ہزار ہو جائیں گے اور اگر ایک ایک سورپریز بھی یہ لوگ مساجد کے لئے دیں تو ۶۰ لاکھ ہو جائے گا۔ اس کے بعد یکدم وہ آدمی تو میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ لیکن جانوروں کا ایک جھنڈا ازتا ہوا میرے سر پر سے گزرا۔ وہ جانور موگی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے مرغایاں ہوتیں ہیں۔ یہ جانور ایک خاص ترتیب کے ساتھ چلتے ہیں۔ میری نظر ان جانوروں پر پڑی اور میں نے کما اللہ تعالیٰ بھی کئی قدر توں والا ہے۔ اس نے ایسے جانور پیدا کئے ہیں کہ وہ ہیں تو انہوں سے ادنیٰ مگر ان کی تنظیم انہوں سے اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی ایسا ذریعہ نکلے کہ ہم انہوں میں بھی ان مرغاییوں والی تنظیم پیدا کر سکیں تو دنیا کو مجھ کرنا ہمارے لئے کہتا آسان ہو جائے۔ گویا اس خواب کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ زمینداروں والا تھا۔ اور دوسرا حصہ جانوروں والا ہے۔ وہ مرغایاں ہیں یا کوئی اور جانور ہیں میں نہیں جانتا، مگر ہیں فصلی جانور۔ وہ اس ترتیب سے اڑتے جا رہے ہیں کہ ایک آگے ہے اور دوسرا پیچھے ہیں۔ یہ بات عام طور پر مکھوں، سرخابوں، کونجوں اور مرغاییوں میں پائی جاتی ہے۔ میں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ کیسا قادر خدا ہے کہ ہم تو آج پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن یہ خصلت اور صفت ان میں آدم علیہ السلام کے زمانے سے پائی جاتی ہے۔ اور ابتداء سے اس نے جانوروں کے دماغ میں ایسا علم بھر دیا ہے کہ جس کے ماتحت وہ ہمیشہ ایک تنظیم

کے ساتھ اڑتے ہیں۔ اگر انسانوں کے اندر بھی ہم یہ تنظیم پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو جماعت احمدیہ باوجود تھوڑے ہونے کے ساری دنیا پر غالب آسکتی ہے۔ اس وقت بھی

ہماری تنظیم

یہ ہے، جس کی وجہ سے گوہماری جماعت بالکل غریب ہے، مگر پھر بھی اس کا سالانہ چندہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کو ملا کر بچھلے سال پچاس لاکھ کے قریب تھا، اور ہمیں امید ہے کہ یہ چندہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھتا چلا جائے گا۔ تھوڑے عرصہ میں یہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ چندہ ۲۵ لاکھ روپیہ ہو جائے گا۔ میں تو اپنے ذہن میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ اگر ہماری جماعت کا سالانہ چندہ تین کروڑ ہو جائے تو ہم پاکستان کے گوشے گوشے میں اپنے مبلغ پھیلائے ہیں۔ کیونکہ ۳ کروڑ سے ۲۵ لاکھ روپیہ ماہوار بنتا ہے اور ۲۵ لاکھ ماہوار روپیہ کے بینے یہ ہیں کہ اگر ہر مبلغ کی ماہوار تنخواہ ایک سو روپیہ بھی ہو تو ہم ۲۵ ہزار مبلغ رکھ سکتے ہیں۔ اور ۲۵ ہزار مبلغ پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ غرض آج میں تحریک جدید کے نئے سال کے لئے جماعت سے مالی قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اب الفضل اور تحریک جدید کے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ اس اعلان کو بار بار پھیلائیں۔ اور اس کی اشاعت کریں۔ ہر دوست کو چاہئے کہ وہ کوشش کرے کہ بچھلے سال اس نے جو کچھ چندہ دیا تھا، اس سال اس سے کچھ نہ کچھ بڑھا کر دے۔ بچھلے سالوں میں چونکہ چندے تھوڑے تھے۔ میں نے زیادہ سختی کی تھی اور کہا تھا کہ ہر شخص اپنے گذشتہ سالوں کے چندہ سے ڈیوٹھا دے۔ مگر اب میں اس قید کو ہٹاتا ہوں کیونکہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے چندوں کو زیادہ کر دیا ہے۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے بچھلے سال کے چندہ سے کم نہ دے۔ اور اگر زیادہ دے سکے مثلاً دس فیصدی زیادہ دے سکے یا پندرہ فیصدی زیادہ دے سکے یا بیس فیصدی زیادہ دے سکے تو یہ اس کی مرضی ہے اور اس کا یہ فضل اسے مزید ثواب کا مستحق بنادے گا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان نوافل کے ذریعہ ہی خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ فضل انسان اپنی مرضی سے ادا کرتا ہے اور فرض حکم کے ماتحت ادا کرتا ہے۔ ابھی ہماری شورمنی کے آنے میں، جب نئے سال کا بجٹ تیار ہوتا ہے، پانچ ماہ باقی ہیں۔ پانچ ماہ تک یہ چندہ جمع کرتے چلے جائیں اور اس کی تحریک دوستوں کو بار بار کریں۔ تاکہ پانچ ماہ کے بعد اس سال کا چندہ بچھلے سال کے چندہ سے بھی

زیادہ ہو جائے۔ اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے سارے یورپ میں مساجد بنائیں۔ اور افریقہ اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی اپنے مبلغ بڑھا سکیں۔ یہی ذریعہ ہماری کامیابی کا ہے۔ اس وقت غیر فرقوں پر اگر ہمیں کوئی فضیلت حاصل ہے تو یہی ہے کہ ہمارے مبلغ غیر ملکوں میں پائے جاتے ہیں اور ان کے نہیں پائے جاتے۔ اس کا انداز ہے کہ پرسوں مجھے کویت سے ایک جر من کا خط نلا۔ اس نے لکھا ہے کہ میں دیر سے اسلام کی طرف مائل ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اسلام کی تعلیم کمال سے حاصل کروں۔ یہاں ایک موئی نای ٹھنچی ہیں۔ (موئی کوئی غیر احمدی ہیں غالباً بھی کی طرف کے ہیں کیونکہ اس علاقہ میں ایسے نام رکھے جاتے ہیں) ان کو پڑھ لگا کہ مجھے اسلام کی طرف رغبت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر تو اسلام سیکھنا چاہتا ہے تو ربہ چلا جا۔ اور تو کسی نہیں سیکھ سکتا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے کوئی انتظام کریں۔ مجھ سے موئی نے وعدہ کیا ہے کہ خرچ میں دونگا۔ میں نے اسے لکھا ہے کہ خرچ کا سوال نہیں۔ ہمیں صرف یہ ضرورت ہے کہ تم اپنی طبیعت کو کم خرچ کرنے کی عادت ڈالو کیونکہ وہی مبلغ کامیاب ہو سکتا ہے جسے کم خرچ کرنے کی عادت ہو۔ مسٹر کنزے یہاں سے تعلیم حاصل کر کے گئے ہیں اور اب وہ شکاگو (امریکہ) میں ہمارے مبلغ ہیں۔ ان کو ہم جو گذارہ دیتے تھے، تم بھی اگر آؤ، تو وہی وظیفہ ہم تمہیں دے دیں گے۔ اپنے بُرکوں کو ہم چالیس روپے دیتے ہیں اور دوسروں کو سانچھ۔ اسی طریق کے مطابق اگر تم گذارہ کر سکو تو یہاں آجاؤ۔ تعلیم حاصل کر کے چلے جانا اور اپنے ملک میں تبلیغ کرنا۔ ہمیں موئی کے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ ہم خود تم کو وظیفہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اگر تم یہ کو کہ میرا چھ ہزار روپیہ میں گذارہ ہوتا ہے تو اس کی ہمیں توفیق نہیں کیونکہ ہم نے تو باہر سے کئی لوگوں کو بیلو اکر انہیں تعلیم دلانی ہے۔ اگر ہم بچاں آدمی بھی ملکوں کیں اور چھ ہزار روپیہ ماہوار ہر ایک کا خرچ دیں۔ تو تمیں لاکھ روپیہ بن جاتا ہے اور اس کی ہمیں توفیق نہیں۔ ابھی اس کا جواب تو نہیں آیا، لیکن اگر وہ یہاں آگیا اور پھر جر من سے بھی ایک پادری آ رہا ہے، تو یہ دو ہو جائیں گے۔ پھر ایک اور نوجوان آسٹریلیا کا ہے۔ اسے کچھ عربی بھی آتی ہے۔ وہ بچپن میں شیو نس چلا گیا تھا اور دست تک وہیں رہا۔ کوئی پندرہ میں سال وہاں رہ کر آسٹریلیا واپس آیا ہے۔ اس نے بھی لکھا ہے کہ میں اپنے آپ کو وقف کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ بھی آگیا تو تمیں بن جائیں گے۔ پھر ایک شخص فلپائن سے آ رہا ہے۔ وہاں کی گورنمنٹ اس کے راستے میں روکیں ڈال رہی ہے۔ اس لئے وہ ابھی تک نہیں آ سکا لیکن، روہ آگیا، تو چار

ہو جائیں گے۔ نیوارک سے اطلاع آئی ہے کہ ایک جبھی جو پلے پاری تھا، وہ بھی آنا چاہتا ہے۔ اگر وہ آگیا تو پانچ ہو جائیں گے۔ غرض اس وقت تک ہمارے پاس قریادس ممالک کے لوگوں کی درخواستیں پڑی ہوئی ہیں۔ کہ ہم ہماں آنا چاہتے ہیں بلکہ اب تو بھارت بھی غیر ملکی ہے۔ بھارت سے بھی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے ایک سکھ کی چھٹی آئی تھی کہ میں دین سیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کا انتظام کر دیں۔

غرض اللہ تعالیٰ دنیا میں چاروں طرف

اسلام کی اشاعت

کے لئے رستے کھول رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری جماعت قربانیوں کے میدان میں بیشہ آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھاتی چلی جائے۔ تاکہ ہر جگہ اسلام کو کامیابی کے ساتھ پھیلایا جاسکے۔ بے شک دنیا ہماری خلاف ہے مگر کامیابی الہی سلسلہ کے لئے ہی مقدر ہوتی ہے۔ خالقانہ تدبیریں سب خاک میں مل جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر دنیا میں غالب آ کر رہتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَكَرُوا مَكْرَاللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝

(سورۃ آل عمران آیت ۵۵)

کہ انسانوں نے بھی اسلام کو گلکست دینے کی بروی تدبیریں کیں اور ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی اسلام کو فتح دینے کی تدبیریں کیں۔ لیکن **وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ**۔ اللہ تعالیٰ کو بروی تدبیریں کرنی آتی ہیں اور آخر اللہ تعالیٰ کی تدبیریں ہی جنتی ہیں۔ دیکھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دشمن نے کتنی تدبیر کیں۔ لیکن بالآخر اسلام فاتح ہوا۔ مکہ فتح ہو گیا، سارا عرب فتح ہو گیا اور کفار کی تدبیر کسی کام نہ آئیں۔ کیونکہ وہ انسانی تدبیریں تھیں۔ بے شک کفار نے مسلمانوں پر بیسیوں حملے کئے۔ مدینہ کے دائیں بھی اور اس کے بائیں بھی۔ خود مدینہ پر بھی اور ان مسلمانوں پر بھی جو مدینہ کے رستے میں آباد ہو گئے تھے۔ مگر کفار کی ساری کوششیں بیکار ہو گئیں اور آخر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کسری اور قیصر دنوں کی حکومتیں ثوٹ کر چور چور ہو گئیں۔ پھر ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں اسلامی جرنیل طارق نے پہن کو فتح کیا اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے زیادہ دور کی بات نہیں، بلکہ اس وقت ابھی بعض صحابہؓ

زندہ موجود تھے۔ پھر معاویہ بن یزید کے ایک لڑکے عبدالرحمن نے دمشق سے جا کر اندر لس میں اموی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد گیارہ سو سال تک مسلمان اندر لس پر حکمران رہے۔ تو جس خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نشان دکھائے تھے وہ خدا ہمارے زمانے میں بھی موجود ہے۔ وہ بڑھا نہیں ہو گیا، وہ ویسا ہی جوان اور طاقت ور ہے جیسے پلے تھا۔ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر ایمان ہو۔ ہم نے بھی پیش کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے معا بعد ہم نے اپنے مبلغ کرم الہی ظفر کو پیش بھجوادیا تھا۔ میرے بچے طاہر اور محمود جو ولادت گئے ہوئے تھے وابس آتے ہوئے پیش بھی گئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ

پیش کے نو مسلم

بہت زیادہ مغلص ہیں۔ وہ خوب سوچ بھج کر اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر اس پر اپنی جانیں فدا کرتے ہیں۔ مجھے بھی اس کا ایک نمونہ لذن میں نظر آیا تھا۔ سن ۱۵۳۶ سے قبل کا ایک سیشن نو مسلم ڈاکٹر لذن کے قیام کے دوران میں مجھے ملا۔ وہ اس وقت لذن سے سو میل کے فاصلہ پر کسی جگہ پر رکھیں کرتا ہے۔ اس نے جب سنا کہ میں لذن میں آیا ہوں، تو وہ مجھے وہاں ملنے کے لئے آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کرم الہی ظفر نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ اس نے ہمیں اسلام بھی نعمت دی۔ پھر میں نے وہاں چھوٹے درجہ کی ڈاکٹری پاس کی تھی۔ اس نے مجھے تحریک کی کہ میں لذن چلا جاؤں اور وہاں اپنی تعلیم کو مکمل کروں۔ چنانچہ میں اس کی تحریک کے مطابق لذن آگیا۔ یہاں آ کر میں نے اپنی تعلیم کی سمجھیل کی اور اس وقت میری پریش بڑی اچھی ہے۔ میں لذن سے سو میل کے فاصلہ پر کام کرتا ہوں۔ اس لئے میں روزانہ لذن نہیں آ سکتا۔ اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ ان لوگوں میں اخلاص پایا جاتا ہے اور وہ قربانی کرنے والے ہیں۔ میرا پہلے تو یہ ارادہ تھا کہ کرم الہی ظفر کو روم بھجوادیا جائے۔ اب پچھوں کی شادوت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ کرم الہی ظفر کو پیش میں ہی رہنے دیں اور روم میں کسی اور مبلغ کو بھجوادیں۔ پہلے چوہہ روی ظفر اللہ خاصاً صاحب کی یہ تجویز تھی کہ میڈرڈ والے روم کی زبان کو خوب سمجھتے ہیں۔ اگر کرم الہی ظفر مرکز پر بوجھ ہوں تو انہیں روم بھجوادیا جائے۔ یہ وہاں جا کر بھی پیش والوں کو تبلیغ کر سکیں گے۔ لیکن اب چونکہ پتہ لگا ہے کہ پیش دا لے نو مسلم بڑے مغلص اور

ترقی کرنے والے ہیں۔ اس لئے اب یہی ارادہ ہے کہ کرم الہی ظفر کو دیں رہنے دیں۔ اور روم میں کسی اور مبلغ کو بھجوادیا جائے۔ صرف اخراجات کی تخفیف کر دی جائے۔ لیکن ہم پسلے بھی اپنے مبلغوں کو بہت کم خرچ دیتے ہیں۔ چنانچہ ملایا سے مجھے ایک غیر احمدی دوست نے ایک وفع خط لکھا کہ آپ اپنے مبلغوں کو اتنا خرچ تو دیں کہ جس سے وہ شریفانہ طور پر کھانا کھا سکیں اور اچھا بابس پہن سکیں۔ بعد میں وہ مجھے کونہ میں ملا، تو اس نے کہا کیا آپ کو میرا خط مل گیا تھا؟ میں نے کامل گیا تھا۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے میرے اس خط پر عمل بھی کیا؟ میں نے کہا ہم غریب لوگ ہیں، ہم اس پر کیا عمل کریں۔ اس نے کہا میں نے ملایا سے خط تو لکھ دیا تھا۔ لیکن میں نے نیت کر لی تھی کہ میں واپس جاؤں گا تو ذاتی طور پر بھی آپ سے ملوں گا اور زبانی عرض کروں گا کہ آپ کے

مبلغ بڑی جانشناختی سے کام کر رہے ہیں۔

لیکن آپ انہیں کھانے پینے اور رہائش کے لئے اتنے اخراجات تو دیں، جن سے وہ شریفانہ طور پر گذارہ کر سکیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ فقیروں کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے کپڑے پھٹ ہوتے ہوتے ہیں اور وہ معمولی تنوروں سے روٹی لے کر کھاتے ہیں جس کا دیکھنے والاں پر اچھا اڑ نہیں ہوتا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کے باوجود ہمیں روم اور جیمن میں اخراجات پر کنٹرول کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر اس سال تحریک جدید کا چندہ بڑھ جائے تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں ہم مبلغوں کے اخراجات کو بڑھا دیں۔ تاکہ وہ زیادہ عمرگی کے ساتھ کام کر سکیں۔ اب میں تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کر دیتا ہوں اور دعا کے بعد میں چلا جاؤں گا تاکہ دوسرا پروگرام شروع کیا جاسکے۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا میں نے کمی وفع کہا ہے کہ دوست اپنے بچوں کا بھی چندہ لکھوا یا کریں اور ساتھ ہی انہیں بتادیا کریں کہ یہ تحریک جدید کا چندہ ہے۔ تاکہ انہیں ساری عمر یاد رہے اور وہ اپنی اولادوں کو بھی اس کی نیجت کرتے رہیں۔ چاہے وہ چندہ دو آنے ہی کیوں نہ ہو یا ایک آنے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر بہر حال انہیں بتادیا کریں کہ ہم نے تمہاری طرف سے بھی تحریک جدید کا چندہ لکھوا دیا ہے اب تم بھی اس تحریک کے ایک بجاہد ہو۔ اس موقع پر ایک دوست کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا:-

پانچ روپیہ چندہ کی شرط تو اس شخص کے لئے ہے جو منفرد ہو۔ جس کا کوئی پچہ نہیں وہ اگر پانچ

روپے سے کم دے تو ہم نہیں لیں گے۔ لیکن اگر اپنے چندہ کے ساتھ بچوں کی طرف سے بھی کچھ چندہ لکھوا دیا جائے تو چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو ہم اسے منظور کر لیں گے۔
 (خطاب فرمودہ ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء۔ بحوالہ الفضل۔ نومبر ۱۹۵۷ء۔ ص ۱۳۸)

مالی قربانیوں میں اور روحانی اعتبار سے النصار اللہ ترقی کریں

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے چوتھے سالانہ اجتماع سے خطاب
تشدد و تعوز اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-
آج انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کی تقریب ہے۔ میں اس موقع پر آپ سے
دوسرا باتیں

کہنی چاہتا ہوں۔ ایک تو میں اس بارہ میں آپ سے خطاب کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے فرائض
کی طرف توجہ کریں۔ آپ کا نام انصار اللہ سوچ سمجھ کر رکھا گیا ہے۔ پندرہ سے چالیس سال تک
کی عمر کا زمانہ جوانی اور اسنگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس عمر کے افراد کا نام خدام الاحمدیہ
رکھا گیا ہے تاکہ وہ خدمتِ خلق کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کریں اور چالیس
سال سے اوپر عروالوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے۔ اس عمر میں انسان اپنے کاموں میں استحکام
پیدا کر لیتا ہے اور اگر وہ کہیں ملازم ہو تو اپنی ملازمت میں ترقی حاصل کر لیتا ہے۔ اور وہ اس
قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے

سرمایہ سے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت
کر سکے۔

پس آپ کا نام انصار اللہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے آپ دین کی خدمت کی
طرف توجہ کریں۔ اور یہ توجہ مالی لحاظ سے بھی ہوتی ہے اور دینی لحاظ سے بھی ہوتی ہے۔ دینی
لحاظ سے بھی آپ لوگوں کا فرض ہے کہ عبادت میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کریں۔ اور دین
کا چرچا زیادہ سے زیادہ کریں۔ تاکہ آپ کو ریکھ کر آپ کی اولادوں میں بھی نیکی پیدا ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن کریم میں یہی خوبی بیان کی گئی ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کو ہیشہ نماز وغیرہ کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ یہی اصل خدمت آپ لوگوں کی ہے۔ آپ خود بھی نماز اور ذکر الہی کی طرف توجہ کریں اور اپنی اولادوں کو بھی نماز اور ذکر الہی کی طرف توجہ دلاتے رہیں۔ جب تک جماعت میں یہ روح پیدا رہے اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فرشتوں کا تعلق قائم رہے اور اپنے اپنے درجہ کے مطابق کلامِ الہی ان پر نازل ہوتا رہے۔ اسی وقت تک جماعت زندہ رہتی ہے۔ کیونکہ اس میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی آواز سن کر اسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اور جب یہ چیز مٹ جاتی ہے اور لوگ خدا تعالیٰ سے بے تعلق ہو جاتے ہیں، تو اس وقت قومیں بھی مرنے لگ جاتی ہیں۔ پس آپ لوگوں کو ہیشہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اپنی اولادوں کو بھی

ذکرِ الہی کی تلقین

کرتے رہنا چاہئے اور اگر کوئی بشارت آپ پر نازل ہو تو ذرنا نہیں چاہئے، اسے اخبار میں اشاعت کے لئے سمجھ دینا چاہئے۔ اصل میں تو یہ انبیاء کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی روایاء و کشوف کو شائع کریں۔ لیکن انبیاء اور غیر انبیاء میں یہ فرق ہوتا ہے کہ انبیاء میں تحدی پائی جاتی ہے اور غیر انبیاء میں تحدی نہیں پائی جاتی۔ غیر انبیاء کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اکسار کے مقام کو قائم رکھیں۔ اور بے شک خدا تعالیٰ کی تازہ وحی کی جو بارش ان پر نازل ہو اس کا لوگوں کے سامنے ذکر کریں۔ لوگوں کو یہ نہ کہیں کہ تم ہماری بات ضرور مانو۔ ہاں نبی کا کلام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم میری باتیں مانو، نہیں تو تمہیں سزا ملے گی۔ لیکن غیر نبی کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ایمان کی زیادتی کے لئے خواب بیان کر دیتا ہے۔ لیکن وہ کسی سے یہ نہیں کہتا کہ تم میری بات ضرور مانو۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب میں غیر نبی ہوں تو اگر خدا تعالیٰ نے میری بات کسی سے منوانی ہے، تو وہ خدا اس کے لئے کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ مجھے اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن نبی اپنا حق سمجھتا ہے کہ وہ وحی پر زور دے۔ کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے ایسے رنگ میں کلام کرتا ہے، جس رنگ میں وہ کسی اور سے نہیں کرتا۔ اس لئے اگر کوئی شخص میری بات نہیں مانے گا تو اس کو سزا ملے گی اور اسی وجہ سے وہ تحدی کرتا ہے۔ لیکن دوسرا شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ پس جس شخص کو کوئی روایاء یا کشف ہو، اسے وہ کشف یا روایاء اخبار میں

چھوٹنے کے لئے بھیج دینا چاہئے۔ آگے الفضل والوں کا کام ہے کہ وہ اسے شائع کریں یا نہ کریں۔ یہ بھی غلط طریق ہے کہ بعض لوگ مجھے کہہ دیتے ہیں کہ الفضل ہمارا مضمون شائع نہیں کرتا۔ وہ پیشک نہ چھاپے تم چپ کر رہو۔ کیونکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کامفشاء نہیں کہ وہ پھیپھی، لیکن اس میں خود الفضل والوں کا اپنا فائدہ بھی ہے، کیونکہ اس سے جماعت کے اندر ایک بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی روایاء یا کشف یا الہام ہوتا ہے اور وہ شائع ہو جائے تو دوسروں کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم توجہ کریں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بھی کوئی روایاء یا کشف یا الہام ہو جائیگا۔ اس طرح الفضل سلسلہ کی ایک خدمت کرے گا۔ وہ جماعت کے اندر بیداری پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔ لیکن اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ خود گرفت کرے گا۔ آپ لوگوں کا صرف اتنا کام ہے کہ آپ اسے اس طرف توجہ دلائیں۔ لیکن اگر الفضل نہ چھاپے تو پھر اسے خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اور اصرار نہ کریں کہ الفضل ہماری خواب شائع کرے۔ ایذہ شر آزاد ہوتا ہے، اس کی مرضی ہے کہ کوئی چیز شائع کرے۔ یا نہ کرے اگر وہ اپنے فرانپش کو ادا نہیں کرتا، تو خدا تعالیٰ خود اس سے سمجھ لے گا۔ آپ اس پر داروغہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی فرماتا ہے کہ تم ان لوگوں پر داروغہ نہیں ہو۔ پھر تم داروغہ کھلانے والے کماں سے آگئے؟ بہر حال آپ انصار اللہ کے مقام کو قائم رکھنے کی کوشش کریں اور

النصار اللہ کے معنے

یہی ہیں کہ وہ روپیہ سے بھی دین کی خدمت کریں اور روحانی طور پر بھی دین کی خدمت کریں۔ میں نے بتایا ہے کہ روحانی طور پر دین کی خدمت یہی ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کریں۔ اور اگر اس کی طرف سے بارش کا کوئی چھینٹا آپ پر بھی پڑ جائے، تو ان چھینٹوں کو لوگوں تک بھی پہنچائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہی تو الگ رہی، خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر چیز کی قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ بارش ہوئی تو آپ باہر نکل آئے۔ اور اپنی زبان باہر نکال لی۔ اس پر بارش کا ایک قطرہ پڑا تو آپ نے فرمایا۔ یہ خدا کی رحمت کا تازہ نشان ہے۔ تو قرآن کریم تو الگ رہا۔ آپ نے بارش کے ایک قطرہ کو بھی خدا تعالیٰ کا تازہ نشان قرار دیا۔ اب اگر کسی شخص پر خدا تعالیٰ کا اتنا فضل ہو جاتا ہے کہ اسے کوئی کشف ہو جاتا ہے یا کوئی الہام ہو جاتا

ہے۔ تو وہ تو یقینی طور پر خدا تعالیٰ کا تازہ نشان ہے۔ پھر وہ تحدیر ث نعمت کیوں نہ کرے۔ تحدیر ث نعمت بھی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ اب

تحریک جدید کے نئے سال کے اعلان

کا وقت آگیا ہے۔ ہمارے زمہ بست بڑا کام ہے اور ہم نے تمام غیر ممالک میں مساجد بنائی ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک کی ایک چھنچ کی حالت پوری طرح مضبوط نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ شفاضت کرتا رہا ہے اور ہمارے کام چلتے رہے ہیں۔ کیونکہ ہماری باہر کی بعض جماعتیں اب مضبوط ہو گئی ہیں۔ مثلاً افریقہ کی جماعتیں دغیرہ اور وہ پاکستان کے قوانین کے ماتحت نہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے مساجد کی خاطر جو جماعت کو پونڈ اور ڈالر دیئے ہیں، ان سے کسی حد تک کام چلتا رہا ہے۔ مگر وہ جماعتیں ابھی کم ہیں۔ وہ زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتیں۔ ان کا بوجھ بنانے کا طریقہ یہی ہے کہ یہاں کا بوجھ یہاں کی جماعتیں اٹھائیں اور ان کو اس بوجھ سے فارغ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ غیر ملکوں میں مسجدیں بنائیں۔ امریکہ میں عام طور پر جبھی لوگ مسلمان ہیں اور جہیزوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی سمجھ کم ہوتی ہے۔ لیکن امریکہ میں ایک مسجد بنی ہے جس کے لئے ایک جبھی مرد اور اس کی بیوی نے اپنا مکان اور جائیداد وقف کر دی تھی۔ اور پھر انہوں نے کچھ اور روپیہ بھی دیا۔ اسی طرح کچھ چندہ دوسرے لوگوں نے بھی دیا۔ بہر حال وہ مسجد بن گئی ہے۔ اگر امریکہ کے جبھی لوگ جو اسلام سے بہت دور رہے ہیں اور اب قریب عرصہ میں اسلام میں داخل ہوئے ہیں، انہیں اتنی توفیق مل گئی ہے کہ وہ مساجد کے لئے اپنی جائیداد میں وقف کر دیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ جو رانے مسلمان چلتے ہیں وہ یہ کام نہ کریں۔ مغربی افریقہ میں بھی روپیہ بنت ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں ہمارے کچھ چیزیں ایسے ہیں جن کی زمینوں میں ہیروں اور سونے کی کائیں نکل آئی ہیں۔ اور ہزاروں ہزار پونڈ انہیں بطور نفع مل جاتا ہے۔ اگر ہمارے مبلغ ان میں تحریک جاری رکھیں اور وہ مساجد بنانے کی زمہ داری اپنے اوپر لے لیں یا کم سے کم دو دو تین تین مسجدیں مشرقی اور مغربی افریقہ والے بنا دیں تو پاکستان کی پونڈ جمع کرنے کی وقت دور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان ملکوں میں پونڈ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں پونڈ کثرت سے نہیں پایا جاتا۔ ہمارے ملک کی جو چیزیں ہیں ان کے بیچے کے لئے انہیں دوسری

قوموں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مگر بعض غیر ملکوں میں جن میں پونڈ پالا جاتا ہے، ایک چیزیں ہیں جن کا کوئی مقابلہ نہیں ملا۔ مغربی افریقہ میں سارا پونڈ ہیروں اور سونے کے ذریعہ سے آتا ہے۔ اور ہیروں اور سونے میں کوئی اور قوم ان کا مقابلہ نہیں کرتی۔ اس لئے لازماً ان کے پاس بست سا پونڈ خج جاتا ہے۔ اور اس سے ہمیں مدلل سکتی ہے۔ پھر ہماری جماعت فلپائن میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ اور ترقی کر رہی ہے۔ اگرچہ وہ ترقی آہستہ آہستہ ہو رہی ہے لیکن بہر حال ہو رہی ہے۔ پچھلے سال وہاں سے بیعت کا ایک خط آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ گھر میں پڑا رہا۔ میں تو یاری کی وجہ سے خط نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے وہ کہیں پڑا رہا۔ اب کے وہ خط اکلا تو معلوم ہوا کہ وہ بیعت ایک گورنر کی تھی۔ مگر ادھر خط ملا اور ادھر معلوم ہوا کہ وہ بے چارہ قتل بھی ہو گیا ہے۔ اب اس کے خط کے طبق کائی فائدہ ہوا ہے کہ وکیل افشاری نے کہا ہے کہ ہم اس کے پیوی بچوں کو ہمدردی کا خط لکھ دیتے ہیں۔ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ گورنر کماں سے آگیا، کوئی ذپی کمشز ہو گا۔ مگر اب وہاں سے جو طالب علم آیا ہوا ہے اس نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں بڑے بڑے جزیرے ہیں۔ ان جزیروں پر گورنر مقرر ہوتا ہے، ذپی کمشز نہیں ہوتا۔ اس نے بتایا کہ بیعت کا خط لکھنے والا گورنر ہی تھا۔ مگر وہ تو اب شہید ہو گیا ہے۔ اب اس کی جگہ ایک نائب گورنر نے بیعت کر لی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نصل سے اس علاقہ میں بھی ترقی ہوئی اگر خدا تعالیٰ چاہے تو امریکہ اور فلپائن وغیرہ علاقوں میں جماعت کو اور بھی ترقی ہو جائے گی۔ اور اس طرح ڈالر کی آسانی ہو جائے گی۔ امریکہ میں تبلیغ کا یہ اثر بھی ہے کہ دوسرے کئی ملکوں میں بھی ہماری تبلیغ کا اچھا اثر پڑ رہا ہے۔ چنانچہ مولوی نور الحنف صاحب انور جو حال ہی میں امریکہ سے آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مصر کا جو وائس کونسل تھا اس کے جزوے میں درد تھی اس نے آپ کو دعا کے لئے خط لکھا تھا۔ لیکن اس کو آپ کا جواب نہیں پہنچا۔ میں نے دفتر والوں سے خط نکالنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں وہ خط نہیں ملا۔ لیکن اب پرسوں یا اترسوں اس کا دوسرا خط آیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ غالباً میرا پہلا خط نہیں پہنچا۔ اب میں دوسرا خط لکھ رہا ہوں۔ میرے جزوے میں درد ہے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صحت دے۔ (النصار اللہ کے جلسہ کے بعد مولوی نور الحنف صاحب انور طے تو انہوں نے بتایا کہ اب اس کے جزوے کو آرام آچکا ہے۔ بلکہ میرے یہاں آنے سے بھی پہلے اسے آرام آچکا تھا۔ اس لئے یہ خط پہلے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے) انور صاحب نے یہ بھی بتایا کہ وہ کریل ناصر کا بھپن کا دوست ہے اور اس پر بست اثر رکھتا ہے۔ یہ

امریکہ میں تبلیغ کا ہی اثر ہے۔ ہم امریکہ میں تبلیغ کرتے ہیں تو مصری اور شامی بھی متاثر ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہی جماعت ہے جو اسلام کی خدمت کر رہی ہے۔ اور اس طرح قدرتی طور پر انہیں ہماری جماعت کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلی شای خود کی تختیوں کی وجہ سے ہمارے مبلغ نیر المحنی صاحب کاظم آیا تھا کہ اس نے ہماری جماعت کے بعض اوقاف میں دخل اندازی کی تھی۔ لیکن اب انہوں نے لکھا ہے کہ جوئے قوانین بنائے گئے ہیں ان میں کچھ سمجھائش معلوم ہوتی ہے۔ ان کے مطابق میں دوبارہ نالش کرنے لگا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصوہ والسلام کا ایک الامام ہے کہ یَذْعُونَ لَكَ أَبْدَالُ الشَّامِ ابدال شام تیرے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ شام میں جماعت پھیلے گی۔ پس دوستوں کو دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ وہاں جماعت کے لئے سوالت پیدا کرے اور وہاں جماعت کو کثرت کے ساتھ پھیلانے تا ابدال شام پیدا ہوں۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصوہ والسلام تو ہیں نہیں، یَذْعُونَ لَكَ کے یہی معنی ہیں کہ وہ جماعت کے لئے دعائیں کریں گے۔ اور ابدال نام بتاتا ہے کہ ان کی دعائیں سنی جائیں گی۔ ابدال کے معنی ہیں کہ ان کے اندر بڑی عظیم الشان تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اور خدا تعالیٰ کے مقرب ہو جائیں گے۔ پس اس کے لئے بھی دعاؤں میں لگے رہنا چاہئے کہ شام میں جو مشکلات ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دور کرے۔ وہاں مضبوط جماعت پیدا ہو اور ایسے ابدال پیدا ہوں، جو رات دن اسلام اور احمدیت کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ ہمیں پونڈ میا کرنے میں شام کا بھی برا دخل ہے۔ شام میں بھی ڈالر اور پونڈ کا زیادہ رواج ہے۔ اور وہاں سے ہمیں کچھ مدد مل جاتی ہے۔ بہر حال اگر سعودی عرب میں جماعت پھیلے، اسی طرح امریکہ اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ اور فلپائن میں ہماری جماعت پھیلے، تو ڈالر مل سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مشرقی اور مغربی افریقہ اور الگنڈا میں جماعت پھیلے، تو پونڈ جمع ہو جاتا ہے۔ یہ پونڈ اور ڈالر ہمیں اپنے لئے نہیں چاہیں۔ خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کے گھر کی تعمیر کے لئے ہمیں ان کی ضرورت ہے۔

پس دعائیں کرتے رہیں کہ خدا تعالیٰ ان ممالک میں جماعتیں قائم کرے اور ان میں ایسا اخلاص پیدا کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر سارے ممالک میں بنائیں۔ یہاں تک کہ دنیا کے چچے سے اللہ اکبر کی آواز آنے لگ جائے۔ اور جو ملک اب تک تثنیث کے پھیلانے کی وجہ سے بدنام تھا، وہ اب اپنے گوشہ گوشہ سے یہ آواز بلند کرے کہ مسیح تو کچھ بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ

ہی سب سے بڑا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ دین اسلام کی بڑی بھاری فتح ہے اور ہمارے لئے بھی یہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے حصول کا بڑا ذریعہ ہن سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص توہاں تبلیغ کے لئے جانیں سکتا۔ چند مبلغ گئے ہوئے ہیں۔ باقی لوگ یہ کر سکتے ہیں کہ ان کی روپیہ سے مدد کریں اور دعاوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا فضل چاہیں تاکہ وہ ان پر اپنے فرشتے اتارے اور ان کی پاؤں میں اٹر پیدا کرے۔ ہمارا ایک طالب علم جرمی گیا ہوا تھا۔ اس کا کلی ہی ایک خط آیا ہے کہ ایک پادری کی بیٹی میرے زیر تبلیغ تھی جو بہت حد تک احمدیت کی طرف مائل ہو گئی ہے۔ لیکن اسے باپ سے ڈر ہے کہ وہ اس کی مخالفت نہ کرے کیونکہ وہ پادری ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ پادری تو بہت مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس لڑکی کو سمجھا ہے کہ وہ ہماری کتابیں پڑھے اور اپنے باپ کو بھی سمجھائے۔ وہ بھی انشاء اللہ مسلمان ہو جائے گا۔ اس وقت تک یورپ میں دو پادری مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب اگر یہ احمدی ہو گیا تو تین ہو جائیں گے۔ ایک شخص جو باقاعدہ پادری تو نہیں لیکن اس نے پادری کی تعلیم حاصل کی ہوئی ہے وہ انگلینڈ میں احمدیت میں داخل ہوا ہے۔ اس کا باپ یہودی مذہب کا عالم تھا جب اس نے اپنے باپ سے ذکر کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے تو اسلام سچانظر نہیں آتا لیکن اگر تمیں سچانظر آئے تو میں تمیں روکتا نہیں، تم بے شک اسلام قبول کر لو۔ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے، اگر وہ خود اسلام قبول نہ کریں تو اپنی اولادوں کو اس کے قبول کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ آہست آہست رست کھول دیتا ہے۔ پس آپ لوگ دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ یورپ اور امریکہ میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے رست کھولے اور ہماری جو سکیم ہے کہ یورپ میں ہماری کئی مساجد ہوں، امریکہ کی ہر ریاست میں کئی مساجد ہوں۔ اس کو خدا تعالیٰ جلد سے جلد پورا کرے۔ اسی طرح چین کے لئے بھی دعا کریں کہ وہ اسلام کی ابتدائی فتوحات میں شامل تھا۔ مگر اب وہاں جبری طور پر عیسائیت کو پھیلا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں اسلام کی نصرت کے سامان پیدا کرے تا بنو امیہ کے زمانہ میں جو اسلام وہاں داخل ہوا تھا اور پھر وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ اسے احمدیت کے ذریعہ پھر وہاں دوبارہ قائم کر دے (اس کے بعد حضور نے دعا فرمائی) دعا کے بعد فرمایا:-

آنندہ کے لئے یاد رکھو کہ ہماری کی وجہ سے میرے پاؤں کا نیچتے ہیں۔ اس لئے تقریر کے وقت کوئی چھوٹی سی میز ہونی چاہئے، جس پر میں سوارا لے سکوں۔ خالی سوئی پر سوارا لینے سے

بعض اوقات کام نہیں بنتا۔ میر کے ساتھ میں زیادہ دیر کھڑا ہو سکتا ہوں اور بول بھی زیادہ سکتا ہوں۔ اس سال مجھے کمزوری زیادہ ہے گو عقلًا ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہم ہے۔ اس لئے کہ میں پسلے سمجھتا تھا کہ شاید یہ کمزوری بڑھاپے کی وجہ سے ہے، لیکن یہ تو چند ماہ سے فرق پڑا ہے۔ اور چند میونوں میں عمر میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے ڈاکٹروں کی رائے مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل میں کمزوری نہیں ہے صرف وہم ہے۔ ملنے والے بھی کہتے ہیں کہ آپ کی صحت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر مجھے کمزوری نظر آتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹروں کی رائے صحیح ہے کہ مجھے بیماری نہیں۔ مگر بہر حال جو خرابیاں ہیں وہ تو ہیں ہی۔ اس لئے ضروری ہے کہ تقریر کے وقت کوئی چھوٹی میر ہو، جس پر سارے سکون۔ کیونکہ غالی سوئی سے دل پر دہشت رہتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ میں کہیں گرنہ جاؤ۔ باقی دعائیں تو میں نے آپ لوگوں کے لئے بھی کر دی ہیں اور سلسلہ کے لئے بھی کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور آپ لوگ خیرو عافیت سے گھر جائیں اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے دلیرانہ کوشش کریں تاکہ خدا تعالیٰ آپ کی کوششوں میں برکت دے۔ اور سلسلہ کی مالی حالت اور تحریک جدید جو غیر ملکوں میں تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے ہے، اس کی مالی حالتوں میں زیادہ سے زیادہ ترقی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے لوگوں کو پسلے سے زیادہ قربانی کرنے کی توفیق دے اور چھپلے سال ہمارے ملک میں فصل ریبع کی جو تباہی آئی تھی آئندہ اس سے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے۔ پھر نبی فضلوں میں بھی برکت دے تاکہ زمینداروں کے چھپلے نقصان دوڑ ہو جائیں اور آئندہ کے لئے وہ اور قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہماری جماعت میں زمیندار ہی زیادہ ہیں اور ان کی مالی کمزوری کا بجھ پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان پر اپنے فضلوں کی بارش نازل کرے اور اپنی تازہ بشارتوں یعنی الہامبوں اور کشوف اور خوابوں کے ذریعہ سے ان کے ایمانوں کو تقویت دے تاکہ وہ اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان گو زیادہ مضبوط بنا سکیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو بچی خواہیں آتی ہیں، ان کی اولادیں کم تی ہیں کہ ہمارے دادا کو ایسی خواب آئی تھی۔ پھر ان کی اولاد کم تی ہے کہ ہزارے پڑادا کو ایسی خواب آئی تھی۔ غرض تین تین پشت تک اس کا اثر جاتا ہے۔ اگر ہمارے دوست اس طرف توجہ کریں اور پھر اپنی اولاد کو بھی اس طرف توجہ دلاتے رہیں، تو ان کی کم سے کم تین چار پشتیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اگلی نسل بھی ایسی ہو جائے تو چھ پشتیں محفوظ ہو گیں۔ پھر ایک اور اگلی نسل بھی ایسی ہو۔

جائے تو نو شیش محفوظ ہو گئیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی رحمت ۳۰۰ سال تک تو محفوظ رہی اور تیرہ سو سال میں بڑے بھاری تغیر آ جاتے ہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ قیامت تک ہماری نسل محفوظ ہو جائے۔ کیونکہ احمدیت خدا تعالیٰ کا آخری جلال ہے اس آخری جلال کو کم سے کم قیامت تک قائم رہنا چاہئے، تاکہ ہمیشہ لوگوں میں روحاںیت اور ہدایت کی طرف توجہ کے سامان پیدا ہوتے رہیں۔ اگر یہ سامان مست گئے تو اور کوئی ذریعہ ہدایت کا دنیا میں نہیں رہے گا۔ غرض میں نے یہ دعائیں کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت پر بشارتیں نازل کرتا رہے۔ تا اس پر نئے سے نئے فضل نازل ہوتے رہیں اور ان کا ایمان روز بروز تمازہ ہو تاچلا جائے۔

(خطاب فرمودہ کیم نومبر ۱۹۵۸ء بحوالہ الفضل ۶۔ نومبر ۱۹۵۸ء ص ۱۳۳)

دائی روحاںی زندگی کیلئے خلافت احمدیہ کی اہمیت

اختتامی خطاب دوسرے اسلامی اجتماع مجلس انصار اللہ مرکزیہ

تشدد و تھوڑا اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں تقریر شروع کرنے سے پہلے انصار اللہ کا عمدہ ہر آتا ہوں۔ سب دوست کھڑے ہو جائیں اور میرے ساتھ عمدہ ہر آتے جائیں۔

حضور کے اس ارشاد پر سب دوست کھڑے ہو گئے اور حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الاثنی نے مندرجہ ذیل

عہد دھرا یا۔

”أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“

میں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ آخر دن تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے یہیشہ تیار رہوں گا نیز میں اپنی اولاد کو بھی یہیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔“

اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

کل کی تقریر کے بعد کھانے میں کچھ بد پرہیزی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے اسال آنے شروع ہو گئے اور پھر رات بھر اسال آتے رہے۔ جس کی وجہ سے میں اس وقت بست زیادہ کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن چونکہ احباب باہر سے تشریف لائے ہوئے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہاں آکر جو کچھ بھی کہ سکوں بیان کر دوں۔ میں نے کل اپنی تقریر میں کہا تھا کہ آپ کا نام انصار اللہ ہے۔ یعنی نہ صرف آپ انصار ہیں بلکہ آپ انصار اللہ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ اللہ تعالیٰ کو تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کی نسبت کی وضاحت سے یہ

بتایا گیا ہے کہ

آپ ہمیشہ اس عمد پر قائم رہیں گے

کیونکہ اللہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اس پر موت نہیں آتی۔ اس لئے آپ کے عمد پر کبھی موت نہیں آتی چاہئے۔ چونکہ موت سے کوئی انسان نج نہیں سکتا، اس لئے انصار اللہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تک آپ زندہ رہیں گے، اس عمد پر قائم رہیں گے اور اگر آپ مر گئے تو آپ کی اولاد اس عمد کو قائم رکھے گی۔ یہی وجہ سے کہ اس عمد میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ ”میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ“

خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین

کرتا رہوں گا۔“ اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کو اس بات کی توفیق دے دے۔ تو پھر کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ توفیق مل جائے کہ ہم عیسائیوں سے بھی زیادہ عرصہ تک خلافت کو قائم رکھ سکیں۔ خلافت کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ

تنظيم سلمہ

ایسی مضبوط رہے کہ تبلیغ احمدیت اور تبلیغ اسلام دنیا کے گوش گوشہ میں ہوتی رہے جو بغیر خلافت کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی ایک آدمی اس بات کی توفیق نہیں رکھتا۔ کہ وہ ہالینڈ، انگلینڈ، جرمنی، چین، فرانس، سکنڈے نیویا، سو ستر رلینڈ اور دوسرے ممالک میں مشتمل بھیج سکے۔ یہ کام صحیح ہو سکتا ہے جب ایک تنظیم ہو اور کوئی ایسا شخص ہو جس کے ہاتھ پر ساری جماعت جمع ہو اور وہ آنہ دو دو آنہ، چار چار آنہ، روپیہ دو روپیہ جماعت کے ہر فرد سے وصول کرتا رہے اور اس دو دو آنہ، چار چار آنہ اور روپیہ دو روپیہ سے اتنی رقم جمع ہو جائے کہ ساری دنیا میں تبلیغ ہو سکے۔ دیکھو عیسائیوں کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔ وہ اس وقت ۲۰ کروڑ کے قریب ہیں۔ پوپ جو عیسائی خلیفہ ہے، اس نے اس وقت یہ انتظام کیا ہوا ہے کہ ہر عیسائی سال میں ایک ایک آنہ بطور چندہ دیتا ہے۔ اور اس کو عیسائی پوپ کا آنہ (Pope's penny) کہتے ہیں اور اس طرح وہ پونے چار کروڑ روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن آپ لوگ باد جو اس کے کہ اتنا بوجھ اٹھاتے ہیں کہ کوئی اپنی ماہوار تنجواہ کا ۷۰ فیصدی چندہ دیتا ہے اور کوئی دس فیصدی چندہ دیتا ہے۔

اور پھر بارہ ماہ متواتر دیتا ہے۔ آپ کا چندہ پندرہ میں لاکھ بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری تعداد عیسائیوں سے بہت تھوڑی ہے۔ اگر ہمارے پاس پونے چار کروڑ روپیہ ہو جائے تو شاندہم دو سال میں عیسائیت کی دجیاں بکھیر دیں۔ اس تھوڑے سے چندہ سے بھی ہم وہ کام کرتے ہیں کہ دنیا و نگ رہ گئی ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے جن کے اقتباسات الفضل میں بھی چھپتے رہتے ہیں۔ کہ احمدیوں نے ہمارا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ جہاں بھی ہم جاتے ہیں، احمدیت کی تعلیم کی وجہ سے لوگ ہماری طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ صرف نئے لوگ عیسائیت میں داخل نہیں ہوتے بلکہ ہم سے نکل کر لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ ناچھریا اور گولڈ کوست کے متعلق تو یہ رپورٹ آئی ہے کہ وہاں جو لوگ احمدی ہوئے ہیں، ان میں سے زیادہ تر تعداد عیسائیوں سے آئی ہے۔ سیرالیون اور لاہوریا سے بھی رپورٹ آئی ہے کہ عیسائی لوگ کثرت سے احمدیت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور مسلمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں لوگ زیادہ تر مسلمانوں سے آئے ہیں کیونکہ یہاں مسلمان زیادہ ہیں اور عیسائی کم ہیں۔ لیکن وہاں چونکہ عیسائی زیادہ ہیں اس لئے زیادہ احمدی عیسائیوں سے ہی ہوئے ہیں۔ چنانچہ مغربی افریقیہ میں احمدیت کی ترقی کے متعلق گولڈ کوست یونیورسٹی کالج کے پروفیسر جے۔ ہی۔ ولیم سن نے اپنی ایک کتاب "سُجْيَانِ حَمْدٍ" میں لکھا ہے کہ

"اشائنی گولڈ کوست کے جنوبی حصوں میں عیسائیت آج کل ترقی کر رہی ہے۔ لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خصوصاً ساحل کے ساتھ ساتھ احمدیہ جماعت کو عظیم نتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ یہ خونگن توقع کہ گولڈ کوست جلد ہی عیسائی بن جائے گا، اب معرض خطر میں ہے اور یہ خطرہ ہمارے خیال کی وسعتوں سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ کیونکہ تعلیم یافت نوجوانوں کی خاصی تعداد احمدیت کی طرف کھینچی چلی جا رہی ہے اور یقیناً (یہ صورت) عیسائیت کے لئے ایک کھلا جیلنگ ہے"

پھر جو لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے اخلاص کی یہ حالت ہے کہ سیرالیون کے مشن نے لکھا کہ یہاں ایک عیسائی سردار تھا۔ جس کو یہاں چیف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ درحقیقت ان کی حیثیت ہمارے ملک کے ذیلداروں کی سی ہوتی ہے۔ مگر وہاں کی گورنمنٹ نے ان چیزوں کو بہت زیادہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ان کے پاس مقدمات جاتے ہیں اور گورنمنٹ نے ایک خاص حد تک ان کو سزا دینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ وہاں ملک کے روانج

کے مطابق چیف کو خدا تعالیٰ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ہماری طرح خدا تعالیٰ کی قسم کھانے کا رواج نہیں بلکہ وہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی سے قسم لینی ہو تو چیف کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا سہول جس پر وہ بیٹھتا ہے سامنے رکھ دیتا ہے اور مدعا یا اس کا نامہ اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے چیف کے اس سہول کی قسم کہ میں نے فلاں بات کی ہے یا نہیں کی اور اس کی بات مان لی جاتی ہے۔ ہمارے احمدیوں نے چیف کے سہول پر ہاتھ رکھ کر اس کی قسم کھانے سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ اور کمایہ شرک ہے۔ ہم تو خدا تعالیٰ کی قسم کھائیں گے لیکن چیف نے کہا میں تو خدا تعالیٰ کی قسم نہیں مانتا۔ ہمارے باپ دادا سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ اس سہول کی قسم کھائی جاتی ہے، اس لئے میں اس سہول کی قسم ہوں گا۔ لیکن احمدیوں نے ایسی قسم کھانے سے انکار کر دیا چنانچہ وہاں ایک کے بعد دوسرے احمدی کو سزا ملنی شروع ہوئی۔ لیکن احمدی سہول کی قسم کھانے سے برابر انکار کرتے گئے۔ آخر گورنمنٹ ڈرگنی اور اس نے کہا آخر تم کتنے احمدیوں کو جیل میں بند کرو گے۔ احمدیت تو اس علاقہ میں پھیل رہی ہے۔ اور اس کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ تسلیک آکر گورنمنٹ نے چیفس کو حکم دیا کہ اگر کسی مقدمہ میں کسی احمدی سے قسم لینے کی ضرورت پڑے تو اسے چیف کے سہول کی قسم نہ دی جائے بلکہ اسے خدا تعالیٰ کی قسم دی جائے۔ کیونکہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کسی قسم نہیں کھا سکتے۔ تو دیکھو وہاں احمدیت نے کایا پلٹ دی ہے۔ سیرالیون میں ہمارا ایک اخبار چھپتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے مبلغ نے لکھا کہ چونکہ ہمارے پاس کوئی پرنس نہیں تھا۔ اس لئے عیسائیوں کے پرنس میں وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے۔ لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پرنس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پرنس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائیوں کی بڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آتی اور اس نے کہ دیا کہ آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پرنس میں نہیں چھاپوں گا کیونکہ پادری بر امانتے ہیں۔ چنانچہ اخبار چھپنا بند ہو گیا۔ تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پلے ان کا اخبار ہمارے پرنس میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا

کوئی پر لیں نہیں۔ اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو سچ کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کے لئے خود سامان پیدا کرے۔ وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی جماعت کو تحریک کی کہ وہ چندہ کر کے اتنی رقم جمع کر دیں کہ ہم اپنا پر لیں خرید سکیں۔ اس سلسلہ میں میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سو میل پر ایک احمدی کے پاس گیا تاکہ اسے تحریک کروں کہ وہ اس کام میں حصہ لے۔ میں اس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا۔ کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آگیا اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اتر پڑا اور کہنے لگا آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا اس اس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھانپا بند کر دیا ہے۔ اگر سچ کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی مجوزہ دکھادے۔ وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اس نے پانچ سو پونڈ لا کر مجھے دے دیئے۔ پانچ سو پونڈ وہ اس سے پہلے دے چکا تھا۔ گویا تیرہ ہزار روپیہ کے قریب اس نے رقم دے دی۔ اور کہا میری خواہش ہے کہ آپ پر لیں کا جلدی انتظام کریں تاکہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھانپے سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی یہیں اپنا پر لیں دے دیا ہے۔ جماعت کے دوسرے دوستوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا ہے۔ اور اس وقت تک ۱۸۰۰ پونڈ سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے۔ اور انھیں میں ایک احمدی دوست کے ذریعہ پر لیں کے لئے آرڈر دے دیا گیا ہے۔

یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا، کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا۔ اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اس احمدی نے اسے تبلیغ شروع کر دی۔ وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو یہ دریا ادھر سے ادھر بہ رہا ہے۔ اگر یہ دریا یک دم اپنے رخ بدل لے اور یقچے سے اوپر کی طرف الباہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بیواعالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقی احمدی اس سے ملا اور چند دن اس سے باشیں کیس تو وہ احمدی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی۔ اب دیکھو لو ان لوگوں کے اندر جو اسلام اور احمدیت کے لئے غیرت پیدا ہوئی ہے۔ وہ محض

احمدیت کی برکت

کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگاتی تھی کہ آپ عیسائیت کے ابجٹ ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ آپ عیسائیت کے ابجٹ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ابجٹ ہیں۔ اگر آپ مخالفوں کے قول کے مطابق عیسائیت کے ابجٹ تھے تو عیسائیوں کو مسلمان بنانے کے کیا معنی۔ اگر آپ عیسائیوں کے ابجٹ ہوتے تو آپ مسلمانوں کو عیسائی بناتے نہ کہ عیسائیوں کو مسلمان۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے دشمن کی تائید کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جو شخص عیسائیت کی جزوں پر تبرکت ہے عیسائی لوگ اس کی مدد کیوں کریں گے؟ حضرت مسیح ناصری سے بھی بالکل اسی طرح کا واقعہ ہوا تھا۔ آپ پر یہودیوں نے الزام لگایا کہ انہیں بعل بت سکھاتا ہے۔ اس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا۔ کہ میں تو بعل بت کے خلاف تعلیم دیتا ہوں اور کتنا ہوں کہ ایک خدا کی پرستش کرو۔ پھر تم کیسے کہ سکتے ہو کہ بعل مجھے سکھاتا ہے اور میری تائید کرتا ہے۔ اب دیکھو یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کتنا بڑا فنا ہے کہ آپ گی زندگی میں تو خالق کہتے رہے کہ آپ عیسائیت کے ابجٹ ہیں۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے ماننے والی غریب جماعت کو اس نے یہ توفیق دی کہ وہ عیسائیت کو شکست دے۔ اس نے چندے دینے اور تبلیغ کا جال پھیلا دیا۔ اگر وہ چندے نہ دیتے اور ہمارے مبلغ دنیا کے مختلف ممالک میں نہ جاتے تو یہ لوگ جو احمدیت میں داخل ہوتے ہیں، کہاں سے آتے؟ اور عیسائیت کا ناطق کیسے بزد ہوتا؟ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے انہی چندوں کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی کہ اب عیسائیوں کو ایک ملک کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ یہ خونگن امید کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے گا، پوری نہیں ہو سکتی۔ اب غالباً اسلام جیتے گا اور عیسائیت شکست کھائے گی۔ کیونکہ اب عیسائیت کی جگہ اس ملک میں اسلام ترقی کر رہا ہے۔ احمدی جماعت کی طرف سے سکول جاری ہو رہے ہیں۔ کالج قائم کے جاری ہے ہیں۔ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں۔ چنانچہ گولڈ کوست کے علاقے میں کمای مقام پر ہمارا سینئنڈری سکول قائم ہے۔ کتنے تو اسے کالج ہیں۔ لیکن وہاں صرف ایف۔ اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ کئی کئی میل سے لوگ اپنے بچے اس کالج میں بھیجتے ہیں۔ ان لوگوں کو دین پڑھنے کا انتاشوق ہے کہ پچھلے سال ایک لاکا یہاں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا۔ اس کے متعلق وہاں کے مبلغ نے لکھا کہ اس کی والدہ میرے پاس آئی اور اس نے مجھے دو

سو پونڈ کی رقم دی اور کما میرے اس بچے کو ربوہ بھیجنے کا انتظام کریں تاکہ یہ وہاں تعلیم حاصل کرے۔ مبلغ نے کہا ہی بی تو یہود عورت ہے اتنا بوجہ کیوں اختیار ہے۔ یہ رقم تیرے کام آئے گی۔ شاید تو خیال کرتی ہو کہ ربوہ میں تیرا لڑکا بی۔ اے یا ایم۔ اے ہو جائیگا۔ وہاں تو لوگ دینیات پڑھاتے ہیں۔ اس پر وہ عورت کرنے لگی، میں تو اپنے لڑکے کو ربوہ بھیجنی ہی اس لئے ہوں گے وہ وہاں جا کر دین کی تعلیم حاصل کرے۔ آپ اسے وہاں بھیجئے، فرج میں دوں گی۔ چنانچہ وہ لڑکا یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد واپس اپنے ملک جائے گا تو وہاں کا مبلغ بن جائے گا۔ اسی طرح ایسٹ افریقہ سے امری عبیدی آئے تھے۔ وہ عیسائیوں میں سے احمدی ہوئے ہیں۔ جیشیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کم عقل ہوتے ہیں لیکن وہ شخص انتہا ہیں ہے کہ اس نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ کراچی میں پہچھے دنوں نوجوانوں کی ایک انجمن کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے ہمیں بلایا تھا لیکن ہم نے خود بعض لڑکے وہاں بھیج دیئے تھے۔ ان میں سے ایک امری عبیدی بھی تھے۔ بعد میں وہاں سے روپرٹ آئی کہ وہ ہر بات میں امری عبیدی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کو آگے کرتے تھے۔ گویا وہ تو ہمیں بلاتے ہیں نہیں تھے لیکن جب ہمارے نوجوان وہاں گئے تو وہ ہر بات میں ہمارے اس نوجوان سے مشورہ کرتے تھے۔ اور اسے آگے کرتے تھے۔ اب وہ واپس پہنچ گئے ہیں اور ان کی طرف سے چھپی آئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نفل سے انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے، جب یہ ساری قوم احمدیت کو قبول کر لے۔ تو یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض نظام کی برکت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور اس

نظام کا ہی دوسرا نام خلافت

ہے۔ خلافت کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ خلافت نام ہے نظام کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب "الوصیت" میں فرماتے ہیں کہ "اے عزیز و اجب کہ قدیم سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدر تین دکھلاتا ہے۔ تما غالقوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سواب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی ٹھیکیں مت ہو اور تمہارے دل پر بیٹھا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا ضروری

ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائیٰ ہے، جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔ اور وہ دوسری قدرت آئیں سکتی جب تک میں نہ جاؤ۔ لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بیجع دے گا۔

اب دیکھو قدرت ثانیہ کسی الجھن کا نام نہیں۔ قدرت ثانیہ خلافت اور نظام کا نام ہے کیونکہ حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں تو کچھ مدت تک تمہارے اندر رہ سکتا ہوں مگر یہ قدرت ثانیہ دائیٰ ہو گی۔ اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔ اور قیامت تک نہ کوئی نبی رہ سکتا ہے اور نہ کوئی خلیفہ رہ سکتا ہے۔ ہاں خلافت قیامت تک رہ سکتی ہے۔ نظام قیامت تک رہ سکتا ہے۔

پس یہاں قدرت ثانیہ سے خلافت ہی مراد ہے کیونکہ خلیفہ تو فوت ہو جاتا ہے لیکن خلافت قیامت تک جا سکتی ہے۔ اگر جماعت ایک خلیفہ کے بعد دوسرا خلیفہ مانتی چلی جائے اور قیامت تک مانتی چلی جائے تو ایک عیسائیت کیا ہزاروں عیسائیتیں بھی احمدیوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ کیونکہ ہمارے پاس حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیبا ہوا دلائل و برائین کا وہ ذخیرہ ہے، جو کسی اور قوم کے پاس نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردیہ کام کیا ہے کہ آپ اسلام کو ساری دنیا پر غالب کر دیں۔ اب وہ زمانہ جب اسلام تمام دنیا پر غالب ہو گا، کسی ایک آدمی کی کوشش سے نہیں آسکتا۔ بلکہ اس کے لئے ایک لمبے زمانہ تک لاکھوں آدمیوں کی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

پس یہ کام صرف خلافت کے ذریعہ ہی پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا سارا کریڈٹ صرف سُعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے گا۔ جن کے دئے ہوئے تھیاں ہم استعمال کرتے ہیں۔ باقی باقیں شخص خوش چیزیں ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی باغ میں چلا جائے اور اس کے پھل کھالے۔ تو وہ پھلوں کا مزہ تو اخھالے گا لیکن اصل مزہ اخھانا اسی کا ہے؛ جس نے وہ باغ لگایا۔ لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی شخص سل کے عارضہ سے بیمار ہو گیا۔ اس نے بتیر اعلان کرایا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب ڈاکٹروں نے اسے لاعلان قرار دیدیا، تو وہ اپنے دلن واپس آگیا۔ وہ شخص وزیر آباد کے قریب سڑک پر جا رہا تھا کہ اسے ایک پہلوان ملا جو سکرانہ طور پر سڑک پر چل رہا تھا۔ اس نے اس عام دستور کے مطابق کہ پہلوان اپنا سرمنڈا لیتے ہیں۔ تاکہ کشتی میں ان کا در مقابل ان کے بال نہ پکڑے اپنے بال منڈائے ہوئے تھے۔ اس بیمار شخص کی حالت بہت کمزور تھی لیکن اس

پہلوان کو دیکھ کر اسے شرات سوجھی اور اس نے آہستہ سے جا کر اس کے سر پر لٹھینگا مارا۔ اس پر اس پہلوان کو غصہ آگیا اور اس نے سمجھا کہ اس شخص نے میری چنگ کی ہے۔ چنانچہ اس نے اسے ٹھہڑوں سے خوب مارا۔ جب وہ اسے ٹھہڑے مار رہا تھا۔ تو وہ کہتا جاتا تھا کہ تو جتنے ٹھہڑے چاہے مار لے جتنا مزہ مجھے اس لٹھینگا مارنے میں آیا ہے، تجھے ٹھہڑوں میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح جو مزہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل میں آیا ہے۔ وہ عیسائیت کو اپنی طاقت کے زمانہ میں بھی نہیں آیا۔ دیکھ لو عیسائی ہم پر حاکم تھے اور ہم کمزور اور ماختت ر علیا تھے۔ ہمارے پاس نہ تکوار تھی اور نہ کوئی مادی طاقت، لیکن خدا تعالیٰ کا ایک پہلوان آیا اور اس نے ہمیں وہ دلائل دیے کہ جن سے اب ہم امریکہ، انگلینڈ اور دوسرے سب ممالک کو ٹکست دے رہے ہیں۔ یہ جو شخصیگی کامزہ ہے، وہ ان کے ٹھہڑوں میں نہیں۔ تو یہ برکت جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دی ہے۔ محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل دی ہے۔ اور جوں جوں ہمارے مبلغ کام کریں گے اور احمدیت ترقی کرے گی۔ ہمیں اور زیادہ برکت ملے گی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تیرے ذریعہ اسلام کو دنیا پر غالب کروں گا۔ اب جو شخص بھی اسلام کی تبلیغ کے لئے باہر نکلا ہے اور جو شخص بھی تبلیغ کے لئے ایک پیسہ بھی دیتا ہے، درحقیقت اپنے دارہ میں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے اور جو وعدے خدا تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے، وہ اپنے درجہ اور مقام کے لحاظ سے اس کے ساتھ بھی ہوں گے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توفیت ہو گئے اور قرآن کریم ایک کتاب ہے جو بولتی نہیں۔ اب جو مبلغ میں وہی بولیں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک رنگ میں آپ کے نائب ہو گے۔

پس جوں وہ امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک میں تبلیغ کریں گے اور اسلام بڑھے گا۔ خلافت محمدیہ نظر پر خدا تعالیٰ انہیں دیتا چلا جائے گا۔ لیکن ان کی وہاں خلافت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں مرکز میں بھی خلافت قائم ہو جو تمام احمدیوں کو اکٹھا رکھے اور انہیں خرج بھجوائے تاکہ وہ اپنی اپنی جگہ کام کر سکیں۔ پھر جوں جوں چندے بڑھتے جائیں، تبلیغ کے نظام کو وسیع کرتے چلے جائیں۔ میں نے کل بتایا تھا۔ عیسائی خلافت نے ۵۲ لاکھ مبلغ تبلیغ کے لئے تیار کیا ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہماری طرف سے صرف سو ڈالر سو مبلغ ہے۔ جس

دن سچ محمدی کو ۵۲ لاکھ مبلغ مل گئے، اس دن بھاگتے ہوئے عیسائیت کو رستہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ ہمیں حضرت سچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ دلائل اور برائین دئے ہیں، جو عیسائیت کے پاس نہیں۔ مثلاً لندن میں ایک جلسہ ہوا۔ اس میں ہمارے مبلغوں نے تقاریر کیں اور بتایا کہ سچ ناصری فوت ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سچ ناصری صلیب سے نجات کر کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور وہیں انہوں نے وفات پائی ہے اور اب تک ان کی قبر سرینگر میں پائی جاتی ہے۔ اس پر ایک پادری کھڑا ہوا اور اس نے کہا اگر سچ فوت ہو گئے ہیں تو ہماری عیسائیت مر گئی۔ آگے وہ کشمیر چلے گئے یا کسی اور جگہ، اس کا کوئی سوال نہیں۔ یہ تو ایک علمی سوال ہے جو انھیما گیا ہے۔ ان کا وفات پا جانا ہی عیسائیت کے ختم ہو جانے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ ہم حضرت سچ علیہ السلام کو خدا منتے ہیں اور اگر وہ مر گئے ہیں تو خدا نہ رہے اور اس طرح عیسائیت بھی باقی نہ رہی۔ غرض حضرت سچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کو ایسے ایسے معرفت کے لکٹے دیے ہیں، جن کا مقابلہ عیسائیت کے بس کی بات نہیں۔ ۱۳۰۰ سال سے مسلمان اس دھوکہ میں جلا چلے آتے تھے کہ سچ علیہ السلام زندہ آسمان پر ہیں اور اس کی وجہ سے عیسائیت کو مدد مل رہی تھی۔ مگر حضرت سچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی وفات ثابت کر کے عیسائیت کو ختم کر دیا۔ حضرت سچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

مسلمانوں پر تب ادب آیا
کہ جب تعلیم قرآن کو بھلایا
رسول حق کو مشی میں سلایا
سیجا کو فلک پر ہے بھلایا

عیسائی ہمیشہ کرتا تھا کہ میرا سچ آسمان پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھا ہے اور تمہارا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین میں دفن ہے۔ لیکن حضرت سچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ہی جھلکے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر چڑھا دیا اور سچ ناصری کو زمین میں دفن کر دیا۔ لیکن چیز تھی جس نے احمدیت کو عیسائیت پر غلبہ دیا ہے۔ جس وقت تک یہ تعلیم موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گی، دنیا میں عیسائیت پنپ نہیں سکتی۔ عیسائیت کی یہی فخر تھا کہ مسلمان کتنے ہیں کہ سچ ناصری علیہ السلام زندہ ہیں اور اس سے ان کے دعویٰ کی تائید ہوتی تھی۔ لیکن اب تو انہیں بھی سمجھ آگئی ہے اور وہ اس عقیدہ سے پیچے ہٹ رہے ہیں۔ میں جب مری گیا تو وہاں

یحیائی مشن میں ہمارا مبلغ اور میرا ایک بینا عیسائیوں کو تبلیغ کرنے کے لئے جاتے تھے۔ جب ہمارے مقابلہ میں ان کا پبلو کمزور ہو گیا۔ تو انہوں نے لاہور سے کچھ دیسی مشنری بلائے اور مشنریوں نے آکر چالا کیاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو یہ کہ کر بھڑکانا شروع کیا کہ مرزا صاحب تو سعیح علیہ السلام سے براہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے غیر از جماعت مسلمانوں کو ہمارے خلاف جوش دلانا چاہا۔ مگر وہ روزانہ تبلیغ کے بعد سمجھ چکے تھے کہ احمدی جو کچھ کہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ اس سے اسلام کی نصیلت یحیائیت پر ثابت کی جاسکتی ہے اس لئے جب یحیائیوں نے احمدیت کے خلاف شور چانا شروع کیا تو انہوں نے کہا تمہیں اس سے کیا واسطہ مرزا صاحب اپنے آپ کو حضرت سعیح علیہ السلام سے افضل سمجھتے ہیں یا نہیں، یہ تو ہمارے گھر کا بھگڑا ہے۔ تم ان اعتراضات کا جواب دو جو یحیائیت پر ہوتے ہیں اور اپنے عقائد کی حقانیت کو ثابت کرو۔ یہ لوگ ہماری طرف سے نمائندے ہیں، جو تمہارے ساتھ بحث کر رہے ہیں۔ جو یہ بات کریں گے، وہ ہماری طرف سے ہی سمجھی جائے گی۔ غرض مسلمان حضرت سعیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش کردہ دلائل اور برائیوں کو سمجھ چکے ہیں اور جوں جوں حضرت سعیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پھیلیت جائے گی، یحیائیت مغلوب ہوتی جائے گی۔

دوسرے پبلو رو حانیت کا ہے۔ یحیائیوں کی سیاست کا پبلو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے مسئلے سے ختم ہو گیا۔ مذہبی پبلو میں یہ تفصیل تھا کہ علماء نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کا قرآن کریم پر ایمان کامل نہیں رہا تھا۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ جس قرآن میں ایک آیت بھی منسوخ ہے، مجھے اس کا کیا انتباہ ہے۔ لیکن حضرت سعیح موعود علیہ السلام نے اس مشکل کو بھی دور کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ قرآن کریم کی ہر آیت قابل عمل ہے۔ بسم اللہ کی ب سے لے کر و الناس کے س نکل کوئی حصہ بھی ایسا نہیں جو قابل عمل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں نے تفسیر کبیر لکھی تو لوگ اسے پڑھ کر جرجن ہو گئے اور کہنے لگے کہ پہلے علماء نے تو وہ باقی نہیں لکھیں، جو آپ نے لکھی ہی۔ مجھے کئی غیر احمدیوں کی چھیڑیاں آئیں کہ ہم نے تفسیر کبیر کو پڑھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کے اتنے معارف لکھے گئے ہیں کہ حد نہیں رہی۔ ضلع لمبکان کے ایک غیر احمدی دوست ایک احمدی دوست سے تفسیر کبیر پڑھنے کے لئے لے گئے اور اسے پڑھنے کے بعد انہوں نے کہا ہمیں وہ سند رو دیکھنا چاہئے، جماں سے یہ تفسیر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ سند رو کہاں سے آگیا؟ یہ محض اس نکتہ کی وجہ سے

آیا ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت قابل عمل ہے۔ مفسرین کو جس آیت کی سمجھ نہ آئی اسے انہوں نے منسوخ قرار دے دیا۔ لیکن ہم پوچکہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت قابل عمل ہے، اس لئے ہم ہر آیت پر فکر کرتے ہیں اور غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور اور برکت کی وجہ سے اس کو حل کر لیتے ہیں اور اس کی ایسی لطیف تفسیر کرتے ہیں جو ۱۳۰۰ سال میں کسی عالم نے نہیں کی۔ گزشتہ علماء نے اگر بعض آیتوں کی تفسیر نہیں لکھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قرآن کریم میں بعض آیات منسوخ بھی ہیں۔ اس لئے جب کوئی مشکل آیت آجائی وہ اس پر غور نہیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر بعد میں پڑے لگ گیا کہ یہ آیت منسوخ ہے، تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں۔ اس لئے ہم ہر آیت پر غور کرتے ہیں اور اس کی صحیح تشریع تلاش کرنے میں ہمت نہیں ہارتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ایمان بالقرآن روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی پرانے بزرگ کا ذکر سنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس بزرگ سے کسی نے درخواست کی کہ قرآن کریم کی تفسیر سنائیے۔ تو وہ کہنے لگے یہ قرآن تو سارا ابو جمل کے لئے نازل ہوا ہے۔ ابو بکرؓ کے لئے نازل ہوتا تو اس کی بھی کافی تھی۔ کیونکہ بپ کے سینے ساتھ کے ہیں اور ابو بکرؓ کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھی بن جائیں۔ باقی ابو جمل نہیں مانتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سارا قرآن اس کے لئے نازل کیا ہے۔ ورنہ ابو بکرؓ کے لئے اتنے بڑے قرآن کی ضرورت نہیں تھی۔ تو حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم کے معارف اور حقائق سکھانے کے لئے حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے اندر ایک نئی روح پھوک دی ہے۔ آپ نے بتایا کہ قرآن کریم میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور تم قرآن کے جتنے حصے پر عمل کرو گے اتنے ہی تم خدا تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ گے۔ اور عملی طور پر دیکھا جائے تو قرآن کریم کسی فلسفہ کی کتاب نہیں بلکہ یہ ایک آسمانی کتاب ہے۔ اس کی ایک ایک آیت پر عمل کرو گے تو تم ولی اللہ بن جاؤ گے۔ اور خدا تعالیٰ کی برکتیں تم پر نازل ہوں گی اور جب خدا تعالیٰ کی برکتیں تم پر نازل ہوں گی۔ تو تمام آفات اور مصائب شمیں اپنی نظروں میں پچ نظر آنے لگ جائیں گے۔

گزشتہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں جس نے بھی

قرآن کریم پر سچے دل سے عمل

کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد یہ ہے اس کے شامل حال رہی ہے اور صفات اور مشکلات کے جھوم میں وہ اس کی تائیدات کا مشاہدہ کرتا رہا ہے۔ ایک بزرگ کے متعلق مشورہ ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان کی پیوی ان کے ایک دوست کے پاس گئی، جو خود بھی بڑے بزرگ اور عالم تھے، اور کہنے لگی آپ اپنے دوست کو سمجھائیں وہ کوئی کام نہیں کرتے۔ اس بزرگ نے کہا بہت اچھا میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں سمجھاؤں گا کہ وہ کوئی کام کریں۔ چنانچہ وہ دہاں گئے اور کہنے لگے دیکھو بھائی مجھے پڑتا ہے کہ آپ کوئی کام نہیں کرتے حالانکہ آپ عالم ہیں اور دوسرے لوگوں کو پڑھا کر بھی آپ اپنی روزی کما سکتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا بھائی میرے دل میں آپ کی بڑی تدریج ہے لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ نے ایسا مشورہ کیوں دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کسی کی مہمان نوازی کو رد نہ کرو اور میں تو خدا تعالیٰ کا مہمان ہوں۔ پھر میں خدا تعالیٰ کی مہمان نوازی کو کیوں کرو دکروں۔ اگر میں اس کی مہمان نوازی کو رد کر دوں تو وہ خفا ہو جائے گا۔ دوسرے بزرگ بھی ہو شیار تھے۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہمان نوازی صرف تین دن کی ہوتی ہے اس کے بعد صدقہ ہوتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کے مہمان بننے بین سال ہو گئے ہیں۔ پھر کیا بھی مہمان نوازی ختم نہیں ہوئی؟ وہ بھی ہو شیار تھے۔ کہنے لگے کیا قرآن کریم نے نہیں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ گوا قرآن کریم کی رو سے تو میں تین ہزار سال تک خدا تعالیٰ کا مہمان رہوں گا اور اس کا دیا کھاؤں گا۔ تو حقیقت یہی ہے کہ جو خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، وہ اس کے لئے روزی کے مختلف رستے کھوں دیتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نے انسان کے اندر روحانیت پیدا کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ تم میرے حضور دعا کیں کیا کرو۔ کیونکہ جب کوئی انسان بخرا اور انعام کے ساتھ دعا کیں کرتا ہے تو اس کے دل میں محبت الہی بڑھتی ہے۔ بے شک ظاہری کسب بھی ایک ضروری چیز ہے لیکن دعا کیں بھی روحانیت پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ مومن کسب تو کرتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت مجھے دینا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ یہ کبھی نہیں سمجھتا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے، وہ میری محنت کے نتیجہ میں ملا ہے۔ لیکن ایک مالدار کافر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے ذاتی علم اور ذہانت اور محنت کی وجہ سے ملا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف

لکھا ہے کہ جب قارون سے کما گیا کہ یہ دولت تمیں خدا تعالیٰ نے دی ہے، تو اس نے کہا کہ
 رَأَمَا أَفْرِتْتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي
 (سورۃ القصص آیت ۷۹)

کہ میری یہ دولت مجھے میرے علم کی وجہ سے ملی ہے۔ تو اسلام کمائی سے منع نہیں کرتا۔ لیکن وہ
 کہتا ہے تم خواہ کتنی محنت کرو یہ یقین رکھو کہ اس کا نتیجہ خدا تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً کوئی لوہار
 ہے تو وہ جتنی چاہے محنت کرے لیکن جو بھی کمائے اس کے متعلق یہ خیال نہ کرے کہ وہ اسے
 لوہار سے کی وجہ سے ملا ہے۔ بلکہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اسے خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ آخر ایسا بھی تو
 ہوتا ہے کہ ایک شخص سارا سال لوہارے کا کام سیکھتا ہے لیکن وہ سیکھ نہیں سکتا۔ پھر ایسا بھی تو
 ہوتا ہے کہ ایک کار گیر ہوتا ہے لیکن اسے کوئی کام نہیں ملتا۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ روپیہ مل
 جائے تو رستہ میں کوئی ڈاکو اس کا سارا روپیہ چھین لے پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ گھر کا کر
 روپیہ لے آئے لیکن گھر میں آتے ہی پیٹ میں درد اٹھے اور وہ جانبری نہ ہو سکے۔ پھر یہ بھی تو
 ہو سکتا ہے کہ اسے ایسی جلدی بیماری پیدا ہو جائے کہ وہ کپڑا نہ پہن سکے۔ تو جو کچھ ہوتا ہے۔

الله تعالیٰ کے فضل

سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنی محنت سے بھی روزی کمائے، تب بھی اسے جو کچھ ملتا ہے۔
 خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتا ہے۔ یہ چیز ایسی ہے کہ اگر انسان اس پر غور کرے تو اسے معلوم ہو
 سکتا ہے کہ اسے جو کچھ ملا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے ملا ہے اور خدا
 تعالیٰ سے تعلق قرآن کریم سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہمیں حضرت مرزا صاحب نے بتایا ہے۔ اصل
 سبق تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا لیکن اسے مسلمان بھول گئے تھے۔ حضرت
 مرزا صاحب نے آکر اسے دوبارہ تازہ کیا اور کہا کہ قرآن پر عمل کرو۔ اور دعا کیں کرو اور تقویٰ
 اختیار کرو اور سمجھو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تمیں خدا تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔ حضرت سعیج
 موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر ہے کہ

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اقا ہے
 اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

یعنی

تمام نیکیاں تقویٰ سے پیدا ہوتی

بیس اگر تقویٰ باقی رہے تو ایسے انسان کو کوئی چیز ضائع نہیں کر سکتی۔ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے بزرگوں کی مثالیں موجود ہیں کہ کبھی مومن خدا تعالیٰ کے فضل سے مصائب اور آفات سے نہیں ڈرتے۔ مثلاً حضرت نظام الدین صاحب "اویاء کے متعلق مشورہ ہے کہ آپ کے حاسدوں نے آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور وہ آپ سے بدغسل ہو گیا اور آپ کو سزادی نے پر تیار ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا میں ابھی جنگ کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ واپس آؤں گا تو انہیں سزادوں گا۔ جب وہ واپس آ رہا تھا تو حضرت نظام الدین اویاء کے مرید آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے بادشاہ واپس آ رہا ہے، آپ کوئی سفارش اس کے پاس پہنچائیں تاکہ وہ آپ کو کوئی تقصیان نہ پہنچا سکے۔ حضرت نظام الدین صاحب اویاء نے فرمایا۔ "ہنوز دلی دور است" ابھی دلی بست دور ہے۔ جب وہ دلی کے اور قریب آگیا تو مریدوں نے پھر بتایا حضور اب تو بادشاہ بالکل قریب آگیا ہے۔ اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ صبح دلی میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت نظام الدین صاحب اویاء نے پھر فرمایا۔ کہ "ہنوز دلی دور است" ابھی دلی بست دور ہے۔ چنانچہ مرید خاموش ہو کر واپس چلے گئے۔ رات کو بادشاہ کے بیٹھنے شر کے باہر والے محل پر ایک بست برا جشن کیا۔ ہزاروں لوگ اس جشن میں شرکت کے لئے آئے۔ اور وہ محل کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ چھت کا کچھ حصہ بویدہ تھا اس لئے وہ اس بوجھ کو برداشت نہ کر سکا اور گر پڑا۔ بادشاہ اور اس کے ساتھی چھت کے بیچے بیٹھنے تھے۔ اس لئے وہ اس کے بیچے ہی دب گئے اور مر گئے۔ چنانچہ صبح بجائے اس کے کہ بادشاہ شر میں داخل ہوتا، اس کی لاش شر میں لائی گئی۔ حضرت نظام الدین صاحب نے مریدوں سے فرمایا۔ دیکھو میں نے نہیں کہا تھا کہ "ہنوز دلی دور است" کہ ابھی دلی بست دور ہے۔ پھر تین سال ہوئے اس قسم کا ایک واقعہ آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ اس وقت احمدیوں کو لاڑیوں اور گاڑیوں سے کھینچ کھینچ کر اتارا جاتا تھا۔ اور انہیں مارا پیٹا جاتا تھا۔ اس وقت میں نے اعلان کیا کہ گھبراو نہیں۔ میرا خدا امیری مدد کے لئے دوڑا چلا آ رہا ہے۔

(فاروقی ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)

چنانچہ تم نے دیکھا کہ تین دن کے اندر اندر نقشہ بدل گیا۔ لوگ اس وقت کہ رہے تھے کہ

اب احمدیوں کا پاکستان میں کوئی نہ کھانے نہیں۔ ہر طرف ان میں جوش بھرا ہوا تھا اور نفرے لگ رہے تھے کہ احمدیوں کو قتل کرو۔ اس وقت میں نے کماکہ میرا خدا میری مدد کے لئے دوڑا آرہا ہے۔ وہ مجھ میں ہے، وہ میرے پاس ہے۔ پھر دیکھو میرا خدا میری مدد کے لئے دوڑ کر آیا یا نہیں۔ اب سارے مولوی تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ اپنے مطالبات کے تسلیم کروانے میں ناکام رہے ہیں۔ اب بھی جماعت میں منافقین نے قند پیدا کیا تو گجرات کے ایک آدمی نے مجھے لکھا کہ مجھ سے ایک منافق نے ذکر کیا کہ ہم سے غلطی ہو گئی کہ ہم نے خلافت کا سوال بست پلے اخبار دیا۔ اب ہمیں احمدیوں کے پاس جانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ جہاں ہم جاتے ہیں وہ تکار دیئے جاتے ہیں۔ اگر ہم چپ رہتے اور خاموشی سے کام کرتے تو ہم ہر ایک احمدی کے پاس جا سکتے تھے۔ اور اسے اپنی بات جا سکتے تھے لیکن اب ہمیں ایسا کرنے کی جرات نہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری ساری سیکھیں نیل ہو گئی ہے۔ پھر دیکھو میں بیماری کی وجہ سے لمبا عرصہ باہر رہا تھا اور ان منافقین کے لئے موقع تھا کہ وہ میری غیر حاضری میں شور پختے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں دبائے رکھا اور جب میں وابس آیا تو اس نے ایک یوں توق کے منہ سے یہ بات نکلوادی کہ ہم دو سال کے اندر اندر خلافت کو ختم کر دیں گے۔ میں نے اس کے بیان کو شائع کر دیا۔ اس پر کئی لوگوں نے اعتراض کیا کہ یونہی ایک بے دوقوف کی بات کو بڑھا دیا گیا ہے۔ اس سے اسے شہرت اور اہمیت حاصل ہو جائیگی۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ لکھا کہ یہ لوگ نہ گئے ہو گئے۔ چنانچہ ایک دوست نے مجھے خط لکھا کہ آپ نے اپنی بیالیس سالہ خلافت میں بڑے بڑے عظیم الشان کارنائے کئے ہیں۔ لیکن اب جو آپ نے کام کیا ہے اور جماعت کو

وقت پر فتنے سے آگاہ کر دیا ہے

اور اسے بیدار کر دیا ہے، مجھے لیکھن ہے کہ اس سے بڑا آپ کا اور کوئی کارنامہ نہیں۔ آج ہمیں سب منافقوں کا پتہ لگ گیا ہے۔ اور آج ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے شیطان کو مار دیا ہے اور اسے نئے نئے طریقوں سے جماعت کے اندر فتنہ پیدا کرنے سے روک دیا ہے۔ آپ کے اس بات کو شائع کر دینے سے جماعت کے اندر ایک نئی روح اور نئی امنگ پیدا ہو گئی ہے۔ اور اب ہر احمدی خلافت کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اگر آپ وقت پر اعلان نہ کرتے، آپ لحاظ کر جاتے اور چپ کر جاتے تو یہ فتنہ بہت بڑھ جاتا۔ آپ نے بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں۔

تلیغِ اسلام کا کام کیا ہے، غیرِ ممالک میں مساجد بنائی ہیں۔ مگر مجھے لیقین ہے کہ آپ کا موجودہ فتنہ کو دباینا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے آپ نے جماعت کو محفوظ کر دیا ہے اور جماعت کے اندر ایک نئی بیداری اور جوش پیدا ہو گیا ہے۔ پسلے یہ بات نہیں تھی۔ پسلے جماعت کے اندر سستی پائی جاتی تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ اگر یہ فتنہ یکدم پھیل جاتا تو جماعت غفلت میں بیٹھی رہتی اور فتنہ پرداز اسے نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن آپ نے ادھر فتنہ پیدا ہوا اور ادھر اعلان شائع کر کے، جماعت کو وقت پر بیدار کر دیا۔ چنانچہ اب وہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہے۔ اگر آپ وقت پر جماعت کو بیدار نہ کر دیتے تو ان لوگوں نے جماعت کو پیغامیوں کی جھوٹی میں ڈال دینا تھا اور وہ ساری کوشش جو آپ کی نبوت اور ماموریت کی سچائی کے لئے ۲۲ سال تک کی گئی تھی، ضائع ہو جانی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو وقت پر ہوشیار کر دیا اور با وجد و اس کے کوہ بات بظاہر جھوٹی نظر آتی تھی اور بعض احمدی بھی خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے۔ آپ نے اس کے ضرر کو نمایاں کر کے دکھایا اور اس طرح تمام احمدی دنیا سمجھ گئی کہ کیا بات ہے اور وہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ چنانچہ دنیا کے سب ممالک سے جماں جماں ہماری جماعتیں قائم ہیں مثلاً امریکہ سے، افریقہ سے، دمشق سے، انڈونیشیا سے اور دوسرے تمام ممالک سے مجھے چھپیاں آ رہی ہیں کہ ہم خلافت سے سچے دل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس فتنہ کو اٹھایا ہے، انہیں منافق خیال کرتے ہیں۔ اب وہ ہم میں شامل ہو کر کوئی رتبہ اور فضیلت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب دیکھو یہ ساری چیزیں خدا تعالیٰ کے نشان کے طور پر ہیں۔ اگر اس فتنہ کا مجھے وقت پر علم نہ ہوتا، تو شاید وہ شان پیدا نہ ہوتی جواب ہے۔ مگر اب جماعت کے اندر روہی بیداری پیدا ہو گئی ہے جو سن ۲۳ء میں پیدا ہوتی تھی۔ آپ لوگ اس وقت جوان تھے، اب بڑھے ہو چکے ہیں۔ لیکن اس وقت نوجوانوں والا عزم آپ کے اندر دوبارہ پیدا ہو گیا ہے اور پھر جوانوں کے اندر بھی عزم پیدا ہو چکا ہے۔ اور جماعت کا ہر فرد اس بات کے لئے تیار ہے کہ وہ خلافت کے لئے اپنی جان دے دیگا۔ لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔ اور جب کوئی شخص

خدا تعالیٰ کے دین کی تائید اور نصرت کے لئے عزم

کر لیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی مدد کرتے ہیں۔ میں نے پچھلے ماہ خواب میں دیکھا تھا کہ

وہ آئتیں پڑھ پڑھ کر سنارہے ہیں، جو قرآن شریف میں یہودیوں اور منافقوں کے لئے آئی ہیں اور جن میں یہ ذکر ہے کہ اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی مدینہ سے نکل جائیں گے اور اگر تم سے لاوائی کی گئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر مسلمان سے لاوائی کریں گے۔ لیکن قرآن کریم منافقوں سے فرماتا ہے کہ نہ تم یہودیوں کے ساتھ مل کر مدینہ سے نکلو گے اور نہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو گے، یہ دونوں جھوٹے دعوے ہیں۔ اور صرف یہودیوں کو انگیخت کرنے کے لئے اور فساد پر آمادہ کرنے کے لئے ہیں۔

اب دیکھو وہی کچھ ہو رہا ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے مجھے روایاء میں بتایا تھا۔ ایک طرف یہ منافق معافی مانگتے ہیں اور پھر اخبار میں شائع کر دیتے ہیں کہ ہم نے تو معافی نہیں مانگی۔ اگر انہوں نے واقعہ میں کوئی معافی نہیں مانگی تھی تو غیر احمدی اخبارات نے یہ کیوں لکھا تھا کہ دیکھو کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کی معافی مانگتے مانگتے ناکیں بھی رگڑی گئی ہیں لیکن انہیں معافی نہیں ملتی۔ اگر وہ بعد میں معافی کا انکار نہ کرتے تو جماعت کے کمی کنزوں لوگ کہتے کہ جب یہ معافی مانگتے ہیں تو انہیں معاف کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے پہلے خود معافی مانگی، پھر ڈر گئے اور سمجھا کہ کہیں غیر احمدی یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ اب ڈر گئے ہیں اور اس طرح ان کی مدد سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے پھر لکھ دیا کہ ہم نے تو معافی نہیں مانگی۔ مگر اس جھوٹ کے نتیجہ میں وہی مثال ان پر صادق آئے گی جو کسی لڑکے کے متعلق مشور ہے کہ وہ بھیڑس چرایا کرتا تھا۔ ایک دن اسے گاؤں والوں سے مذاق سو جھاتا اس نے پہاڑی پر چڑھ کر شور چاڑیا کہ شیر آیا۔ شیر آیا۔ گاؤں کے لوگ لاثھیاں لے کر اس کی مدد کے لئے آئے لیکن جب وہاں پہنچے تو وہاں شیر وغیرہ کوئی نہیں تھا۔ لڑکے نے انہیں بتایا کہ اس نے ان سے یونہی مذاق کیا تھا۔ دوسرے دن وہ بھیڑس چرا رہا تھا تو واقع میں شیر آگیا اور لڑکے نے پہاڑی پر چڑھ کر شور چاڑیا کہ شیر آیا۔ شیر آیا۔ لیکن گاؤں سے اس کی مدد کے لئے کوئی نہ آیا۔ انہوں نے سمجھا کہ لڑکا کل کی طرح آج بھی مذاق کر رہا ہو گا۔ چنانچہ شیر نے اسے چھاڑ کر کھا لیا۔ اسی طرح جب غیر احمدیوں کو محوس ہوا کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں تو وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی ناکاہی کا مشاہدہ کریں گے۔ آج یہ مجھے میرے نائی نے ایک لطیفہ سنایا۔ اس نے بتایا کہ میں میاں عبد الرحمن صاحب کی جماعت بنانے گیا تو انہوں نے کہا کیا تم ڈر گئے تھے کہ جماعت بنانے نہ آئے یا تمہیں کسی نے روکا تھا۔ میں نے کہا مجھے تو کوئی ڈر نہیں اور نہ کسی نے مجھے روکا ہے۔ جماعت

ہنانا تو انسانی حق ہے اس سے مجھے کوئی نہیں روکتا اس لئے میں آگیا ہوں۔ پھر میں نے کما میاں صاحب میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں۔ کہ پشاور سے ایک احمدی قادریان میں آیا اور وہ میاں شریف احمد صاحب سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر گیا۔ اتفاقاً میں بھی اس وقت جامت ہنانے کے لئے ان کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ میاں صاحب اس وقت سورے ہے ہیں۔ اس پر میں نے کما کہ میں تو جامت ہنانے کے لئے آیا ہوں انہیں اطلاع دے دی جائے۔ لیکن وہ دوست مجھے بڑے اصرار سے کہنے لگے کہ ان کی نیند خراب نہ کریں۔ لیکن میں نے نہ مانا اور میاں صاحب کو اطلاع بھجوادی۔ جس پر انہوں نے مجھے بھی اور اس دوست کو بھی اندر بلایا۔ وہاں ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں کما کہ اس پر بیٹھ جائے۔ کہنے لگے میں نہیں بیٹھتا۔ میں نے سمجھا کہ شاید یہ چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے میں ان کے لئے کری اٹھالا یا۔ لیکن وہ کرسی پر بھی نہ بیٹھے اور دروازہ کے سامنے جہاں جوتیاں رکھی جاتی ہیں وہاں پائید ان پر جا کر بیٹھے گئے۔ میں نے ان سے کما کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ میں نے چارپائی دی لیکن آپ نہ بیٹھے۔ پھر کرسی دی تب بھی آپ نہ بیٹھے اور ایک ایسی جگہ جا کر بیٹھے گئے جہاں بوٹ وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ کہنے لگے میں تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ میں حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابی ہوں۔ میں ایک دفعہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملنے کے لئے آیا۔ آپ سُبْحَانَ رَبِّكَ مَبَارِكَ میں بیٹھے تھے۔ اور دروازہ کے پاس جوتیاں پہنی تھیں۔ ایک آدمی سیدھے سادھے کپڑوں والا آگیا اور آکر جوتیوں میں بیٹھ گیا۔ میں نے سمجھا یہ کوئی جوتی چور ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی جوتیوں کی گمراہی شروع کر دی۔ کہ کہیں وہ لے کر بھاگ نہ جائے۔ کہنے لگے اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے۔ اور میں نے سنا کہ آپ کی جگہ کوئی اور شخص خلیفہ بن گیا ہے۔ اس پر میں بیعت کرنے کے لئے آیا۔ جب میں نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو کیا ریکھتا ہوں کہ وہ وہی شخص تھا جس کو میں نے اپنی یہ وقوفی سے جوتی چور سمجھا تھا، یعنی حضرت خلیفہ الحسن اولؑ اور میں اپنے دل میں سخت شرمندہ ہوا۔ آپ کی عادت تھی کہ آپ جوتیوں میں آکر بیٹھے جاتے۔ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز دیتے تو آپ ذرا آگے آ جاتے۔ پھر جب کہتے مولوی نور الدین صاحب نہیں آئے تو پھر کچھ اور آگے آ جاتے۔ اس طرح پار بار کہنے کے بعد کہیں وہ آگے آتے تھے۔ یہ قصہ سنا کر میں نے انہیں کہا۔ میاں آپ کے باپ نے جوتیوں میں بیٹھ بیٹھ کے خلافت لی تھی لیکن تم زور سے لینا

چاہتے ہو۔ ان طرح کام نہیں بننے گا۔ تم اپنے باپ کی طرح جو یوں میں بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اس پر وہ چپ کر گیا۔ اور میری اس بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم نے خود حضرت خلیفہ اولؓ کو دیکھا ہے۔ آپ مجلس میں بڑی مسکن سے بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں شادیوں کا ذکر ہوا تھا۔ ذبیحی محمد شریف صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں، سناتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اولؓ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ یعنی آپ نے اپنے گھنٹے اٹھائے ہوئے تھے اور سر جھکا کر گھنٹوں میں رکھا ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ مولوی صاحب جماعت کے بڑھنے کا ایک ذریعہ کثرت اولاد بھی ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اگر جماعت کے دوست ایک نے زیادہ شادیاں کریں تو اس سے بھی جماعت بڑھ سکتی ہے۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے گھنٹوں پر سے سراٹھیا اور فرمایا۔ حضور میں تو آپ کا حکم مانتے کے لئے تیار ہوں لیکن اس عمر میں مجھے کوئی شخص اپنی لڑکی دینے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پس پڑے۔ تو دیکھو یہ اکشار اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب تھا جس کی وجہ سے انہیں یہ رتبہ ملا۔ اب باوجود اس کے کہ آپ کی اولاد نے جماعت میں قند پیدا کیا ہے۔ لیکن اب بھی جماعت آپ کا احترام کرنے پر مجبور ہے۔ اور آپ کے لئے دعا کیں کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں اس اکشار اور محبت کی، جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تحیی وہ عظمت ڈالی ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے بیٹوں نے مخالف کی ہے۔ پھر بھی ان کے باپ کی محبت ہمارے دلوں سے نہیں جاتی۔ پھر بھی ہم انہیں اپنی دعاوں میں یاد رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے کیونکہ انہوں نے اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا، جب ساری دنیا آپ کی مخالف تھی۔ اسی طرح آج کل ضلع جہنگ کے بعض نے احمدی ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مولوی عزیز الرحمن صاحب ہیں جو عربی کے بڑے عالم ہیں۔ اور ان کا ایک عربی قصیدہ الفضل میں بھی چھپ چکا ہے۔ ان کے والد جو اپنے بیٹے کی طرح عالم نہیں، وہ یہاں آئے۔ وہ کہیں جا رہے تھے تو کسی نے میاں عبداللہ بن مان کو آتا دیکھ کر انہیں بتایا کہ وہ میاں عبداللہ ہیں۔ اس پر وہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میاں۔ تیرے باپ کو اس درسے خلافت ملی تھی اب تھے کیا ہو گیا ہے کہ تو بھاگ رہا ہے۔ پھر پنجابی میں کہا کہ جا اور حاکر معافی مانگ۔ عبداللہ بن مان نے کہا۔ باباجی میں نہ تو معافی مانگی تھی۔ وہ کہنے لگے اس طرح

نہیں۔ تو جا کر ان کی دہنی پر بینہ جا اور وہاں سے مل نہیں۔ تجھے دھکے مار کر بھی وہاں سے نکالنا چاہیں تو اس وقت تک نہ اٹھ، جب تک کہ تجھے معافی نہ مل جائے۔ مگر عبد النان نے اس نو احمدی کی بات بھی نہ مانی۔ پھر میں نے بھی مری میں خطبہ دیا اور معافی کا طریق بتایا۔ لیکن اس نے نہ تو اس طریق پر عمل کیا جو میں نے خطبہ میں بیان کیا تھا اور نہ اس طریق پر عمل کیا جو اس نے احمدی نے اسے بتایا تھا۔ اور اخباروں میں شور چلایا جا رہا ہے۔ بے شک وہ اور اس کے ساتھی اخباروں میں بہتنا چاہیں شور چلائیں۔ وہ اتنا شور تو نہیں چاہکتے بہتنا سن ۵۳ء میں جماعت کے خلاف چلایا گیا تھا۔ مگر جو خدا سن ۵۳ء میں میری مدد کے لئے دوڑا ہوا آیا تھا، وہ خدا اب بدھا نہیں ہو گیا کہ وہ سن ۵۳ء میں دوڑ سکتا تھا۔ اور اب نہیں دوڑ سکتا بلکہ وہ اس وقت بھی دوڑ سکتا تھا اور اب بھی دوڑ سکتا ہے اور قیامت تک دوڑ سکے گا۔ جب بھی کوئی شخص احمدیت کو کچلے کے لئے آگے آئے گا میرا خدا دوڑتا ہوا آجائے گا۔ اور جو شخص احمدیت کو مٹانے کے لئے نیزہ مارنے کی کوشش کرے گا۔ میرا خدا اپنی چھاتی اس کے سامنے کر دے گا۔ اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ میرے خدا کو نیزہ نہیں لگتا۔ جو شخص میرے خدا کے سینہ میں نیزہ مارنے کی کوشش کرے گا۔ وہ نیزہ الٹ کر خود اس کے اپنے سینہ میں جا لگے گا۔ اور جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے ایمان کی وجہ سے تحفظ رہتی چلی جائے گی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ آپ لوگ اپنے

ایمان کو قائم رکھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول "سالیا کرتے تھے۔ جب میں بھوپال میں پڑھا کر تما تھا تو وہاں ایک بزرگ تھے۔ جنہیں میں اکثر ملنے جایا کرتا تھا۔ نیک آدمی تھے اور مجھ پر انہیں اعتناء تھا۔ ایک دن کچھ وقند کے بعد میں انہیں ملنے کے لئے گیا تو کہنے لگے میاں تم نے ہم محبت کرتے ہیں۔ جانتے ہو کیوں محبت کرتے ہیں؟ ہم اس لئے تم سے محبت کرتے ہیں کہ کبھی کبھی تم آجاتے ہو، تو خدا تعالیٰ کی باتیں کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد پھر دنیا کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں لیکن تم بھی کچھ عرصہ سے میرے پاس نہیں آئے۔ تم نے کبھی قصاص کی دکان دیکھی ہے؟ میں نے کہاں دیکھی ہے۔ اس بزرگ نے کہا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ قصاص کچھ دیر گوشت کا نہ کے بعد دو چھروں کو آپس میں رگڑ لیتا ہے۔ پتہ ہے وہ کیوں اس طرح کرتا ہے وہ اس لئے ایسا کرتا ہے کہ گوشت کا نہ کا نتے

چھری پر چربی جم جاتی ہے اور وہ کند ہو جاتی ہے۔ جب وہ اسے دوسری چھری سے رگڑتا ہے تو چربی صاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تم یہاں آتے ہو تو میں تم سے خدا تعالیٰ کی باتیں کرتا ہوں اور تم بھی مجھ سے خدا تعالیٰ کی باتیں کرتے ہو۔ اس طرح وہ چربی جو دنیوی بالتوں کی وجہ سے جم جاتی ہے۔ دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے نامہ نہ کیا کرو یہاں آتے رہا کرو۔ آپ لوگ بھی اپنے بیوی بچوں کو خدا تعالیٰ کی باتیں ساتھ رہا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے رہا کریں۔ تاکہ خدا تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہیشہ بیش رہے اور اس کی محبت ہمارے دل میں اتنی تیز ہو جائے کہ نہ صرف ہم اس کے عاشق ہوں بلکہ وہ بھی ہمارا عاشق ہو اور یاد رکھو کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو تکلیف میں نہیں دیکھے سکتا۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے محبوب ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں بھی نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ابھی دشمن اپنے گھر سے نہیں نکلا ہو گا کہ تم دیکھو گے کہ خدا تعالیٰ عرش سے بھی بیچے اتر آیا ہے اور وہ خود تمہارے گھروں کا پرہ دے گا۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھرت کی۔ بعض دشمن منصوبہ کر کے نگلی تکواریں لئے کھڑے تھے۔ مگر آپ سامنے سے نکل گئے۔ بعد میں لوگوں نے ان سے کہا کہ تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ مگر تمہارے سامنے سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) گذر گئے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم وہ ہمیں نظری نہیں آیا۔

پس اگر خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا تو دشمن تمہارے گھر پر آئے گا تو تم ان کو نظر نہیں آؤ گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بت بڑے انداز تھے۔ ہم نے اپنی جماعت میں بھی اس قسم کے نظارے دیکھے ہیں۔ مولوی عبدالرحمن صاحب شعیر کے ایک تخلص احمدی تھے۔ میں نے انہیں مبلغ بنا کر وہاں رکھا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں میں اثر رکھتے تھے اور ان کی تنظیم کرتے تھے۔ اس لئے ان پر ریاست جموں کی گورنمنٹ نے بعض الزمامات عاید کر دیئے اور کہا کہ فلاں موقع پر جو چوری ہوئی ہے وہ انہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور ان کے متعلق وارث فوجداری جاری کر دیئے۔ ایک دن وہ شعیر میں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کے کان میں کہا کہ باہر پولیس کھڑی ہے۔ وہ اٹھے اور رومال ڈال کر پولیس کے سامنے سے گذر گئے۔ میں نے بعد میں کسی سے پوچھا کہ مولوی صاحب کا کیا بنا ہے۔ تو دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ پولیس کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہیں آئے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان تھی۔ مولوی عبدالرحمن صاحب صحابی بھی نہیں تھے۔ تامیٰ تھے۔ ان کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا یہ

سلوک ہوا کہ پولیس وارٹ لے کر کھڑی تھی لیکن وہ سامنے سے گزر گئے اور جب پولیس سے پوچھا گیا کہ تم نے انہیں پکڑا کیوں نہیں۔ تو کہنے لگے ہم نے انہیں دیکھا ہی نہیں۔

توجہ تک خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق رہے گا، خدا تعالیٰ کا تعلق بھی ہمارے ساتھ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہیش اپنی غیرت ہمارے لئے دکھاتا رہے گا۔ اور کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ ہماری طرف ترجیح آنکھوں سے دیکھے کیونکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے فرا آگے بڑھیں گے اور ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں گے اور وہ مدد ہمیں حاصل ہو گی جس کو دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ بھی ترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور تمہاری مدد کرے۔

اس کے بعد حضور نے حاضرین سمیت ہمی دعا فرمائی۔ اور پھر انصار اللہ کا عدد دہرایا۔
(خطاب فرمودہ ۲۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ الفضل ۲۶۔ اور ۷۔ مارچ ۱۹۵۷ء)

کامل تنظیم اور متواتر حرکت عمل کی تلقین

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے پہلے سالانہ اجتماع سے خطاب

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں صرف مجلس انصار اللہ کی خواہش کے مطابق اس جلسہ کے افتتاح کے لئے آیا ہوں اور صرف چند کلمات کہ کر دعا سے اس جلسہ کا افتتاح کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ انصار اللہ کی مجلس کے قیام کو کئی سال گذر پھکے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب تک اس مجلس میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ

اول تنظیم کامل ہو جائے دوسرے متواتر حرکت عمل

پیدا ہو جائے اور تیرے اس کے کوئی اچھے متأجح نکلنے شروع ہو جائیں۔ میں ان تینوں باتوں میں مجلس انصار اللہ کو ابھی بہت پیچھے پاتا ہوں۔ انصار اللہ کی تنظیم ابھی ساری جماعتوں میں نہیں ہوئی۔ حرکت عمل ابھی ان میں پیدا ہوتی نظر نہیں آتی، نتیجہ تو عرصہ کے بعد نظر آنے والی چیز ہے۔ مگر کسی اعلیٰ درجہ کے نتیجہ کی امید تو ہوتی ہے اور کم از کم اس نتیجہ کے آثار کا ظہور تو شروع ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارا وہ امید اور آثار ابھی نظر نہیں آتے۔ غالباً مجلس انصار اللہ کا یہ

پہلا سالانہ اجتماع

ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس اجتماع میں وہ ان کاموں کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور قادیانی کی مجلس انصار اللہ بھی اور بیرونی مجلس بھی اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں گی کہ بغیر کامل ہوشیاری اور کامل پیداواری کے کبھی قوی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ہمسایہ کی اصلاح میں ہی انسان کی اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنا�ا ہے کہ اس کے ہمسایہ کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز اپنے پاس کی چیز سے تاثر ہوتی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ پاس پاس کی چیز ایک دوسرے کے اثر بول کرتی ہیں۔ بلکہ

سامنے کی موجودہ تحقیق سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے رنگ ان پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں اس لئے ان کا رنگ پانی کی وجہ سے اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے، جو پانی پر پڑتی ہیں، سفید اور چمکیلا ہو گیا۔ مینڈک کناروں پر رہتے ہیں اس لئے ان کا رنگ کناروں کی بزرگ بزرگ گھاس کی وجہ سے بزری مائل ہو گیا۔ ریتیلے علاقوں میں رہنے والے جانور میلا رنگ کے ہوتے ہیں۔ بزرگ درخنوں پر بسیرا رکھنے والے طوطے بزرگ کے ہو گے۔ جنگلوں اور سوکھی ہوئی جھاڑوں میں رہنے والے تیتروں وغیرہ کا رنگ سوکھی ہوئی جھاڑیوں کی طرح ہو گیا۔ غرض پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے اور ان کے اثرات قبول کرنے کی وجہ سے پرندوں کے رنگ بھی اسی قسم کے ہو جاتے ہیں۔

پس اگر جانوروں اور پرندوں کے رنگ پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے بدلتے ہیں حالانکہ ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی۔ تو انسانوں کے رنگ جن میں دماغی قابلیت بھی ہوتی ہے پاس کے لوگوں کی وجہ سے کیوں نہیں بدلتے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

كُوْنُواْمَعَ الْطَّاَدِقِينَ

(سورۃ التوبہ آیت ۱۱۹)

یعنی اگر تم اپنے اندر تقویٰ کا رنگ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا گریبی ہے کہ صادقوں کی مجلس اختیار کرو ہاکہ تمہارے اندر بھی تقویٰ کا وادی رنگ تمہارے نیک ہمسایہ کے اثر کے ماتحت پیدا ہو جائے جو اس میں پایا جاتا ہے۔ پس جماعت کی تنظیم اور جماعت کے اندر دینی روح کے قیام اور اس روح کو زندہ رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اصلاح کی کوشش کرے۔ کیونکہ ہمسایہ کی اصلاح میں ہی اس کی اپنی اصلاح ہے۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو اس سے مستغثی سمجھتا ہے وہ اپنی روحانی ترقی کے راستے میں خود روک نہتا ہے۔ بڑے سے بڑے انسان بھی مزید روحانی ترقی کا محتاج ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر دم تک یا ہدانا الْصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطُ الظُّفَرِ انْعَمَتْ عَلَيْهِمْ کی دعا کرتے رہے۔

پس اگر خدا کا وہ نبی جو پہلوں اور پچھلوں کا سردار ہے، جس کی روحانیت کے معیار کے مطابق نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہو گا، اور جس نے خدا تعالیٰ کا ایسا قرب حاصل کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی، اور نہ مل سکتی ہے۔ اگر وہ بھی مدارج پر مدارج حاصل کرنے کے بعد پھر مزید

روحانی ترقی کا محتاج ہے، اور روزانہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کتا ہے۔ اکیلا نہیں بلکہ ساتھیوں کو ساتھ لے کر کتا ہے۔ تو آج کون ایسا انسان ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کئے سے اور جماعت میں کھڑے ہو کر کئے سے اپنے آپ کو مستقیمی قرار دے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس سے مستقیمی قرار دیتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک ایسا مقام تجویز کرتا ہے جو مقام خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے لئے تجویز نہیں کیا۔ پس جو شخص اپنے لئے ایسا مقام تجویز کرتا ہے وہ ضرور ٹھوکر کھائیگا۔ کیونکہ اس قسم کا استغنا عن عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔ ایمان کی علامت نہیں بلکہ وہ شخص کفر کے دروازے کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔

پس تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے متعلقات اور اپنے گرد و پیش کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اسی سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ اسی سے قوم میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور کامیابی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ دعا کیں بھی وہی قبول ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت کی جائیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے دعائیگئے کے لئے **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** میں بحث کا صیغہ رکھ کر ہمیں بتادیا ہے۔ کہ اگر تم روحانی طور پر زندہ رہنا اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو، تو تمہارے لئے صرف اپنی اصلاح کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے گرد و پیش کی اصلاح کرنا اور جمیع طور پر اس کے لئے کوشش کرنا اور مل کر خدا سے دعا مانگنا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے میں نے مجلس انصار اللہ، بندِ اماء اللہ، مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس اطفال الاحمدیہ قائم کی ہیں۔

پس میں امید کرتا ہوں کہ مجلس انصار اللہ مرکزیہ اس اجتماع کے بعد اپنے کام کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ کر پوری تدبیحی اور محنت کے ساتھ ہر جگہ مجلس انصار اللہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ ان کی اصلاحی کوششیں صرف اپنے تسلیک ہی محدود نہ ہوں بلکہ گرد و پیش کی اصلاح کے لئے بھی ہوں اور ان کی کوششیں دریا کی طرح بڑھتی چلی جائیں اور دنیا کے کوئے کوئے کو سیراب کر دیں۔ اب میں دعا کے ذریعہ جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں۔ خدا کرے مجلس انصار اللہ کا آج کا اجتماع اور آج کی کوششیں بچ کے طور پر ہوں جن سے آگے خدا تعالیٰ ہزاروں گناہوں پر بیدار کرے اور پھر وہ بچ آگے دوسری فضلوں کے لئے بچ کا کام دیں۔ یہاں تک کہ خدا اکی رو حفاظتی

بادشاہت اسی طرح دنیا پر قائم ہو جائے جس طرح کہ اس کی مادی بادشاہت دنیا پر قائم ہے۔

آئین

(خطاب پلاسالانہ اجتماع انصار اللہ مورخ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۳ء۔ حوالہ الفضل ۶۔ اگست ۱۹۳۵ء)

احمدیت کی محبت اور محنت کی عادت پیدا کرنے کے ذرائع پر غور کریں

مجالس انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ مشورہ دیں
(اقتباس از خطبہ جمع)

احمدیت کی محبت، اخلاص اور تربیت جھگڑوں سے روکتی

ہے گر لوگ معمولی بات پر جھگڑتے ہیں۔ عمدوں پر جھگڑ کر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سارا شخص اس وجہ سے ہے کہ احمدیت کی محبت دل میں نہیں۔ اگر احمدیت کی محبت ہوتی تو کچھ بھی ہو جاتا وہ اس کی پروادہ کرتے۔ یہ لوگ ہمتالوں میں جاتے ہیں، عذالتوں میں جاتے ہیں، کہیں ان کو چپڑا سی نگ کرتے ہیں، کہیں ان کو کپونڈر دن کرتے ہیں، یہ ان ساری ذاتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے عزیز کی جان یا ہماری عزت خطرے میں ہے۔ اگر اسلام کی جان اور اسلام کی عزت کی قدر ان کے دل میں ہوتی تو یہ آپس میں ذرا ذرا اسی بات پر کیوں جھگڑتے۔ وہ فرق یہی ہے کہ اپنے عزیز کی جان یا اپنی عزت ان کو زیادہ پیاری ہے۔ اس لئے کچھ لوں یا ہمتالوں میں مجھشیوں یا ڈاکٹروں کی جھڑکیاں کھاتے ہیں اور ان کو برداشت کرتے ہیں۔ ان سے گالیاں سننے ہیں اور ہنسنے ہوئے کھتے چلتے ہیں کہ حضور ہمارے مائی باپ ہیں۔ جو چاہیں کہ لیں۔ مگر خدا کے سلسلہ اور خدا کے نظام میں معمولی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔ وہاں ہمتالوں میں دایاں اور زیسیں ان کو جھڑکتی ہیں۔ ڈاکٹر ٹھارٹ سے کہتا ہے چلے جاؤ۔ تو یہ دروازہ کے پاس جا کر چھپ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس کو ناراض کیا۔ تو میرے عزیز کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ لیکن ان کو احمدیت عزیز نہیں ہوتی۔ اسلام عزیز نہیں ہوتا۔ اس لئے سلسلہ اور نظام کی خاطر اونی سا پر اکملہ سننے کی تاب نہیں رکھتے۔

دوسری چیزِ محنت ہے

اگر واقعہ میں احمدیت کی محبت ہوتی تو ضرور نوجوانوں کے اندر محنت کی عادت ہوتی۔ مگر ان کے کاموں میں محنت اور باقاعدگی سے کام کرنے کی عادت بالکل نہیں۔ اور اگر کوئی کسی کو اچھی بات بھی کہہ دے تو وہ چڑھتا ہے کہ اس نے مجھے ایسی بات کیوں کی۔ پس میں پھر ایک دفعہ خدام کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ مشورہ کر کے میرے سامنے تجویز پیش کریں۔ میں نے بھی اس پر غور کیا ہے اور بعض تجویز میرے ذہن میں بھی ہیں لیکن پہلے میں جماعت کے سامنے اس بات کو پیش کرتا ہوں کہ وہ مشورہ دیں کہ آئندہ نسلوں میں قربانی اور محنت اور کام کو بروقت کرنے کی روح پیدا کرنے کے لئے ان کی کیا تجویز ہیں۔ مگر یہ شرط ہے کہ جو شخص تجویز پیش کرے وہ اپنی اولاد کو پہلے پیش کرے۔ بعض لوگ لکھنے کو تو لکھ دیتے ہیں کہ اس طرح سلوک کیا جائے، اس طرح نوجوانوں پر سختی کی جائے، مگر جب خود ان کے بیٹوں کے ساتھ سختی کی جائے تو شور مچانے لگ جاتے ہیں۔ تو جو شخص اپنی تجویز لکھنے والہ ساتھ یہ بھی لکھے کہ میں اپنی اولاد کے متعلق سلسلہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جو قانون بھی بتائیں میں اپنی اولاد کے ساتھ اس سلوک کو جائز سمجھوں گا۔ اسی طرح خدام الاحمدیہ آپس میں مشورہ کر کے مجھے بتائیں کہ نوجوانوں کے اندر محنت اور استقلال سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لئے ان کی کیا تجویز ہیں۔ نوجوان کام کے موقعہ بر سو فیصدی فیل ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مشکل پیش آگئی اس لئے کام نہیں ہو سکا۔ وہ نوئے فی صدی بہانہ اور دس فیصدی کام کرتے ہیں۔ یہ حالت نمایت خطرناک ہے اس کو دیر تک برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

پس خدام مجھے بتائیں کہ نوجوانوں کے اندر محنت سے کام کرنے، اور فرائض کو ادا کرنے میں ہر قسم کے بہانوں کے چھوڑنے کی عادت، کس طرح پیدا کی جائے۔ مشورہ کے بعد ان تجویز پر غور کر کے، پھر میں تجویز کروں گا۔ اور جماعت کے نوجوانوں کو ان کا پابند بنایا جائیگا۔ پہلے اسے اختیاری رکھیں گے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون کون سے ماں باپ ہیں جو اپنے بچوں کو سلسلہ کی تعلیم دلاتا اور ان کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس وقت ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا طریقہ درست ہے تو پھر دوسرا قدم ہم یہ اخہائیں گے کہ اے

لازی کر دیا جائے۔ بہر حال یہ کام ضروری ہے۔ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو احمدیت کی مثال اس دریا کی ہوگی۔ جو ریت کے میدان میں جا کر خٹک ہو جائے۔ اور جس طرح بعض بڑے بڑے دریا صحراؤں میں جا کر اپنا پانی خٹک کر دیتے ہیں۔ پانی تو ان میں اسی طرح آتا ہے مگر صحرائیں جا کر خٹک ہو جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نالیاں پہاڑوں سے گزرتی ہوئی میلوں میں تک چلی جاتی ہیں مگر بڑے بڑے دریا ریت کے میدانوں میں جا کر خٹک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ مت خیال کرو کہ تمہارے اندر معرفت کا دریا یہ رہا ہے۔ اگر تم میں سنتی، کم مختنی اور غفلت کا صحرای پیدا ہو گیا تو یہ دریا اس کے اندر خٹک ہو کر رہ جائیگا۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں مبارک ہو گئی جو پہاڑوں کی وادیوں میں سے گزر کر میلوں میں تک چلتی چلی جاتی ہیں۔ مگر تمہارے دریا یہ تمہارے لئے مفید ہو گا اور نہ دنیا کے لئے مفید ہو گا۔

پس یہ آفت اور مصیبت ہے جس کو ملانا ضروری ہے۔ اس آفت کو دور کرنے کے لئے پہلے میں جماعت کے دوستوں سے فرد افراد ا

اور خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ سے بحثیت جماعت مشورہ

چاہتا ہوں۔ انصار اللہ سے اس لئے کہ وہ باپ ہیں اور خدام الاحمدیہ سے بحثیت نوجوانوں کی جماعت ہونے کے کہ ان پر ہی اس سکیم کا اثر پڑنے والا ہے۔ اور ہر فرد سے جس کے ذہن میں کوئی نئی یا مفید تجویز ہو، پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے مشورہ دے پھر میں ان سب پر غور کر کے فیصلہ کروں گا کہ آئندہ نسل کی اصلاح کے لئے ہمیں کون سا قدم اٹھانا چاہئے۔
(افتباں از خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۔ مئی ۱۹۳۵ء بحوالہ الفضل ۱۱۔ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵)

انصار اللہ سے مل کر ایسی کوشش کریں

کہ ہر احمدی اپنے اوقات کو صحیح طور پر صرف کرنے کی عادت اپنے اندر پیدا کرے اور جو کام اس کے سپرد کیا جائے اس کے متعلق وہ کوئی بناہ نہ بنائے۔ بہانہ بنانا ایک خطرناک چیز ہے جس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہ عادت اس سال ڈالنی چاہئے کہ جس شخص کو کسی کام پر مقرر کیا جائے، اس کا فرض ہے کہ یا تو وہ کام پوری دیانتداری سے کرے۔ یا اس کام کے لئے جو وقت مقرر ہے اس کے ختم ہونے پر اس کی لاش وہاں نظر آئے۔ اس کی زبان چلتی ہوئی یہ عذر نہ

کرے کہ میں فلاں وجہ سے یہ کام نہیں کر سکا۔ جب تک یہ روح ہماری جماعت کے نوجوانوں میں پیدا نہ ہو اس وقت تک وہ حقیقی قربانی پیش نہیں کر سکتے۔

ایسی طرح مردوں کو چاہئے کہ جہاں بخدا امام اللہ قائم نہیں وہاں بخدا امام اللہ قائم کریں۔ میرے پاس بہت سی عورتوں نے شکایت کی ہے کہ مردان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ بعض تو انہیں روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخدا کے جلوں میں نہ جایا کرو۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر عورتیں بخدا امام اللہ قائم کرنا چاہئیں تو وہ اس میں روک بن جاتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ جب تک عورتیں بھی دین کی خدمت کے لئے مردوں کے پہلو بہ پہلو کام نہیں کرتیں، اس وقت تک ہم صحیح طور پر ترقی نہیں کر سکتے۔ اسلام کی جو عمارت ہم باہر تیار کرتے ہیں۔ اگر اس عمارت کی تیاری میں عورت ہمارے ساتھ شریک نہیں تو وہ گھر میں اس عمارت کو تباہ کر دیتی ہے۔ تم پچھے کو مجلس میں اپنے ساتھ لاو، اسے دعاظ و نصیحت کی باتیں سناؤ، دین کی باتیں اس کے کان میں ڈالو، لیکن گھر جانے پر اگر تمہاری عورت میں وہ روح نہیں جو اسلام عورتوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے، تو وہ پچھے سے کہے گی کہ پچھے تمہارے باپ کی عقل ماری ہوئی ہے وہ تمہیں یونہی مسجدوں میں لے پھرتا ہے۔ تمہاری صحت اس سے جاہے گی تم ایسا نہ کیا کرو۔ باپ اپنے پچھے کو اقتصادی زندگی برکرنے کی ترغیب دے، تو ماں کہنے لگ جائے گی کہ یہاں تمہارا باپ محض بخل کی وجہ سے تمہیں یہ نصیحت کر رہا ہے اور نام اس کا دین رکھ رہا ہے ورنہ اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا دل تمہاری ضروریات کے لئے روپیہ خرچ کرنے کو نہیں چاہتا۔ تم بے شک اپنے دل کے حوصلے نکال لو، میں تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھو اگر کسی گھر میں ایسا ہو تو ایک ہی وقت میں دو تکواریں چل رہی ہوں گی، ایک سامنے سے اور ایک پیچے سے۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ جہاں دو تکواریں چل رہی ہوں وہاں امن نہیں ہو سکتا۔ پس اول ہماری جماعت کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ دوسرے جماعت کو خصوصیت سے اپنے

فرائض کی ادائیگی

کے لئے محنت کی عادت اختیار کرنی چاہئے۔ اور جس کام کے لئے کسی کو مقرر کیا جائے اس کے متعلق وہ اس اصول کو اپنے مدنظر رکھے کہ میں نے اب پیچھے نہیں ہٹنا چاہے میری جان چل جائے۔ جب تک اس قسم کی روح اپنے اندر پیدا نہیں کی جائے گی جماعت پوری طرح ترقی نہیں

کر سکتی۔ تیرے ہر جگہ لجٹے اماء اللہ قائم کی جائے
اور عورتوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح

کا خیال رکھا جائے۔ چوتھے جماعت کے اندر سچائی کو قائم کیا جائے۔ جب تک کسی قوم میں سچائی
قائم رہتی ہے وہ ہماری نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ابھی اس پہلو کے لفاظ سے
بھی کمزوری پائی جاتی ہے۔

(اقتباس تقریر جلسہ سالانہ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء، بحوالہ الفضل۔ ۱۶ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲)

جماعت میں مشقت طلب کاموں کی عادت پیدا کرنا

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کا اصل مقصد

سورہ الاشقاق کی آیت

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَذَّافٌ مُلْقِيْهِ

(سورہ الاشقاق آیت ۷)

کے لغوی معنے بیان فرمائے کے بعد اس آیت کی تفسیر (بجوالہ تفسیر کبیر جلد ششم جزو چارم نصف
اول ص ۳۳۶-۳۳۷) کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسان تو پوری جدوجہد کر لیکا۔ پوری محنت کرے گا اپنے رب کی
طرف جانے کی فُلَاقِيْه اور آخر تو اس سے جا کر مل ہی جائے گا۔

یہاں یَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ میں یا تو عام قaudہ بیان کیا گیا ہے اور یا اس سے مراد صرف وقت کا
امام ہے یعنی یا تو اس سے یہ مراد ہے کہ اے انسان تیرے لئے

اپنے رب سے ملنے کا رستہ کھلا

ہے۔ شرط یہ ہے کہ تیری طرف سے کدھ ہونا چاہئے ان معنوں کے لفاظ سے ہر انسان اس
میں شامل ہے اور یا پھر ہر انسان برہ راست اس میں شامل نہیں بلکہ کامل انسان کے تابع ہو کر
شامل ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اے کامل انسان تو اپنے رب کو پانے کے لئے بڑی قربانیاں کر لیگا۔
اور آخر ایک دن اس کو پاہی لے گا اور جب کوئی کامل انسان اس کو پالیتا ہے تو پھر رب کو حکم ہو
جاتا ہے کہ تم بھی اسی راست پر چلو اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لو۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے رستے کا ملنا معمولی بات نہیں ہوتی۔ اس غرض کیلئے

انسان کو اتنی محنت کرنی پڑتی ہے

کہ اس کی ہڈیوں تک اثر پہنچ جاتا ہے۔ یہی دل نکتہ ہے جس کونہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ لقاءِ الہی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب انہیں ایمان نصیب ہو گیا تو کچھ دیر بیٹھ کر ایمان کی بالتوں کا مزہ لے لینے اور نماز روزہ وغیرہ ادا کر لینے سے ہی ان کی روحانیت کامل ہو جائے گی۔ حالانکہ روحانیت کامل ہوتی ہے اس غم کی وجہ سے جو عشق سے پیدا ہوتا ہے جس کے اثر سے انسان کی ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں۔ جب تک انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے متعلق یہ رغبت پیدا نہ ہو۔ یہ غم پیدا نہ ہو۔ یہ عشق اور محبت پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک ملاقيہ کامنام اسے میر نہیں آ سکتا۔ باقی نماز پڑھ لینا یا روزے رکھ کر یہ سمجھ لیتا کہ میں نے بڑی مشقت برداشت کر لی ہے۔ ایسی باتیں نہیں ہیں جو کدھ میں شامل ہوں۔ اس سے بہت زیادہ مشقت طلب کام لوگ کرتے ہیں۔ چوڑھوں کو دیکھ لو وہ کتنی محنت کرتے ہیں۔ دھوپیوں کو دیکھ لو وہ کس قدر مشقت کام کرتے ہیں۔ سقوں کو دیکھ لو وہ کس قدر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ہوتا کہ اس کام سے ان کی ہڈیاں گھلنی شروع ہو جائیں۔ کام کا جتنا اثر ہوتا ہے صرف جسم پر ہوتا ہے۔ جو کچھ دیر کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کادھ کا لفظ استعمال فرماتا ہے اور کدھ اس بات کو کہتے ہیں کہ انسان ایسا عمل کرے کہ یوں معلوم ہو اس کی صحت بگڑ جائے گی۔ اس کی ہڈیاں گھل جائیں گی، اور اس کا جسم تباہ ہو جائیگا۔ جب انسان اس رنگ میں کام کرتا ہے تب اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر اس کا اپنی کامیابی کے متعلق امید رکھنا غلطی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی جماعت میں

خدمام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو اسی غرض

کیلئے قائم کیا ہے کہ وہ محنت کریں اور مشقت طلب کاموں کی اپنے اندر رعایت پیدا کریں۔ جب تک انسان اپنے اوقات کو ضائع ہونے سے نہیں بچتا اسے خدا نہیں مل سکتا۔ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت میں

مشقت طلب کاموں کی عادت

پیدا ہو۔ اور ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مشغول رہے۔ پس

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِذْكُرْ كَيْدَحْ إِنِّي رَبِّكَ كَذَّا فَمُلْقِيْهُ

میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک ہر انسان اپنے آپ کو کام کرتے کرتے فتنیں کر دیتا، اس وقت تک قوی طور پر خدا نظر نہیں آ سکتا۔ انفرادی طور پر بیٹھ کدھ کے بعد انسان کو لقاء الہی حاصل ہو جاتا ہے مگر قوی طور پر اسی وقت لقاء الہی کی نعمت حاصل ہوتی ہے، جب قوم کا ہر فرد اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے۔

دنیا میں لقاء الہی دو طرح حاصل ہوتا ہے۔ ایک فردی طور پر اور ایک قوی طور پر۔ اگر قوم تباہ بھی ہو پچکی ہوتی بھی فردی طور پر انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل باوجود اس کے کہ مسلمان قوی طور پر تباہ و بر باد ہو چکے تھے، ان میں بعض بزرگ پائے جاتے تھے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ غزنوی کے متطلق خود حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ وہ بزرگ انسان تھے۔ اسی طرح حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے مجدد صاحب بریلوی یا حضرت مولوی محمد اسٹیل صاحب شید اور اسی طرح بعض اور بزرگ گذرے ہیں۔ مگر یہ چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے چند نفوس تھے جو خدا تعالیٰ سے ملے۔ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ نے یہ دکھانے کے لئے بھیجا تھا کہ اسلام اب بھی اپنے اندر طاقت رکھتا ہے، اور اب بھی وہ لوگوں کو زندہ کر سکتا ہے، اب بھی وہ انہیں خدا تعالیٰ کے دربار تک پہنچا سکتا ہے۔ مگر قوی طور پر ان کے وجود سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ پس حضرت سید احمد صاحب بریلوی کیا تھے۔ وہ درحقیقت محبت تھے ستوں پر۔ وہ محبت تھے غافلوں پر۔ اور وہ یہ بتانے کے لئے بھیجے گئے تھے کہ اسلام اب بھی اپنے اندر زندگی بخش اثرات رکھتا ہے۔ مگر بحیثیت قوم اسلام کو ان کے وجود سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ اسلام نام تھا چالیس کروڑ افراد کا، جن میں سے کوئی چین میں رہتے تھے، کوئی جاپان میں رہتے تھے، کوئی سماڑا اور جاوا میں رہتے تھے اور کوئی دوسرے ممالک میں رہتے تھے اور یہ وہ ممالک ہیں جہاں ان لوگوں کی کوئی آواز نہیں پہنچی۔ یوں ہماری جماعت بھی ابھی چھوٹی سی ہے مگر ہماری جماعت وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے مختلف ممالک میں پھیل رہی ہے۔ پس وہ لوگ صرف غافلوں پر محبت تھے اور اس بات کی دلیل تھے کہ خدا اب بھی لوگوں کو زندہ کر سکتا ہے ورنہ ان

کے زمانہ میں قوی طور پر مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے چہرہ کو نہیں دیکھا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِذْ كَادَ حِلْمٌ لِّقِيَةٍ

اے جماعت مومنین کے ہر فرد تم میں سے

ہر شخص کو اس راستہ میں اپنے آپ کو فنا کر دینا پڑے گا

تب تمہیں قوی طور پر خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آئے گا اور اس کے لقاء کی نعمت تمہیں میر آئے گی اور یہی نعمت حقیقی نعمت ہوتی ہے۔ درنہ انفرادی طور پر تو ہر زمانہ میں لوگ خدا تعالیٰ کو پاتے رہتے ہیں۔ لیکن انفرادی طور پر خدا تعالیٰ کو پالینے سے قوم کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ قوی طور پر اسی وقت خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہوتا ہے اور قوم کا ہر فرد خدا تعالیٰ کا چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے جب ہر فرد اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستوں میں فنا کر دیتا ہے اور اس وقت تک پیچھے نہیں ہتا جب تک اس نعمت عظیمہ کو حاصل نہیں کر لیتا۔

(بحوال الفضل۔ ۱۶۔ مارچ ۱۹۳۶ء)

وقف جاسید او کی تحریک

مرکزی مجلس انصار اللہ سے خطاب کا شخص

کل مرکزی مجلس انصار اللہ کی طرف سے کرم مولوی جلال الدین صاحب شش اور محترم ایسید منیر الحسنی صاحب کے اعزاز میں جو دعوت چائے دی گئی اس میں جتاب شش صاحب نے مجلس انصار کے خیر مقدم کا مشکریہ ادا کرتے ہوئے یہ ذکر کیا کہ مختلف ممالک میں کام کرنے والے بیانیں کو سامان تبلیغ کی بے حد قلت ہے ورنہ تبلیغ کے لئے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے اس تحریک کا ذکر کیا جو حضرت امیر المومنین خلیفۃ الرسیح الثانی ایہدہ اللہ تعالیٰ نے وقف جاسید او کے متعلق جاری فرمائی ہے۔ اور بتایا اسے کامیاب بنانے کی صورت میں دنیا میں عظیم الشان انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ اس کی طرف انصار کو توجہ کرنی چاہئے۔ اس موقع پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ الرسیح الثانی ایہدہ اللہ تعالیٰ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ مبلغ یہروں ممالک سے آتے بھی ہیں اور جاتے بھی۔ جانے والوں کے لئے جماعت کے دل افرادہ بھی ہوتے ہیں اور خوش بھی۔ اسی طرح آنے والوں کے لئے خوشی بھی ہوتی ہے اور افرادگی بھی۔ اس لئے کہ جہاں ان کا آنا خوشی کا موجب ہوتا ہے کہ وہ عزیزوں کے پاس آگئے، وہاں یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی زندگی کا وہ دور جوانیں بہت بڑے ثواب کا سحق بنا رہا تھا وہ ختم ہو گیا۔ یا اس کو تبدیل کر لیا گیا۔

ہماری جماعت جس مقصد

کے لئے قائم کی گئی ہے، وہ اتنا بلند، اتنا اعلیٰ اور اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس کے حصول کے لئے جتنی کوشش کرنی چاہئے اور جس قدر سامان میا ہونا چاہئے اس کا ہزارواں چھوڑ لاکھواں حصہ بھی ابھی تک میراثیں آیا۔ بے شک ہم تھوڑے ہیں اور کمزور، لیکن اگر جماعت اپنی قوت کے مطابق کوشش کر دیتی تو یہ سنت اللہ ہے کہ جب ایک ما سور کی جماعت اپنی ساری طاقت صرف کر دیتی ہے، تو کامیابی کے لئے باقی جس قدر کوشش ضروری ہوتی ہے اسے خدا

تعالیٰ پورا کر دیتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو مقروض ہماری قوم کا مر جائے، اس کے قرض کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقرض اپنے گھر میں مال چھوڑ کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری قوم پر چلتی ہے بلکہ یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کر اس کے پاس تھا، دے دیا مگر پھر بھی قرض باقی رہا، اس کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لی ہے۔ یعنی باقی جو قرض رہ گیا، اس کی ادائیگی کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہی حال دین کے معاملہ میں خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں کے متعلق ہوتا ہے۔ جو جماعت اپنی ساری طاقت خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور خدمت کے لئے صرف کر دیتی ہے، اسے باقی مدد خود خدا تعالیٰ دیتا ہے۔ پس اگر امت مسلم مسلمان مقروض کے قرض کی ذمہ داری ہو سکتی ہے، تو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی کمی پورا کرنے کا بہت زیادہ ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے ان بندوں کی کامیابی کے جو اپنی ساری طاقت اس کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں، خود سامان پیدا کر دیتا ہے۔ پس خطرہ کی بات یہ نہیں کہ ہم تھوڑے اور کمزور ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ جتنی کوشش اور سعی ہم کر سکتے ہیں وہ کر رہے ہیں یا نہیں۔ پھر یہ بھی سوال نہیں کہ ہمیں فتح حاصل ہو گی یا نہیں کیونکہ اس کافی صہی خود خدا تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے راجہ، نمازجے، نواب اور بادشاہ موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے ان کے دل میں جوش پیدا کر سکتا اور انہیں اس کام کے لئے کھدا کر سکتا تھا۔ مگر اس نے ان کی بجائے تم کو کھڑا کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کی قوت تم میں موجود ہے۔ تم میں اتنی طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کو فتح حاصل ہو سکتی ہے۔

پس جو شخص بھی احمدیت میں داخل ہوتا ہے وہ اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ اس میں طاقت ہے کہ

اسلام کی کامیابی اور فتح

میں حصہ لے سکے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات آسکے کہ خدا تعالیٰ ایک عظیم الشان کام ایک جماعت کے پرداز کرے، مگر اس جماعت میں وہ کام کرنے کی طاقت اور قابلیت موجود نہ ہو اور وہ اس کی اہل ہی نہ ہو۔ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے، اگر مجھے چالیس مو من مل جائیں تو میں دنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔ مگر ہماری جماعت تو اس وقت

لاکھوں کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک طاقت کے لحاظ سے نہیں بلکہ قریانی کے لحاظ سے کمی ہے، ورنہ تعداد کے لحاظ سے تو پہلے دن، جب بیعت ہوئی، چالیس سے زیادہ بیعت کرنے والے تھے۔ پس اس وقت تک ہماری

کامیابی میں جو کمی ہے وہ قریانی کی ہے

نہ کہ طاقت کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے استادوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جوں جوں استاد تیار ہوتے جاتے ہیں، لوگوں کو اس جماعت میں لا لیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس بھی جب تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اس کی تربیت کرنے کے لئے استاد پیدا ہو جائیں گے۔ تو تلذذ کثرت سے آنے لگیں گے۔ یہ بھی ایک وجہ اس وقت تک عظیم الشان کامیابی نہ ہونے کی ہے۔ مگر اس وجہ سے، اس وجہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی تک پوری اور حکمل قریانی نہیں کی جا رہی۔

اس وقت شمس صاحب نے میری ایک تحریک کا ذکر کیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا وقت وہی ہو سکتا ہے جب کہ

جماعت کی اکثریت اپنی جائیدادیں وقف کر دے گی۔

مگر افسوس کہ یہ تحریک ایک حد تک جا کر رکی ہوئی ہے اور کارکنوں نے اسے جاری رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ اب تک کروڑ ۳۵ لاکھ روپے کی جائیدادیں وقف ہو چکی ہیں اور اگر ساری جماعت اس تحریک میں حصہ لے تو میرا اندازہ ہے کہ دس کروڑ سے بیس کروڑ تک کی جائدادیں وقف ہو سکتی ہیں۔ اور اگر کم از کم اندازہ دس کروڑ بھی ہو اور ۱/۲ افیصدی ہم خرچ کریں تو اس سے دنیا میں عظیم الشان تغیری پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور تبلیغ کے کام کو اتنا بڑھایا جا سکتا ہے کہ لاکھوں لاکھ انسانوں تک آواز پہنچ جائے۔ اسی طرح موجودہ بلمخین کے لئے بیج اخراجات کی ضرورت ہے اور خرچ کی تلگی کی وجہ سے کام و سعی نہیں کیا جا سکتا۔ وقف جائیداد کی ایک ایسی تحریک ہے کہ کسی کا کچھ خرچ نہیں ہو تاگر کام بہت بڑا ہو سکتا ہے۔ میں نے بتا دیا ہے کہ ہم جائدادیں نہ لیں گے بلکہ مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں گے اور ایسے طور پر کام چلایں گے کہ

عظیم الشان نتائج

نکلنے شروع ہو جائیں گے۔ مگر افسوس کہ جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ قادریان میں شاید پانچ نیصدی نے اپنی جائیدادیں وقف کی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ قادریان میں احمدیوں کی جائیدادیں ایک کروڑ روپیہ سے کم کی نہ ہوں گی بلکہ زیادہ ہی ہوں گی۔ اگر سب کے سب احمدی اپنی جائیدادیں وقف کر دیں، تو ان پر کوئی بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور تبلیغ اسلام کے بہت سے رستے کھل جائیں گے۔ مگر اس وقت ہماری حالت وہی ہے جو واحد کے شہیدوں کی تھی کہ کپڑے کی کمی کی وجہ سے ان کے سر زہار نہیں تو پاؤں نہیں ہوتے اور پاؤں نہیں تو سر نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس کبھی روپیہ ہوتا ہے تو موزوں آدمی نہیں ملتے۔ اور کبھی آدمی ملتے ہیں تو روپیہ نہیں ہوتا۔ بہن ضرورت ہے کام کرنے والے احمدیوں کی اور روپے کی۔ اس میں

سب سے زیادہ احمد انصار دے سکتے ہیں۔

اور انہیں ضرور اسے اپنا فرض سمجھنا چاہئے، ایسے انصار ہیں جو لکھتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو خدمت دین کے لئے زندگی وقف کرنے کی تحریک کر رہے ہیں جب وہ تیار ہونگے تو پیش کر دیں گے۔ مگر ایسے بھی ہیں جن کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زندگی وقف کرنے سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دین کی ضرورت کو دیکھنا چاہئے اور دین کے متعلق اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ خاکسار غلام نبی۔ (الیٹرائز الفضل)

(خلاصہ خطاب فرمودہ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء۔ بحوالہ الفضل ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

نماز با جماعت اور محنت کی عادت ڈالنے کے لئے مجالس خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کی ذمہ داری

(جلسہ سالانہ ۱۹۳۶ء کی تقریر سے اقتباس)
سب سے پہلا اور مقدم فرض

جو ایک مسلمان کا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت ہے، قرآن کریم نے عبادت کے لئے ہر جگہ اقامہ صلوٰۃ کے الفاظ رکھے ہیں۔ جن میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اقامہ صلوٰۃ کے بغیر درحقیقت کوئی عبادت عبادت نہیں کہلا سکتی۔ جب تک

نماز با جماعت

اوائے کی جائے، سوائے اس کے کہ انسان بیمار یا مخدور ہو، اس وقت تک اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے حضور قبول نہیں ہو سکتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کی اس طرف پوری توجہ نہیں۔ پس دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا پورا زور اس بات کے لئے صرف کر دیں کہ ہم میں سے ہر شخص نماز با جماعت کا پابند ہو۔ میں نے پہلے بھی چند سال ہوئے جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور اس پر کچھ عرصہ عمل بھی ہوا۔ مگر پھر سُتی داقعہ ہو گئی۔ میں نے کہا تھا کہ جہاں مسجدیں قریب ہوں۔ وہاں مسجدوں میں نماز با جماعت اوایکی جائے۔ اور جہاں مسجدیں نہ ہو، وہاں جماعت کے دوست محلہ میں، کسی کے گھر پر جمع ہو کر نماز با جماعت پڑھ لیا کریں۔ اور جہاں اس قسم کا انتظام بھی نہ ہو سکے وہاں گھروں میں نماز با جماعت اوایکی جائے اور مرد اپنے بیوی پھر کو پیچھے کھڑا کر کے جماعت کرالیا کریں۔ آج میں پھر جماعت کو

اس امر کی طرف توجہ

دلاتا ہوں۔ خصوصاً عہدیداروں کو۔ انہیں چاہئے کہ وہ ہر ماہ مجھے لکھتے رہا کریں۔ کہ انہوں نے

اس بارہ میں کیا کارروائی کی ہے۔

دوسری چیز

جس کی طرف میں اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ محنت کی عادت ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے بہت سے نوجوانوں میں

محنت کی عادت

نہیں پائی جاتی۔ ذرا بھی محنت کا کام ان کے سامنے آجائے تو وہ گھبرا جاتے اور اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتایی سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک نقص ہے جو ان میں پایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ اگر وہ موقعہ آگیا، جس میں دین کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں۔ تو اس قسم کے لوگ خواہ اس وقت قربانی بھی کریں۔ ان کی قربانی چند اس مفید نہیں ہو گی۔ کیونکہ محنت سے گھبرانے والے اپنے فرائض مضمی کو ادا کرنے کی نسبت، آرام زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پس ہر جگہ کی جماعت کو، خصوصاً خدام الاحمدیہ کو، میں اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ

النصار اللہ سے مل کر ایسی کوشش کریں

کہ ہر احمدی اپنے اوقات کو صحیح طور پر صرف کرنے کی عادت اپنے اندر پیدا کرے اور جو کام اس کے سپرد کیا جائے اس کے متعلق وہ کوئی بہانہ نہ بناۓ۔ بہانہ بنانا ایک خطرناک چیز ہے جس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہ عادت اس سال ڈالنی چاہئے کہ جس شخص کو کسی کام پر مقرر کیا جائے، اس کا فرض ہے کہ یا تو وہ کام پوری دیانتداری سے کرے۔ یا اس کام کے لئے جو وقت مقرر ہے اس کے ختم ہونے پر اس کی لاش وہاں نظر آئے۔ اس کی زبان چلتی ہوئی یہ عذر نہ کرے کہ میں فلاں وجہ سے یہ کام نہیں کر سکا۔ جب تک یہ روح ہماری جماعت کے نوجوانوں میں پیدا نہ ہو اس وقت تک وہ حقیقی قربانی پیش نہیں کر سکتے۔

اسی طرح مردوں کو چاہئے کہ جہاں بخدا اماء اللہ قائم نہیں وہاں بخدا اماء اللہ قائم کریں۔ میرے پاس بہت سی عورتوں نے شکایت کی ہے کہ مردان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ بعض تو انہیں روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخدا کے جلوسوں میں نہ جایا کرو۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر عورتیں بخدا

اماء اللہ قائم کرنا چاہئیں تو وہ اس میں روک بن جاتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ جب تک عورتیں بھی دین کی خدمت کے لئے مردوں کے پہلو پہلو کام نہیں کرتیں، اس وقت تک ہم صحیح طور پر ترقی نہیں کر سکتے۔ اسلام کی جو عمارت ہم باہر تیار کرتے ہیں۔ اگر اس عمارت کی تیاری میں عورت ہمارے ساتھ شریک نہیں تو وہ گھر میں اس عمارت کو تباہ کر دیتی ہے۔ تم بچے کو مجلس میں اپنے ساتھ لاو، اسے وعظ و نصیحت کی باتیں سناؤ، دین کی باتیں اس کے کان میں ڈالو، لیکن گھر جانے پر اگر تمہاری عورت میں وہ روح نہیں، جو اسلام عورتوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے، تو وہ بچے سے کہے گی کہ بچے تمہارے باپ کی عقل ماری ہوئی ہے وہ تمہیں یونی مسجدوں میں لئے پھرتا ہے۔ تمہاری سخت اس سے جباہ ہو جائے گی تم ایسا نہ کیا کرو۔ باپ اپنے بچے کو اقتصادی زندگی برکرنے کی ترغیب دے، تو ماں کئے لگ جائے گی کہ بیٹا تمہارا باپ محض بخل کی وجہ سے تمہیں یہ نصیحت کر رہا ہے اور نام اس کا دین رکھ رہا ہے ورنہ اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا دل تمہاری ضروریات کے لئے روپیہ خرچ کرنے کو نہیں چاہتا۔ تم بے شک اپنے دل کے حوصلے نکال لو، میں تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھو اگر کسی گھر میں ایسا ہو تو ایک ہی وقت میں دو تکواریں چل رہی ہوں گی، ایک سامنے سے اور ایک پیچے سے۔ اور یہ لازی بات ہے کہ جہاں دو تکواریں چل رہی ہوں وہاں امن نہیں ہو سکتا۔ پس اول ہماری جماعت کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ دوسرے جماعت کو خصوصیت سے اپنے

فرائض کی ادائیگی

کے لئے محنت کی عادت اختیار کرنی چاہئے۔ اور جس کام کے لئے کسی کو مقرر کیا جائے اس کے متعلق وہ اس اصول کو اپنے مد نظر رکھے کہ میں نے اب پیچھے نہیں ہٹا چاہے میری جان چلی جائے۔ جب تک اس قسم کی روح اپنے اندر پیدا نہیں کی جائے گی جماعت پوری طرح ترقی نہیں کر سکتی۔ تیرے ہر جگہ جنمہ اماء اللہ قائم کی جائے

اور عورتوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح

کا خیال رکھا جائے۔ چوتھے جماعت کے اندر سچائی کو قائم کیا جائے۔ جب تک کسی قوم میں سچائی قائم رہتی ہے وہ ہمارا نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ابھی اس پہلو کے لحاظ سے

بھی کمزوری پائی جاتی ہے۔

(اقتباس تقریر جلسہ سالانہ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۷۶ء، بحوالہ الفضل ۱۶۔ جنوری ۱۹۷۷ء صفحہ ۲)

انصار اللہ کو مرکز بنانے کی ہدایت

دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے افتتاح کے موقع پر انصار اللہ کو ہدایت

تشدد تجوہ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جس وقت یہ زمین خریدی گئی تھی، اس وقت میں نے تحریک جدید اور صدر انجمان احمدیہ سے جو اس زمین کے خریدار تھے، یہ خواہش کی تھی کہ وہ انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے لئے بھی ایک ایک نکلا اوقف کریں۔ چنانچہ بارہ بارہ کنال زمین دونوں کے لئے وقف کی گئی۔ بارہ کنال زمین کے یہ سعی ہیں کہ ۲۵ ہزار مربع فٹ کاربیہ ان کے پاس ہے۔ اگر اسے صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو یہ بہت بڑے کام آسکتا ہے۔ مثلاً اس کے ارد گرد چار دیواری بنا لی جائے تو آئندہ سالانہ اجتماع، بجائے اس کے کسی اور میدان میں کیا جائے، بڑی عمدگی کے ساتھ اس جگہ ہو سکتا ہے۔ ۲۵ ہزار مربع فٹ زمین میں سے اگر عمارتوں اور سڑکوں کو نکال لیا جائے۔ مثلاً عمارتوں اور سڑکوں کے لئے ۲۵ ہزار مربع فٹ زمین نکال لی جائے تو چالیس ہزار مربع فٹ زمین باقی رکھتی ہے اور دس دس فٹ زمین ایک آدمی کے لئے رکھ لی جائے، جو ۱۵۰۰ فٹ زمین بھی ایک آدمی کے لئے رکھ لی جائے تو چالیس ہزار فٹ زمین میں اڑھائی تین ہزار آدمی سو سکتا ہے اور اتنے نمائندے ہی اجتماع میں ہوتے ہیں۔ پھر اگر زیادہ نمائندے آ جائیں تو سڑکوں وغیرہ کے لئے زمین کو محدود کیا جاسکتا ہے۔ پھر باس ہی

انصار اللہ کا دفتر

ہو گا، اگر دونوں مجالس کے سالانہ اجتماع ایک ہی وقت میں نہ ہوں تو ۲۳ کنال زمین استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔ انہیں ضرورت ہو تو تم اپنی جگہ انہیں دے دو۔ اور تمہیں ضرورت ہو تو وہ اپنی جگہ تمہیں دے دیں۔ اس طرح مقامی جگہ کی عظمت قائم ہو سکتی ہے۔ پس میرے نزدیک آپ لوگوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ کسی نہ کسی قسم کی چار دیواری اس زمین کے ارد گرد ہو جائے خواہ وہ چار دیواری نکلا یوں کی ہی کیوں نہ ہو۔ بارہ کنال کی چار دیواری پر اڑھائی تین ہزار

روپیہ خرچ آئے گا بلکہ اس سے بھی کم اخراجات میں چار دیواری بن جائے گی۔ (اس موقع پر محترم صاحزادہ مرزا منور احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الامامیہ نے فرمایا تھوڑوں کی چار دیواری بارہ سور روپیہ میں بن جاتی ہے) اس پر حضور نے فرمایا۔ میرے مکان کی چار دیواری کو لیا جائے تو یہ اندازہ بہت کم ہے۔ اتنی رقم میں چار دیواری نہیں بن سکتی۔ (صاحب نے عرض کیا۔ حضور اس رقم میں صرف چار فٹ اونچی چار دیواری بننے کی) حضور نے فرمایا:-

ہاں اگر چار فٹ اونچی چار دیواری بنائی جائے تو اتنی رقم میں کام ہو سکتا ہے۔ لیکن چار فٹ اونچی چار دیواری سے پرداہ نہیں ہوتا۔ بہر حال اگر چار دیواری بن جائے تو مرکز کا اثر بیرونی مجلس پر بڑھ جائے گا۔ عورتوں کے متعلق مجھے تجربہ ہے کہ جب وہ کوئی بندی ہوئی چیز دیکھتی ہیں تو پلے سے بڑھ کر روپیہ خرچ کرتی ہیں۔ اور نوجوانوں میں تو یہ سپرست زیادہ ہوئی چاہئے۔ جب سالانہ اجتماع ہو گا خدام باہر سے آئیں گے اور چار دیواری بندی دیکھیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ ان کا روپیہ نظر آنے والی صورت میں لگ رہا ہے اور ان کا جوش بڑھ جائے گا۔ دفاتر میں جو روپیہ لگتا ہے وہ انہیں نظر نہیں آتا۔ اگر تم کو کہ دفتر میں کانڈ، سیاہی، قلم، پنسل اور کارکنوں کی تباہوں پر روپیہ صرف ہوتا ہے، تو چونکہ یہ خرچ انہیں نظر نہیں آتا۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا روپیہ صحیح طور پر خرچ نہیں کیا جاتا۔

تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روپیہ تنظیم پر خرچ ہوتا ہے، وہ تھوڑوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے قوم کی طرف سے جب بھی کوئی اعتراض ہوتا ہے تو وہ تنظیم سے متعلقہ اخراجات پر ہی ہوتا ہے اور کسی چیز پر نہیں۔ مثلاً وہ کہیں گے تعییم پر کسی قدر روپیہ خرچ ہوا ہے۔ بہتalon پر کس قدر روپیہ خرچ ہوا ہے۔ غربیوں کی امداد کے لئے کس قدر روپیہ خرچ ہوا ہے۔ غرباء کے وخلافہ پر کس قدر رقم خرچ ہوئی ہے۔ اور اگر انہیں یہ بتایا جائے کہ کام کو چلانے کے لئے اتنے سیکرٹریوں کی ضرورت ہے، پھر فتنی اخراجات کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے، سفر خرچ کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے، تو وہ کہیں گے ہمارا روپیہ ضائع ہو گیا۔ اگرچہ ایسا اعتراض کرنا حماقت ہوتا ہے۔ کیونکہ

سب سے اہم چیز مرکزیت

ہوتی ہے لیکن واقع یہی ہے کہ ہمیشہ ان اخراجات پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ تم انگلستان کی تاریخ کو لے لو، امریکہ کی تاریخ کو لے لو، فرانس کی تاریخ کو لے لو، جمنی کی تاریخ کو لے لو، جپان کی تاریخ کو لے لو، روس کی تاریخ کو لے لو، جب کبھی بھی میزانیہ پر اعتراض ہوا ہے تو اس کے اسی حصہ پر ہوا ہے جو تنظیم کے لئے خرچ ہوا ہے کیونکہ یہ اخراجات نظر نہیں آتے۔ پس نظر آنے والا خرچ لوگوں میں مزید چندہ دینے کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ اگر تم اس جگہ کو زیادہ سے زیادہ اعلیٰ بناتے جاؤ گے تو خدام میں چندہ کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ مثلاً میدان کو چھوڑ کر دیواروں کے ساتھ ساتھ پھول لگائے جائیں۔ چونکہ اس جگہ پر تمہیں سالانہ اجتماع بھی کرنا ہو گا اس لئے تم چین تو بنا نہیں سکتے لیکن دیواروں کے ساتھ ساتھ پھول لگائے جاسکتے ہیں۔ اس طرح نظارہ اور زیادہ خوبصورت بن جائے گا۔ پھر حق میں چند فٹ کی سڑک رکھ کر اس کے ارد گرد بھی پھول لگائے جاسکتے ہیں۔ جب خدام آئیں گے اور اس جگہ کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے ہمارا روپ یہ صحیح طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد میں آپ لوگوں کے لئے دعا کروں گا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں جلد مرکز بنانے کی توفیق دیدی ہے۔ مجھے انہوں نے کہ انصار اللہ نے ابھی مرکز بنانے کی کوشش نہیں کی۔ دنیا میں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ بوڑھے تجربہ کار ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری جماعت یہ سمجھتی ہے کہ بڑھے پیکار ہوتے ہیں اور پیکار کا کوئی کام نہیں۔ اس لئے انصار اللہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کوئی کام نہیں کرتے تو وہ اپنے عمدے کے مطابق کام کرتے ہیں۔ قادیان میں بھی انصار اللہ نے زیادہ کام نہیں کیا اور اب یہاں بھی انصار اللہ کام نہیں کرتے۔ شاید یہ چیز ہو کہ صدر انجمن احمدیہ کے بڑے بڑے افسوس مجلس کے عمدیدار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں صدر انجمن احمدیہ کے کاموں سے فرصت نہیں۔ برعکمال انصار اللہ کو بھی چاہئے تھا کہ وہ اپنام مرکز بناتے لیکن انہوں نے ابھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہ غلط خیال ہے کہ چونکہ قادیان و اپس ملتا ہے اس لئے ہمیں یہاں کوئی جگہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ایک صاحب یہاں ہیں وہ حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صالحی ہیں۔ ان سے جب بھی کوئی بات پوچھی جائے وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے قادیان و اپس جانا ہے اس لئے یہاں مکان بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ قادیان کے لئے جو پیشگوئیاں ہیں وہ مکہ کے متعلق جو پیشگوئیاں تھیں ان سے زیادہ نہیں۔ لیکن کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ و اپس گئے؟ ہم تو یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم قادیان و اپس جائیں گے اور وہی ہمارا مرکز ہو گا۔ لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم مکہ سے مدینہ چلے گئے تو مکہ میں واپس نہیں آئے۔ حالانکہ مکہ صحیح ہو گیا تھا آپ نے مدینہ کو چھوڑا نہیں۔ پھر بعد میں مدینہ ہی حکومت کام مرکز بنا اور وہیں سے اسلام اور گرد پھیلنے لگا۔ مکہ صرف صحیح کے لئے رہ گیا۔ مکہ صرف اعتکاف کی جگہ بن گئی۔ یا جو لوگ اپنی زندگیاں وقف کر کے مکہ چلے جاتے تھے ان کی جگہ رہی۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی رہے اور وہیں آپ فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ کیا کرے گا۔ آیا اس کے نزدیک ہمارا یہاں رہنا بہتر ہے یا قادیانی واپس جانا بہتر ہے، ہمیں اس کا علم نہیں۔ پس یہ حادثت کی بات ہے کہ محض ان پیغمبر یوں کی وجہ سے جو کسی جگہ کے نقص پر دلالت کرتی ہیں جب کہ ان پیغمبر یوں سے زیادہ پیغمبر یاں دوسری جگہ کے متعلق موجود تھیں اور خدا تعالیٰ نے انہیں کسی اور شکل میں پورا کیا تھا، ہم یہ خیال کر لیں کہ ہمیں کسی اور جگہ کی ضرورت نہیں۔ اگر بڑی جگہ کے لئے جو پیغمبر یاں تھیں وہ ظاہری رنگ میں پوری نہیں ہو سکیں تو چھوٹی جگہ کے لئے یہ کوئی ضروری خیال کر لیا گیا ہے کہ اس کے متعلق جو پیغمبر یاں ہیں وہ ظاہری رنگ میں ہی پوری ہوں گی۔

قادیانی کے متعلق جو پیغمبر یاں ہیں وہ وہی آیات ہیں جو مکہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ وہ آیات حضرت سعیج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوبارہ نازل ہوئی ہیں۔ اور جب وہ پیغمبر یاں مکہ کے لئے بھی ظاہری رنگ میں پوری نہیں ہو سکیں تو ہم کیا لگتے ہیں کہ یہ کہیں کہ قادیانی کے متعلق جو پیغمبر یاں ہیں وہ ظاہری رنگ میں پوری ہوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ مدینہ میں ہی مرکز بنا کر کام کرتے رہے۔ صرف آپ صحیح کے لئے مکہ تشریف لے جاتے تھے اور صحیح کر کے واپس تشریف لے آتے تھے۔ پھر حضرت ابو بکر واپس مکہ نہیں گئے، حضرت عمر واپس مکہ نہیں گئے، حضرت عثمان واپس مکہ نہیں گئے، حضرت علی واپس مکہ نہیں گئے۔ یہ سب صحیح کے لئے مکہ جاتے تھے اور واپس آجاتے تھے۔ حکومت کام مرکز مدینہ ہی رہا اور بھیں سے اسلام اور گرد کے علاقوں میں پھیلا۔ پس جب پیغمبر یوں سے کسی جگہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے تو یہ سمجھ لیتا کہ یہ پیغمبر یاں ضرور ظاہری رنگ میں پوری ہوں گی، حادثت ہے۔ چاہے بعد میں وہ پیغمبر یاں ظاہری رنگ میں ہی پوری ہو جائیں۔ لیکن مومن کا یہ کام ہے کہ جس چیز میں خدا تعالیٰ نے اسے اب رکھا ہے، اس میں وہ راضی رہے۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ جو ہمارے ساتھ ہے وہ کتنا عجیب ہے۔ ایک پورے سیندھ لگاتا ہے اور پھر تو بے کر لیتا ہے، تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قول کر لیتا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ دوسرے دن پھر سیندھ لگائے گا۔

پھر وہ دوسرے دن سیندھ لگاتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ پھر سیندھ لگائے گا۔ پس خدا تعالیٰ باوجود اس کے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے، ہمارے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہے۔ لیکن ہم لوگ باوجود علم غیب نہ ہونے کے خدا تعالیٰ کے ساتھ مستقبل والا معاملہ کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ مستقبل والا معاملہ کرے، تو چونکہ اسے علم ہے کہ مجرم دوبارہ جرم کرے گا اسے علم غیب حاصل ہے، اس لئے کسی کی توبہ قبول نہ ہو۔ اسی طرح ہزاروں لوگ مارے جائیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ گناہ کرتے ہیں تو پھر بعض اوقات بڑی سٹرگل (Struggle) کے بعد اس گناہ سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے سے انکار کر دے تو کوئی شخص گناہ سے نجات حاصل نہ کرے۔ توبہ ضمیر کو روشن کرتی ہے اور انسان کو گناہ سے روکتی ہے۔ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس شخص نے توبہ توڑ دی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ پھر فساد کرے گا، لہائی کرے گا، گالیاں دے گا اور جھوٹ بولے گا وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ باوجود علم غیب رکھتے اور جانے کے کہ مجرم دوبارہ جرم کرے گا وہ اس سے حاضر والا معاملہ کرتا ہے۔ لیکن ہم باوجود علم غیب نہ ہونے کے خدا تعالیٰ سے مستقبل والا معاملہ کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ یقینی اور کیا ہوگی؟ ہمیں خدا تعالیٰ سے حاضر والا معاملہ کرنا چاہئے۔

اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم جنگلوں میں رہیں تو ہمیں جنگلوں میں رہنا چاہئے اور اپنا کام کرتے چلے جانا چاہئے۔ ہم چوہوں اور چیزوں کو باہر پھینک دیتے ہیں تو وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ شد کی مکھیوں کو دیکھ لو۔ انسان ان کا تیار کیا ہواشد حاصل کر لیتا ہے اور انہیں دور پھینک دیتا ہے، لیکن وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کام میں کامیاب رہتی ہیں۔ اگر وہ اس بات کا انتظار کرتی رہیں کہ انہیں پہلی جگہ ملے تو کام کریں تو ہزاروں چھتے مر جائیں۔ اسی طرح اگر تمہیں اپنا گھر نہیں ملتا تو جس گھر میں خدا تعالیٰ نے تمہیں رکھا ہے، تمہیں اسی میں فوراً کام شروع کر دینا چاہئے۔ اگر خدا تعالیٰ تمہیں واپس لے جائے تو وہاں جا کر کام شروع کر دو۔ لیکن کسی منٹ میں بھی اپنے کام کو پیچھے نہ ڈالو۔ مومن ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجائی ہے۔ گویا مومن کے لئے کام ختم کرنے کا وقت موت ہے۔

آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے کہ اپنا مرکز تعمیر کر لیا اور خدا کرے کہ انصار اللہ کو بھی اس طرف توجہ پیدا ہو اور وہ اس حادثت کو چھوڑ دیں کہ قادیانی واپس جانے کے متعلق بہت سی

پیغام بیان ہیں، اس لئے قادیانیمیں ضرور واپس ملے گی۔ اور چونکہ قادیانیمیں واپس ملے گی اس لئے ہمیں یہاں کوئی جگہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ قادیانی کے متعلق جو پیغام بیان ہیں وہ مکہ کے متعلق جو پیغام بیان تھیں ان سے زیادہ نہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ پیغام بیان ظاہری معنوں کے لحاظ سے پوری نہیں ہو سکیں۔ اس لئے ہمیں بھی پتہ نہیں کہ آئندہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔ مکہ کے متعلق بھی بہت پیغام بیان موجود تھیں بلکہ ان پیغام بیوں کو پورا کرنے کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد بھی مدینہ میں ہی رہے، مکہ واپس نہیں گئے۔ قادیانی مکہ سے بڑھ کر نہیں جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم بھی امید رکھتے ہیں کہ قادیانی ہمیں واپس ملے گا اور ایک مومن کو یہی امید رکھنی چاہئے کہ قادیانی ہمیں واپس ملے گا اور وہی ہمارا مرکز ہو گا۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ

عملًا ہمارا مرکزو ہی ہو گا جہاں ہمیں خدا تعالیٰ رکھنا چاہتا ہے۔

پس ہمیں اس نکتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے کاموں کو وسیع کرنا چاہئے اور اس بات کو نظر انداز کر کے کہ ہم نے قادیانی واپس جانا ہے اپنا کام کرتے چلے جانا چاہئے۔ بلکہ میں تو کوئی گا کہ اگر ہمیں تاریخی آجائے کہ آؤ اور قادیانی میں بس جاؤ۔ تو بھی تمہیں شام تک کام کرتے چلے جانا چاہئے تا یہ پتہ گئے کہ ہمیں کام سے غرض ہے۔ ہمیں قادیانی سے کوئی غرض نہیں۔ ہمیں روہو سے کوئی غرض نہیں۔ اگر ہمیں خدا تعالیٰ لے جائے تو ہم وہاں چلے جائیں گے، ورنہ نہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے نوکر ہیں کسی جگہ کے نوکر نہیں۔ اگر ہم کسی جگہ سے محبت کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے۔ پس مومن کو اپنے کاموں میں ست نہیں ہونا چاہئے۔ پھر نوجوانوں کی عمر تو کام کی عمر ہے انہیں اپنے کاموں میں بہت چست رہنا چاہئے۔

(خطاب فرمودہ ۵۔ اپریل ۱۹۵۲ء۔ بحوالہ الفضل ۲۰۔ فروری ۱۹۷۶ء صفحہ اور ۸)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی تنظیم نو کے متعلق ہدایات

(اقتباس از خطبہ جمعہ)

میں نے بتایا ہے کہ ناصر احمد اب انصار اللہ میں چلے گئے ہیں۔ ان کے متعلق میں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ

آنکنہ انصار اللہ کے صدر

ہوں گے۔ اگرچہ میرا یہ حکم ”ڈائیٹریٹ“ کی طرز کا ہے لیکن اس ”ڈائیٹریٹ“ کی وجہ سے یہ تمہارا کام اس حد تک پہنچا ہے۔ ورنہ تمہارا حال بھی صدر اجمن احمدیہ کی طرح ہی ہوتا۔ ایک دفعہ ایک جماعت کی طرف سے ایک چھٹی آئی جو سیدری مال کی طرف سے تھی۔ انہوں نے تحریر کیا کہ ہمارے بزرگ ایسے نیک اور دین کے خدمت گزار تھے کہ انہوں نے دین کی خاطر ہر ممکن قربانی کی۔ لیکن اب ہم جوان کی اولاد ہیں ایسے نالائق نکلے ہیں کہ جماعت پر مالی بوجہ روز بروز زیادہ ہو رہا ہے لیکن ہم نے اپنا چندہ اتنے سالوں سے ادا نہیں کیا۔ آپ مریانی کر کے اپنا آدمی یہاں بھجوائیں، دوستوں کو نمائت محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہاں سے نماکنہ بھیجا گیا اور چند دن کے بعد اس کی طرف ایک چھٹی آئی کہ ساری جماعت یہاں جمع ہوئی اور سب افراد اپنی سستی اور غفلت پر روئے اور انہوں نے درخواست کی کہ پچھلا چندہ ہمیں معاف کر دیا جائے، آنکنہ ہم باقاعدہ چندہ ادا کریں گے اور اس کام میں غفلت نہیں کریں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر بقايا ہو گیا تو ایک اور چھٹی آئی کہ مرکز کی طرف سے کوئی آدمی بھیجا جائے، احباب میں نمائت پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک آدمی گیا، تمام لوگ اکٹھے ہوئے، اور انہوں نے گریہ و زاری کی، اور یہ درخواست کی کہ پہلا چندہ معاف کیا جائے آنکنہ ہم باقاعدہ چندہ ادا کریں گے۔ غرض ہر تیرے سال یہ چکر چلتا۔ دو تین آدمی ایسے تھے جو باقاعدہ طور پر چندہ ادا کرتے تھے۔

باقی کا یہی حال تھا۔ اگر میں مجلس خدام الاحمدیہ کے بارہ میں ”ڈکٹنیٹر شپ“ استعمال نہ کرتا تو تمہارا بھی یہی حال ہوتا۔ نوجوانوں کو میں نے پکڑ لیا اور انصار اللہ کو یہ سمجھ کر کہ وہ بزرگ ہیں، ان میں سے بعض میرے استاذہ بھی ہیں، چھوڑ دیا۔ لیکن اب تم دیکھتے ہو کہ خود میں سے بھی کوئی انصار اللہ کا ممبر نظر نہیں آتا۔

پس ناصر احمد کو میں انصار اللہ کا صدر مقرر کرتا ہوں۔ وہ فوراً انصار اللہ کا اجلاس طلب کریں اور عمدہ داروں کا انتخاب کر کے میرے سامنے پیش کریں (تمن ماہ کے عرصہ میں خدام سے انصار اللہ میں جا کر ناصر احمد نے بھی کوئی کام نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے وہاں کی ہوا الگ گئی ہے) اور پھر میر امشورہ لے کر

انہیں از سر نو منظہم کریں۔

پھر خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کی طرح انصار اللہ کا بھی سالانہ جلسہ کیا کریں۔ لیکن ان کا انتظام اور قائم کا ہو گا۔ اس اجتماع میں کھیلوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ کبڑی اور دوسری کھلیس ہوتی ہیں۔ انصار اللہ کے اجتماع میں درس القرآن کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ اور زیادہ وقت تعلیم و تدریس پر صرف کیا جائے۔

(اقتباس از خطبہ جماعت مورخے۔ نومبر ۱۹۵۳ء۔ بحوالہ الفضل ۹۔ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ کالم ۱)

جماعت میں نمازوں۔ دعاؤں اور تعلق باللہ کو قاوم رکھنا انصار اللہ کا کام ہے

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب)

تشدید، تعویز اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج انصار اللہ کی پہلی مینگ ہے۔ انصار کس جذبہ اور قربانی سے کام کرتے ہیں یہ تو آئندہ سال ہی بتائیں گے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

جماعت کی دماغی نمائندگی انصار اللہ

کرتے ہیں اور اس کے دل اور ہاتھوں کی نمائندگی خدام الاحمدیہ کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کے دماغ، دل اور ہاتھ ٹھیک ہوں تو وہ قوم بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ پس میں پہلے تو انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو یا صحابی ہیں یا کسی صحابی کے بیٹے ہیں یا کسی صحابی کے شاگرد ہیں، اس لئے جماعت میں نمازوں، دعاؤں اور تعلق باللہ کو قاوم رکھنا

ان کا کام

ہے۔ ان کو تمجید، ذکر الہی اور مساجد کی آبادی میں اتنا حصہ لینا چاہئے کہ نوجوان ان کو دیکھ کر خود ہی ان یاتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اصل میں توجوں کی عمری وہ زمانہ ہے، جس میں تمجید، دعا اور ذکر الہی کی طاقت بھی ہوتی ہے اور مزہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر جو ان کے زمانہ میں موت اور عاقبت کا خیال کم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نوجوان غافل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر نوجوان میں کسی کو یہ توفیق مل جائے تو وہ بہت ہی مبارک وجود ہوتا ہے۔ پس ایک طرف تو میں انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے نمونہ سے اپنے بچوں، اپنے ہمسایہ کے بچوں اور اپنے دوستوں کے بچوں کو زندہ کریں۔ اور دوسری طرف میں خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اتنا اعلیٰ

درجہ کا نمونہ قائم کریں کہ سلا بعده نسل اسلام کی روح زندہ رہے۔ اسلام اپنی ذات میں تو کامل مذہب ہے لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ شریعت کے لئے بھی کسی گلاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی روح کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کسی گلاس کی ضرورت ہے اور ہمارے خدام الاحمد یہ وہ گلاس ہیں جن میں اسلام کی روح کو قائم رکھا جائے گا اور ان کے ذریعہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے گا۔ دیکھو آخر ہم بھی انسان ہیں اور یہودی بھی انسان ہیں۔ ہمارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور ہمارا رسول ان کے رسول سے افضل ہے۔ مگر یہودیوں کو فلسطین سے نکال دیا گیا تو وہ اسے دو ہزار سال تک نہیں بھولے۔ بلکہ اتنے لمبے عرصہ تک انہیں یہ یاد رہا کہ انہوں نے فلسطین میں دوبارہ یہودی اٹھ کر قائم کرنا ہے۔ اور آخر وہ دن آگیا۔ اب وہ فلسطین پر قابض ہیں۔ ہمیں اس بات پر غصہ تو آتا ہے اور ہم حکومتوں کو اس طرف توجہ بھی دلاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو انہیں توجہ دلاتے رہیں گے کہ اب یہ اسلامی علاقہ ہے یہودیوں کا نہیں، اس لئے یہ مسلمانوں کو ملتا چاہئے۔ مگر ہم اس بات کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہودیوں نے دو ہزار سال تک اس بات کو یاد رکھا، جو دوسری قومیں بعض دفعہ میں سال یا سو سال تک بھی یاد نہیں رکھ سکتیں۔

پس یاد رکھو کہ

اشاعت دین

کوئی معمولی چیز نہیں، یہ بعض دفعہ جلدی بھی ہو جاتی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ۲۳ سال میں ہو گئی۔ اور پھر مزید اشاعت کوئی ۵۰ سال میں ہو گئی۔ مگر کبھی کبھی یہ سیتکروں سال بھی لے لیتی ہے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں اس نے ایک سو سال کا عرصہ لیا۔ اور کبھی یہ ہزاروں سال کا عرصہ بھی لے لیتی ہے۔ چنانچہ دیکھو لو، یہودیوں کا دینیوی نفوذ تو بہت کم عرصہ میں ہو گیا تھا لیکن دوسری قوموں کی ہمدردی انہیں دو ہزار سال بعد جا کر حاصل ہوئی۔ جب لوگوں کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ کوئی قوم اپنے آثار اور اپنی تعلیمات کو قائم رکھنے کے لئے ہر وقت تیار ہے اور آئندہ بھی تیار رہے گی۔ تو اس قوم کے دشمن بھی اس کے ہمدرد ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ لطیفہ نہیں کہ یہ مسلمانوں نے ہی یہودیوں کو فلسطین سے باہر نکالا تھا۔ اور اب یہ مسلمانوں میں واپس لائے ہیں۔ دیکھو یہ کیسی عجیب بات ہے۔ آج سب

سے زیادہ یہودیوں کے خیر خواہ امریکہ اور انگلینڈ ہیں۔ اور یہ دونوں ملک یہساٹیوں کے گڑھ ہیں۔ فلسطین سے یہودیوں کو نکالا بھی یہساٹیوں نے نہ تھا۔ مگر وہی آج ان کے زیادہ ہمدرد ہیں۔ گویا ایک لمبی قربانی کے بعد ان کے دل بھی پتچ گئے۔ پس یہی شہی اسلام کی روح کو قائم رکھو، اس کی تعلیم کو قائم رکھو اور یاد رکھو کہ قومیں نوجوانوں کی دینی زندگی کے ساتھ ہی قائم رہتی ہیں۔ اگر آنے والے کمزور ہو جائیں تو وہ قوم گرجاتی ہے۔ مگر کوئی انسان یہ کام نہیں کر سکتا صرف اللہ ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ انسان کی عمر تو زیادہ سے زیادہ ۲۰، ۳۰، ۴۰ سال تک چل جائے گی مگر قوموں کی زندگی کا عرصہ تو سیکڑوں ہزاروں سال تک جاتا ہے۔ دیکھو سچع علیہ السلام کی قوم بھی دو ہزار سال سے زندہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ۱۳۰۰ سال سے زندہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ جب تک دنیا قائم رہے گی یہ بڑھتی چلی جائے گی۔ تم بھی ایک عظیم اشان کام کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔ پس اس روح کو قائم رکھنا، اسے زندہ رکھنا اور ایسے نوجوان جو پہلوں سے زیادہ جو شیے ہوں، پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔ ایک بہت بڑا کام تمہارے پرہ ہے۔ عیسائی دنیا کو مسلمان بنانا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے، جتنا عیسائی دنیا کو یہودیوں کا ہمدرد بنانا۔ کیونکہ عیسائی دنیا کو ہمدرد بنانے میں تو صرف دماغ کو فتح کیا جاتا ہے۔ لیکن یہساٹیوں کو مسلمان بنانے میں دل اور دماغ دونوں کو فتح کرنا پڑے گا۔ اور یہ کام بہت زیادہ مشکل ہے۔ پس دعاوں میں لگے رہو اور اپنے کام کو تا قیامت زندہ رکھو۔ مجاہد کے مطابق میرے من سے ”تا قیامت“ کے الفاظ نکلتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں ”تا قیامت“ بھی درست نہیں۔ قیامتیں کئی حصہ کی ہوتیں ہیں۔ پس میں تو کہوں گا کہ تم اسے

ابدی زمانہ تک قائم رکھو

کیونکہ تم ازی اور ابدی خدا کے بندے ہو۔ اس لئے ابد تک اس نور کو جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے قائم رکھو، اور محضی نور کو دنیا میں پھیلاتے چلے جاؤ، ہمارا تک کہ ساری دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلفہ پڑھنے لگ جائے اور یہ دنیا بدل جائے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت جو آسمان پر ہے زمین پر بھی آجائے۔

میں بیمار ہوں زیادہ لمبی تقریر نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں مختصری دعا کر کے رخصت ہو جاؤں گا۔ میں نے اپنی مختصر تقریر میں خدام کو بھی نصیحت کر دی ہے اور انصار اللہ کو بھی۔ مجھے امید ہے

کہ دونوں میری ان مختصر یاتوں کو یاد رکھیں گے۔ اپنے اپنے فرانچ کو ادا کریں گے اور اپنے اپنے علاقوں میں ایسے اعلیٰ نمونے پیش کریں گے کہ لوگ ان کے نمونے دیکھ کر ہی احمدیت میں داخل ہونے لگ جائیں۔ مجھے توبہ دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی ہے کہ تحریک جدید کا چندہ دو تین لاکھ روپے سالانہ ہوتا ہے۔ اور وہ بھی برازور لگا لگا کر۔ حالانکہ کام کے لحاظ سے دو تین کروڑ بھی تھوڑا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ چندہ دس گیارہ لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔ حالانکہ کام کے پھیلاؤ کو تو جانے دو، جو صدر انجمن احمدیہ کے ادارے ہیں ان کو بھی صحیح طور پر چلانے کے لئے ۳۰،۳۰ لاکھ روپیہ چندہ ہونا چاہئے۔ مگر ۳۰،۳۰ لاکھ چندہ تو تبھی ہو گا جب جماعت چار پانچ گنے زیادہ بڑھ جائے۔ مگر اب تو ہمارے مبلغ ایسے پست ہمت ہیں کہ جب کسی مبلغ سے پوچھا جائے تبلیغ کا کیا حال ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ اس سال جماعت میں دو آدمی اور شامل ہو گئے ہیں۔ اگر تبلیغ کی یہی حالت رہی تو کسی ایک ملک میں دو لاکھ احمدی بنانے کے لئے ایک لاکھ سال چاہئیں۔

پس دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ کے حضور میں اتنا گزر گزاو اور اتنی کوششیں کرو کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے تمہاری مدد کے لئے اتر آئیں۔ انسانی زندگیاں محروم ہیں مگر ہمارا خدا ازالی ابدی خدا ہے۔ اس لئے اگر وہ یہ بوجھ جو ہم نہیں اخھا سکتے آپ اخھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں۔ جب تک ہم یہ کام انسان کے ذمہ سمجھتے ہیں تب تک فکر رہے گا۔ کیونکہ انسان تو کچھ مدت تک زندہ رہے گا پھر فوت ہو جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اخھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ اسی کام ہے اور اسی کو جتنا ہے اور جب خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اخھائے گا تو پھر اس کے لئے زمانہ کا کوئی سوال نہیں رہے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صدیاں تعلق نہیں رکھتیں، ان کا تعلق تو ہمارے ساتھ ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ازالی ابدی خدا ہے۔ پس دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی اور مجھے بھی توفیق دے کہ ہم ثواب حاصل کریں۔ لیکن جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ یہ بوجھ خود اخھائے۔ تاکہ آئندہ ہمارے لئے کوئی فکر کی بات نہ رہے۔

(خطاب فرمودہ ۱۸ نومبر ۱۹۵۵ء۔ بحوالہ الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳)

تحریک جدید کے سلسلے میں ذیلی تنظیموں کی ذمہ داری

(اقتباس از خطبہ جمعہ)

تحریک جدید کے ذریعہ ایک نہایت

اہم اور قابل تعریف کام

ہو رہا ہے اور جماعت کو اسے ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور اس میں حصہ لینا چاہئے۔ تاکہ وہ تبلیغ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلا سکے۔ اس سال سختے نیویا میں ایک نیا مشن کھولا گیا ہے اور ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ شاید ہمیں اپنے خرچ پر کچھ اور مبلغ بھی امریکہ بجوانے پڑیں۔ کیونکہ امریکہ میں مبلغوں کی بڑی مانگ ہے لیکن امریکن احمدی ان کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ بلکہ امریکن جماعت کا چندہ امریکہ کے موجودہ مبلغوں کا خرچ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مغربی ممالک میں سے امریکہ ہی ایسا مالک ہے، جو ایک حد تک تبلیغ کا بوجھ اٹھا رہا ہے۔ وہاں کے مشن کا خرچ ذیر ڈالکھ روپیہ سالانہ کے قریب ہے۔ لیکن وہ قریباً دو تماں بوجھ اخخار رہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں جماعت تھوڑی ہے۔ امریکہ کی جماعت کے کل ۵۰۰ افراد ہیں اور ظاہر ہے کہ ۵۰۰ افراد کے لئے ذیر ڈالکھ روپیہ سالانہ کا بوجھ برداشت کرنا مشکل ہے۔ اس لئے لازمی طور پر ہمیں بھی ان کا بخیال رکھنا پڑتا ہے۔ اگر اور مبلغ گئے تو اور خرچ ہو گا۔ پھر ایک اور علاقہ میں بھی تبلیغ کے رستے کھل رہے ہیں۔ اور کچھ وقت کے بعد وہاں باقاعدہ مشن قائم کیا جائے گا۔ اسی طرح چین سے ایک بڑے عالم کا عربی اور انگریزی میں خط آیا ہے جس میں اس نے اپنے ملک میں احمدیت کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ فلپائن میں بھی بعض نوجوان لڑپیر کے ذریعہ احمدی ہونے ہیں۔ اور تازہ اطلاع آئی ہے کہ وہاں طلباء کی ایک انجمن ہے جس کے آٹھ ممبر لڑپیر کے ذریعہ احمدی ہو گئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض نے دین

کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی بھی وقف کی ہے اور وہ ربوبہ آکر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر وہ ربوبہ آکر تعلیم حاصل کریں گے تو ان کے یہاں قیام کے اخراجات بھی دینے پڑیں گے اور ایک طرف کا کرایہ بھی دینا پڑے گا۔ اس طرح ۲۵،۳۰۰ ہزار روپیہ کا خرچ اور بڑھ جائے گا۔ غرض ہمارا اشاعت اسلام کا کام ہر روز بڑھے گا اور اخراجات بھی بڑھیں گے جو آپ کو بہر حال برداشت کرنے پڑیں گے۔ ہمارے ملک میں ایک مثال ہے اور وہ بڑی سچی ہے کہ اونٹ شور مچاتے ہی لادے جاتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی چاہے کس قدر شور چاؤ تمیں تبلیغ کا کام بہر حال کرنا پڑیگا۔ اس سے تمہارا پچھا نہیں چھوٹے گا۔ کیونکہ جب تم احمدی ہوئے تھے۔ تو تم نے مان لیا تھا کہ نحن خیر امہ ہم بہترین امت ہیں اور اگر تم بہترین امت ہو تو تمیں وہ کام کرنا پڑیگا جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہترین امت کا بیان کیا ہے۔ یا تو تم کہد کہ ہم اچھے نہیں۔ ہم سے عیسائی اور یہودی اچھے ہیں۔ اور یا یہ کو کہ ہم اچھے ہیں۔ اور اگر تم اچھے ہو تو تمیں اشاعت اسلام کا کام بھی کرنا پڑے گا۔

اس تمہید کے بعد میں تحریک جدید کے نئے سال کے چندہ کا اعلان کرتا ہوں اور تحریک کرتا ہوں کہ دوست زیادہ سے زیادہ اس میں چندہ لکھوائیں۔ اور پھر اسے جلد ادا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ پچھلا بوجہ بھی اترے اور آئندہ سال تبلیغ کا کام بہتر طور پر ہو سکے اور

خدام اور انصار کے ذمہ

لگتا ہوں کہ وہ سارے دوستوں میں تحریک کر کے زیادہ سے زیادہ عددے جلد سے جلد بھجوائیں اور خدا کرے کہ فوڈ بک کے آخر تک ان کو وعدوں کی لیشیں پورا کرنے کی توفیق مل جائے اور دسمبر کے آخر میں تحریک جدید یہ اعلان کر سکے کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو گئی ہیں۔ پچھلے سال میں نے تحریک جدید کا بجٹ بڑی احتیاط سے بنوایا تھا۔ لیکن پھر بھی پتہ لگا ہے کہ تحریک جدید پر صیغہ المانت اور بعض دوسری مددات کا دلاکھ چالیس ہزار روپیہ قرض ہے۔ اس لئے قربانی اور ہمت کی ضرورت ہے۔ مگر گھبراو نہیں خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی مالی حالت بہتر بنائے اور تمیں مزید لاکھوں بھائی عطا فرمائے، جن کے ساتھ مل کر تم اس بوجہ کو آسانی کے ساتھ اٹھا سکو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے زمیندار ہی یورپ کے زمینداروں کی طرح محنت کریں تو ہماری آمد میں سو گنا اضافہ ہو

سلکا ہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں فی ایکٹر تین تین ہزار روپیہ آمد ہے اور ہماری جماعت کے پاس ڈریڈھ لاکھ ایکٹر سے زیادہ زمین ہے۔ اگر ہمارے زمینداروں کی آمد بھی تین تین ہزار روپیہ فی ایکٹر ہو تو ان کی آمد سائز ہے پینتالیس کروڑ روپیہ سالانہ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اس کاچھ فی صدی چندہ دیس، تو جماعت کا چندہ دو کروڑ ستر لاکھ بن جاتا ہے۔ اور اگر دس فیصدی دیس تو جماعت کا چندہ چار کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ گو جماعت کے دوست تبلیغ میں سنتی کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے لوگوں کے کافوں میں احمدیت کی تعلیم ذاتے رہتے ہیں اور وہ کچھ ہوئے احمدیت کی طرف آجاتے ہیں۔ اگر ہمارے زمیندار محنت کریں تو خود بھی انسیں فائدہ ہو گا یعنی ان کی مالی حالت بہتر ہو گی اور ان کے بچے تعلیم پائیں گے اور ساتھ ہی تبلیغ بھی ہو گی۔ اور وہ کتنم خیر امہ میں داخل ہو جائیں گے اور ان کا نام خدا تعالیٰ کے حضور پلے نبیر پر لکھا جائے گا۔ دیکھو اگر تم زیادہ نمازیں پڑھو گے تو اس کا ثواب صرف تمہارے حساب میں لکھا جائے گا۔ لیکن اگر تم زیادہ تبلیغ کرو گے، تو ساری دنیا اس سے فائدہ اٹھائے گی اور ساری دنیا کے ثواب میں تم شریک ہو جاؤ گے۔

(اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ الفضل۔ ۶۔ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۲)

حضرت مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری اور باطنی قرب ملنے کی دعا

مجلس انصار اللہ کراچی کے پہلے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر پیغام

تشدد و تھوڑا اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اے احباب کراچی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

چونکہ میں اس دورہ میں بیماری سے دو چار رہا ہوں اس لئے یہاں کراچی آ کر مجھے یہ موقعہ نہیں ملا کہ میں آپ لوگوں سے ملوں یا آپ لوگوں کو اپنے سے ملنے کا موقعہ دوں۔ دوستوں نے خواہش کی ہے کہ میں شیپ ریکارڈر پر کچھ الفاظ کہہ دوں اور وہ آپ کو سنا دیئے جائیں۔ سب سے پہلے میں آپ سے مذکور کرتا ہوں کہ کراچی میں آنے کے باوجود آپ کو وہ موقعہ نہیں ملا جو میریاں کو اپنے مہمان سے ملنے ملائے کامتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو میں پہلے ہی بیمار تھا۔ پھر بشیر آباد سے دلپسی پر مجھے کار کا ایک حادثہ پیش آیا، جس کی خبر الفضل میں چھپ چکی ہے۔ اس حادثہ سے پہلے تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ بس اب خاتمہ ہی ہے۔ جو دوست میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ جب یکدم آپ کی موڑ گری تو ہمارا دل دمل گیا کہ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ مگر جب آپ کار سے باہر نکلے تو آپ کو دیکھ کر ہمیں تسلی ہو گئی کہ آپ خدا تعالیٰ کے نفل سے صحیح و سلامت ہیں۔ پہلے خیال تھا کہ نخاع کٹ گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹروں نے دیکھنے کے بعد بتایا کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن میں کار سے باہر نکلا اور سارا لیکر کھڑا ہو گیا۔

ناصر آباد جا کر میرے دائیں پاؤں پر نقرس کا شدید حملہ ہوا لیکن علاج کی وجہ سے جلد ہی افata ہو گیا۔ پہلے دن ڈچار پانی کے ساتھ ہی پاٹ رکھنا پڑتا تھا۔ لیکن دوسرے تیرے دن میں دوسرے کمرہ میں پاٹ کے پاس چلا جاتا تھا۔ پھر ایک دن ہم باغ میں سیر کے لئے بھی گئے۔ لیکن جب ہم محمود آباد گئے تو چونکہ وہاں کی آب و ہوا میں رطوبت زیادہ تھے، اس لئے وہاں بھچ پر

نقوص کا دوبارہ حملہ ہوا۔ جو برابر ریل میں بھی کراچی پہنچنے تک جاری رہا۔ یہاں پہنچ کر باوجود اس کے کہ جماعت کے ڈاکٹروں اور شرکے دوسرے چوٹی کے ڈاکٹروں سے علاج کرایا گیا، ابھی تک کوئی افاق نہیں ہوا۔ اور اس وقت تک برابر انتاد رو ہے کہ میں نہ تورات کو سو سکتا ہوں نہ دن کو آرام سے لیٹ سکتا ہوں۔ اس لئے میں مجبور ہوں کہ آپ سے مل نہیں سکا۔ اور اس طرح میں نے آپ کے دل کو رنج پہنچایا ہے۔ امید ہے کہ آپ لوگ اس کا ازالہ دعا سے کریں گے۔ کیونکہ ہمارا اصل معالج خدا تعالیٰ ہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:-

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يُشْفِي

(سورۃ الشراء آیت ۸۱)

کہ جب میں اپنی یو قوفوں کی وجہ سے بیمار ہوتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے شفاء دیتا ہے۔ تو حقیقت یہی ہے کہ بیماریاں ہماری اپنی بے قوفی سے آتی ہیں۔ لیکن شفا خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر دیکھتے رہ جاتے ہیں اور انہیں پڑتی نہیں لگتا کہ کیا بیماری ہے۔ مجھے بھی کل یہاں کے ایک چوٹی کے ڈاکٹر نے، جن کی یورپ میں بھی شہرت ہے، کہا ہم آپ کی مرض کا خاطر خواہ علاج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ کا جسم بیماری کا مقابلہ نہیں کرتا۔ حالانکہ عمر کی زیادتی مخصوص انسانی کم عقلی کا بہانہ ہے۔ ورنہ ایک دفعہ گھرات کا ایک شخص میری بیت کرنے کے لئے آیا تو اس نے مجھے بتایا کہ اس وقت میری عمر ۱۸ سال کی ہے۔ اور میں ہمارا جلد رنجیت سمجھے کے زمانہ میں جوان تھا۔ تو انسان اپنی کوتاہی کی وجہ سے بہانے بناتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ حکیموں اور ڈاکٹروں کو عقل رے تو انہیں علاج سوجھ جاتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ انہیں عقل نہ دے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفہ اول "فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کام تو مخصوص قارورہ سو گھنٹا ہے۔ ورنہ علاج تو اللہ تعالیٰ ہی سمجھاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ سرگودہا کا ایک رئیس میرے پاس آیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا رئیس سمجھتا تھا۔ میں نے اسے بیماری کا معمولی ساملاعج بتایا، تو اس نے برا منایا اور سمجھا کہ گویا میں نے اس کی بٹک کی ہے۔ پھر وہ غصہ سے کہنے لگا کہ آخر آپ لوگ پیشتاب ہی سو گھنٹے والے ہیں۔ تو حقیقت یہی ہے کہ طبیب حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ علم طب مخصوص تلفی ہے اور طبیب کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ مرض کیا ہے۔ وہ مخصوص تک مارتا ہے جو بعض اوقات صحیح بھی ہو جاتی ہے۔ میرا علاج وہی ہو رہا ہے جو جوانی کی عمر

میں ہوتا تھا اور اس سے فائدہ ہو جاتا تھا، لیکن اب اس علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کل ہی مجھ سے ڈاکٹر نے کہ دیا کہ یہ عمر کا تقاضا ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے، ایک شخص بیت کے لئے میرے پاس قادیان آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ اس کی عمر ۱۸۸ سال کی ہے اور وہ لاہور سے پیدا چل کر آیا ہے۔ اور قادیان آیا اور اس سے تقریباً میل دور تھا۔ پس اگر خدا تعالیٰ طاقت دے اور وہ بڑی قدر توں کامال کے تو ۱۸۸ سال کی عمر کا آدمی بھی ۷۰ میل چل سکتا ہے۔ میرا تو ابھی ستر ہواں سال شروع ہوا ہے اور میں اس کے شروع میں ہی اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ جب میں پڑھتا ہوں یا سنتا ہوں کہ میرے زمانہ میں اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا ہے، تو میں شرم مند ہو کر خدا تعالیٰ سے کہتا ہوں کہ یہ محض ان کی حسن ظنی ہے ورنہ حق یہ ہے کہ میں وہ فرض پورا نہیں کر سکا جو تو نے میرے پرداز کیا تھا۔ اگر میں وہ فرض پورا کر لیتا تو اب تک اسلام دنیا کے کناروں تک پھیل چکا ہوتا۔ یہ میری غفلت اور کوتا ہیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ابھی دنیا کے صرف چند ٹکوں میں ہی تبلیغ ہوئی ہے۔ میں ۱۹۱۳ء میں خلیفہ ہوا تھا۔ لیکن تحریک جدید جس کے ماتحت مبلغین باہر جاتے ہیں۔ اس کی ابتداء ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ گویا میں نے ۲۰ سال غفلت میں گزار دیئے۔ یعنی ۲۰ سال بعد جا کر کہیں مجھے ہوش آئی، کہ ابھی بہت کام باقی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عرصہ میں یورپ اور دیگر ممالک میں مساجد تعمیر کی گئیں، جماعتیں قائم ہوئیں اور بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن اگر یہ تحریک ۲۰ سال قبل شروع کی جاتی تو شاید جماعت کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی۔ بہر حال میں جماعت سے ان کی اس تکلیف کی وجہ سے ہمدردی کرتے ہوئے جزاکم اللہ کہتا ہوں۔ ایک خدمت ایسی ہوتی ہے کہ باتیں کرنے یا سننے سے اس کا کسی قدر بدله خدمت کرنیوالے کو مل جاتا ہے۔ لیکن آپ کو ایسی خدمت کی توفیق ملی ہے جو بغیر معاوضہ کے تھی۔ میں ابھی تک اس کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکا۔ شاید اللہ تعالیٰ فضل کرے اور آپ کو اس خدمت کا بدلہ دیدے۔ پس میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس خدمت کا بدلے دے اور ادھر مجھے محنت دے اور اسلام کی خدمت کی توفیق دے کہ میں اور آپ سب

اسلام کی ترقی

اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ پھر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں قادیان بھی دے۔ ہم اپنی زندگی

میں قادیان جائیں۔ اور ہم میں سے جو لوگ مستحق ہوں ان کو اللہ تعالیٰ بھتی مقبرہ میں حضرت
سُجْ موعود علیہ السلام کے قرب میں جگدے۔ خدا تعالیٰ کا قرب تو ہمیں ہر جگہ نصیب ہے
أَيْنَمَا تُؤْلِئُوا فِيمَ وَجَهَ اللَّهُ

(سورہ البقرۃ آیت ۱۶۶)

جمان بھی ہم جائیں خدا تعالیٰ موجود ہے لیکن خدا تعالیٰ کو ہم نے حضرت سُجْ موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے ذریعہ دیکھا ہے۔ اس لئے ہمارا اول تذپیت ہے کہ جماں ہمیں خدا تعالیٰ کاظماً ہری قرب
نصیب ہے وہاں ہمیں حضرت سُجْ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کاظماً ہری قرب بھی نصیب ہو۔ آپ
کا قرب باطنی تو ہر ایمان والے کو حاصل ہے لیکن قادیان بھتی مقبرہ میں دفن ہونے والے کو
آپ کاظماً ہری قرب بھی مل جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت سُجْ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ظاہری اور باطنی دنو قرب عطا فرمائے اور پھر صرف ہمیں ہی عطا نہ فرمائے بلکہ دنیا کے سب
لوگوں کو عطا فرمائے۔ کیونکہ سب لوگ ہمارے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور
ایک دادا کی اولاد میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ السلام
علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

(محل انصار اللہ کراچی کے پہلے سالانہ اجتماع منعقدہ ۷، ۱۹۵۹ء مارچ)

کے موقع پر دیا جانے والا پیغام جو بذریعہ شیپ ریکارڈر۔ مارچ ۱۹۵۹ء

کو سنایا گیا۔ بحوالہ الفضل ۲۔ اپریل ۱۹۵۹ء ص ۳)

محل انصار اللہ کے پانچویں سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثاني کا پیغام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهُ وَنَعْلَمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيمِ
خَدَّا کے فضل اور رحم کے ساتھ
حوالا ناصر

برادران! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
اب تحریک جدید کے نئے سال کا وقت آگیا ہے ہماری جماعت کا چندہ پلے سے ہزاروں گناہوں
جانا چاہئے اور اگر آپ ہمت کریں اور تبلیغ کریں تو یقیناً یہ جائے گا اگر پلے ایک لاکھ ہو تاھتو تو
اب ایک کروڑ ہونا چاہئے۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ آپ آئندہ سال تحریک کے لئے اپنے
 وعدے لکھوائیں اور اپنے شروں میں جا کر تمام احمدیوں سے لکھوائیں تاکہ تحریک جدید کا چندہ
نہ صرف کروڑ بلکہ کروڑوں ہو جائے۔ خدا تعالیٰ آپ کے مالوں میں برکت دے گا۔ اور جماعت
کو بھی بڑھائے گا کیونکہ روپیہ بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور طاقتیں بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔
قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے ۝أَعْلَمُ مَا أَنْ أَنْتَ۝ اللّٰهُ يَحْوِلُ بَيْنَ الْمُرْءَ وَ قُلْبِهِ یعنی وہ انسان کے خیال
سے بھی زیادہ قریب ہے آپ جانتے ہیں کہ خیال انسان کے لکنا قریب ہے مگر خدا تعالیٰ اس سے
بھی زیادہ قریب ہے پس خدا تعالیٰ سے دعا کیں بھی سمجھئے کہ خدا ساری دنیا کے دلوں کو احمدیت کی
طرف پھیر دے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:- ”پھیر دے میری طرف اے
ساربان جگ کی مبار“ عیاںیت کو 1959ء سال ہو گئے مسیح محمدی کا زمانہ اس سے ہوا ہو گا۔ آپ
کی جماعت میں انشاء اللہ کئی گناہ زیادہ آؤ ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک زندگی
دے گا جب تک احمدیت دنیا کے چپے چپے پر پھیل چکی ہو گی اور دنیا کے تمام اموال احمدیت پر
قربان ہو رہے ہوں گے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دعا ہزاروں گناہ زیادہ شان و
شوکت سے پوری ہو گی کہ پھیر دے میری طرف اے ساربان جگ کی مبار۔ پس اپنے چندوں کو
بڑھاؤ اور خدا کی رحمت کو کھینچو کیونکہ جتنا تم چندہ دو گے اس سے ہزاروں گئے زیادہ تھیں ملے

گا۔ اور دنیا کی ساری دولت کھینچ کر تمہارے قدموں میں ڈال دی جائے گی۔ جس کے متعلق تمہارا فرض ہو گا کہ سلسلہ احتجاج کے لئے خرچ کرو۔ تاکہ دنیا کے چپہ چپہ پر مبلغ بھیجے جاسکیں۔ اور ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے۔ اور دنیا کی ساری حکومتیں اسلام میں داخل ہو جائیں۔ آپ کو یہ بات بڑی معلوم ہوتی ہو گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی نہیں۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تحریک جدید کے نئے سال کا آغاز کرتا ہوں۔

مرزا محمود احمد

ظیفہ المسیح الثاني ۱-۱۱-۵۹

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے چھٹے سالانہ اجتماع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثاني کا پیغام

اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنِ الْشَّرِّينَ الرَّجِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نَحْمَدُهُ وَنَصْلِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
 خَدَّا كَمْ فَضْلٍ أَوْ رَحْمٍ كَمْ سَاقَهُ
 هُوَ النَّاصِرُ

برادران جماعت احمدیہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ در کاتیہ

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں تحریک جدید کے نئے مالی سال کے آغاز کا اعلان کرتے ہوئے دوستوں کو اس تحریک میں زیادہ سے زیادہ جوش اور اخلاق کے ساتھ حصر لینے اور اپنے وعدوں کو بچھلے سالوں سے بڑھ کر پیش کرنے کی طرف توجہ دلاؤں۔ تحریک جدید کوئی نئی یا عارضی چیز نہیں بلکہ قیامت تک قائم رہنے والی چیز ہے۔ اس لئے مجھے ہر سال اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ مجھے کہا گیا ہے کہ میں اس بارہ میں اعلان کروں۔ اس لئے میں تحریک جدید کے نئے مالی سال کے آغاز کا اعلان کرتا ہوں اور دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مالی قربانی کا نمونہ دکھائیں تاکہ تبلیغ کا کام قیامت تک جاری رہے۔ یہ امر بارہ رکھو کہ ہماری جماعت محمد رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا کام قیامت تک جاری رہے گا۔ پس ہمیں بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے پرداللہ تعالیٰ کی طرف سے اشاعت اسلام کا جو کام کیا گیا ہے۔ وہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ اور ہمیں قیامت تک آپ کے جھنڈے کو بلند رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانیوں سے کام لینا پڑے گا۔

بے شک رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت اشرار انس پر آئے گی۔ لیکن اگر آپ لوگ یعنی پر قائم رہیں تو خدا تعالیٰ اس کو بدل بھی سکتا ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ قیامت اشرار انس پر نہیں بلکہ اختیار انس پر آئے۔ یہ تو امت کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو

ایسا اچھا بنائے کہ خدا تعالیٰ اپنی تقدیر کو بدلت دے اور قیامت آنے کے وقت بھی دنیا میں اچھے لوگ ہی ہوں بیرے نہ ہوں اور چونکہ اس زمانہ میں دنیا کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو کھڑا کیا ہے۔ اور ہماری جماعت نے قیامت تک اسلام اور احمدیت کو پھیلاتے چلے جانا ہے۔ اس لئے ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا فضل کرے کہ قیامت اچھے لوگوں پر ہی آئے۔ اور ہماری جماعت کے افراد کبھی بگزیں نہیں بلکہ ہمیشہ نیکی اور تقویٰ پر قائم رہیں۔ سلسلہ سے پورے اخلاص کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرتے رہیں۔ اور اپنے نیک نمونہ سے دوسروں کی ہدایت کا موجب بنیں۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ بھی اپنا اچھا نمونہ دکھائیں اور دوسروں کو بھی اپنے عملی نمونہ اور جدوجہد سے نیک بنانے کی کوشش کریں۔ تاکہ قیامت اشرار الناس پر نہیں بلکہ اخیار الناس پر آئے اور ہمیشہ آپ لوگ دین کی خدمت میں لگے رہیں جو خدا تقدیریں بناتا ہے وہ اپنی تقدیریوں کو بدلت بھی سکتا ہے۔ اگر آپ لوگ اپنے اندر ہمیشہ نیکی کی روح قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے فعل کے ساتھ اپنی تقدیر کو بھی بدلتے گا۔ اور قیامت تک نیک لوگ دنیا میں قائم رہیں گے جو خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرتے رہیں گے۔

پس کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو قیامت تک لئے چلا جائے اور اخیار کی صورت میں لے جائے نہ کہ اشرار کی صورت میں اور ہر سال جو ہماری جماعت پر آئے وہ زیادہ سے زیادہ نیک لوگوں کی تعداد ہمارے اندر پیدا کرے اور ہماری قربانیوں کے معیار کو اور بھی اونچا کر دے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور وہ آپ کو اس تحیک میں پورے جوش اور اخلاص کے ساتھ حصہ لینے کی توفیق اور ہمیشہ آپ کو خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اللہ

امن۔

(بحوالہ الفضل کیم نومبر 1960ء)

تبليغ کرنے کا تاکیدی ارشاد

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے آٹھویں سالانہ اجتماع پر پیغام

اعوذ بالله من الشیطون الرجیم بسم الله الرحمن الرحيم

النصار الله السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

مجھے افسوس ہے کہ میں بیماری کی وجہ سے آپ کے جلسہ میں شرکت نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو آپ کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تبلیغ کریں، تبلیغ کریں، تبلیغ کریں یہاں تک کہ حق آجائے اور باطل اپنی تمام نخوتوں کے ساتھ بھاگ جائے اور اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے اور دنیا میں صرف رسول اللہ کی حکومت ہو۔ اسی کام کی طرف میں آپ کو بہاتا ہوں۔ اب دیکھنا ہے کہ من انصاری الى الله
تحریک جدید کے نئے سال کا بھی اعلان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو قربانیوں کی توفیق دے۔ امین الامم امین

خاکسار

مرزا محمد احمد

خلیفہ المسیح الثاني

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے آٹھویں سالانہ اجتماع کے موقع پر بذریعہ شبیریکارڈز سنایا جانے والا پیغام۔ جو اللہ ماہنامہ انصار اللہ۔ ربودہ نومبر ۱۹۷۲ء)

خداۓ واحد کے نام کی بلندی اور کفر اور شرک کی نیخ کنی کیلئے قربانی کریں

النصار اللہ کے نویں سالانہ اجتماع کے موقع پر بیان

بسم الله الرحمن الرحيم اعوذ بالله من الشيطن الرجيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

حوالا ناصر

برادران جماعت احمدیہ!

السلام علیکم در حسنة اللہ و برکاتہ

آپ لوگ جو اپنے سالانہ اجتماع میں شمولیت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں آپ سب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کے ایمان اور اخلاق میں برکت دے اور آپ کو اور آپ کی آئندہ نسلوں کو بھی خدمت دین کی ہیشہ زیارت سے زیادہ توفیق عطا فرماتا رہے۔

النصار اللہ کی تنظیم درحقیقت اسی غرض کے لئے کی گئی ہے کہ آپ لوگ

خدمت دین

کاپاک اور بے لوث جذبہ اپنے اندر زندہ رکھیں اور وہ امانت ہے آپ نے اپنے بچپن اور جوانی میں سنپھالا اور اسے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا، اس کی اب پسلے سے بھی زیادہ نگہداشت کریں اور اپنے بچوں اور نوجوانوں کو بھی اپنے قدم بقدم چلانے کی کوشش کریں۔ بے شک ان کی تنظیمیں الگ الگ ہیں۔ لیکن اطفال الاحمدیہ آخر آپ کے ہی بچے ہیں اور خدام بھی کوئی علیحدہ وجود نہیں بلکہ آپ لوگوں کے ہی بیٹے اور بھائی ہیں۔ پس جصرح ہر باب کا فرض ہے کہ وہ

اپنی اولاد کی تربیت کرے۔ اسی طرح انصار اللہ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی جماعت کے بچوں اور نوجوانوں کے حالات اور ان کے اخلاق کا جائزہ لیتے رہیں اور اگر خدا نخواست ان میں کوئی کمزوری دیکھیں تو نزی اور محبت کے ساتھ اس کو دور کریں کوشش کریں اور اپنی ظاہری جدو جد کے ساتھ ساتھ دعاؤں سے بھی اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کو جذب کریں اور سب سے بڑھ کر اپنا نیک نمونہ ان کے سامنے پیش کریں تاکہ ان کی فطرت کا مخفی نور چمک اگئے اور دین کے لئے قربانی اور فدائیت کا جذبہ ان میں ترقی کرے۔ اگر جماعت کے یہ تینوں طبقات اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھنے لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری قوی زندگی یہی شہ قائم رہ سکتی ہے۔ افراد بے شک زندہ نہیں رہ سکتے لیکن قوم اگر اپنے آپ کو رو حالی موت سے محفوظ رکھنا چاہے، تو وہ محفوظ رکھ سکتی ہے۔ پس کوشش کرو کہ خدا تمیں دامنی رو حالی حیات بخشے۔ کوشش کرو کہ تم اپنے بیچھے نیک اور پاک نسلیں چھوڑ کر جاؤ تاکہ جب تمہاری موت کا وقت آئے تو تمہاری آنکھیں محنڈی ہوں اور تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کی حمد کر ری ہو۔

تمیں یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر زمانہ میں حالات کے بدلتے کے ساتھ خدمت دین کے قاضی بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیت کافتنہ سب سے بدانہ ہے۔ جس کے استیصال کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا اور

کسر صلیب کا کام

آپ کے سپرد فرمایا۔ پس اس زمانہ میں سب سے بڑی تسلیکی خداۓ واحد کے نام کی بلندی اور کفر و شرک کی بیچ کرنی کرنا ہے۔ جس کے لئے جماعت کو مالی اور جانی ہر قسم کی قربانیوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس امر کو دیکھتے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے دوستوں سے کماٹا کاکہ پاکستان میں عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر شخص کو سال بھر میں کم از کم ایک ہفتہ وقف کرنا چاہئے۔ نجیع معلوم نہیں کہ جماعت نے عملی رنگ میں اس کا کیا جواب دیا اور صدر انجمن احمدیہ نے اس کی مگر اپنی کے لئے کیا کوششیں کی۔ لیکن اگر ابھی تک ہماری جماعت نے اس کی طرف پوری توجہ نہ کی ہو تو میں ایک دفعہ پھر آپ لوگوں کو اس فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ عیسائیت کافتنہ کوئی معمولی قتنہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدم سے لیکر اب تک کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا، جس نے اپنی امت کو دجال کے قتنہ سے نذر رکھا ہو۔ میں

نہیں سمجھ سکتا کہ اتنے ہے فتنے کے ہوتے ہوئے ہماری جماعت کس طرح آرام کی نیند سو سکتی ہے اور کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں میں وہ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کر سکتی ہے۔ جب کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو لوگ بیٹھ کر کپیں ہائکنے نہیں لگ جاتے بلکہ پاگلانہ طور پر ادھر ادھر دوڑنے اور آگ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر یہی احساس ہماری جماعت کے اندر بھی موجود ہو تو کفر و شرک کی آگ جو اس وقت دنیا کو چلا کر خاکستر کر رہی ہے۔ اس کو بجا نہ کے لئے آپ لوگوں کے اندر کیوں بے تابی پیدا نہ ہو۔ پس میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ وقت کی نزاکت کو سمجھو اور اس جہاد کی طرف آؤ جس سے بڑا جہاد اس زمانہ میں اور کوئی نہیں۔ آج ایک بہت بڑی روحلانی جنگ دنیا میں لڑی جا رہی ہے اور اسلام کے مقابلہ میں ایک بڑا بھاری فتنہ سراخا ہے ہوتے ہے۔ ہماری تواریخ کی نیند بھی اس فکر میں اڑ جانی چاہئے اور ہمیں اپنے تمام پروگرام اس نقطے کے ارد گرد مرکوز کرنے چاہیں۔ بے شک ترکیہ نفس بھی ایک بڑی ضروری چیز ہے اور دعاوں اور ذکر الہی سے کام لینا بھی ہر مومن کا فرض ہے مگر

تبیغ اسلام

ایک نہایت وسیع اور عالمگیر نیکی ہے، جس میں حصہ لینے والا ترکیہ نفس اور دعاوں اور ذکر الہی کی دولت سے بھی محروم نہیں رہے گا۔ پس دجالی فتنے کے مقابلہ کے لئے اجتماعی کوشش کرو۔ اپنے اموال کی بیش قربانی کرتے رہو اور اپنے اوقات کو اس غرض کے لئے وقف کرو تاکہ اسلام دنیا میں غالب آئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دنیا کے کونہ کونہ میں قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کے اس اجتماع کو ہر لحاظ سے خیر و برکت کا موجب بنائے اور آپ کو اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے اور وقت کے تقاضوں کو صحیح رنگ میں شاخت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ لوگوں میں ایسا جذب روحلانی اور اخلاقی پیدا کرے کہ آپ لاکھوں لاکھ لوگوں کو احمدیت میں داخل کرنے کا موجب بن جائیں تاکہ قیامت کے دن ہم شرمندہ نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں اور خطاؤں کو معاف فرماتے ہوئے اپنی رحمت کی چادر میں ہمیں چھپائے اور اپنے دین کے سچ اور جاں ثنا خادموں میں شامل کرے۔ اے خدا

تو ایسا ہی کر۔

والسلام
خاکسار

مرزا محمود احمد

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے نویں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر سنایا جانے والا پیغام جو حضرت
صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے اجتماع کے افتتاحی اجلاس میں کیم
نومبر ۱۹۶۳ء کو ۳ بجے سہ پر پڑھ کر سنایا۔ بحوالہ الفضل مورخہ ۳ نومبر ۱۹۶۳ء ص ۸ اور ۸)

حقیقی معنوں میں انصار بننے کی دعا

انصار اللہ کے دسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر پیغام
 "تمہارا نام "انصار اللہ" ہے تم نے اپنے اس نام کی عزت کا خیال بھیشہ رکھنا
 ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں حقیقی معنوں میں انصار اللہ بنائے۔ آمین"
 مجلس انصار اللہ مرزا یہ دسویں اجتماع کے موقع پر سنایا جانے والا پیغام جو محترم مولانا جلال الدین
 صاحب شس نے ۱۳۔ نومبر ۱۹۶۲ء کو تین بجے سہ پہنچہ کر سنایا۔ بحوالہ الفضل ۱۵۔ نومبر ۱۹۶۲ء۔ صفحہ ۱)

صحیح معنوں میں انصار اللہ بننے کی توفیق پانے کی دعا

انگریزی میں پیغام

"My message is that God may enable you to
 become Ansarullah in true sense of the term.

Khalifatul MasihRabwah"

ترجمہ:- میرا پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو صحیح معنوں میں انصار اللہ بننے کی توفیق عطا
 فرمائے۔

خلیفہ المسیح ربوہ

(مجلس انصار اللہ خیر پور ڈویشن کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۳۔ فروری ۱۹۶۱ء کیلئے بذریعہ تاکہ بھجوایا
 جانے والا پیغام۔ بحوالہ ماہنامہ انصار اللہ مارچ ۱۹۶۱ء)

"Sabeel - ur - Rishad"

Volume I

Hazrat Khalifatul Masih II directed the men of Jamaat Ahmadiyya aged 40 years and above to organise themselves as Majlis Ansarullah. His original directives explaining the aims and objects of this organisation and his other instructions to Ansarullah from time to time are compiled in the form of this book